دینِ ساحری
دیومالا اور اسلام

رحمان مذنب
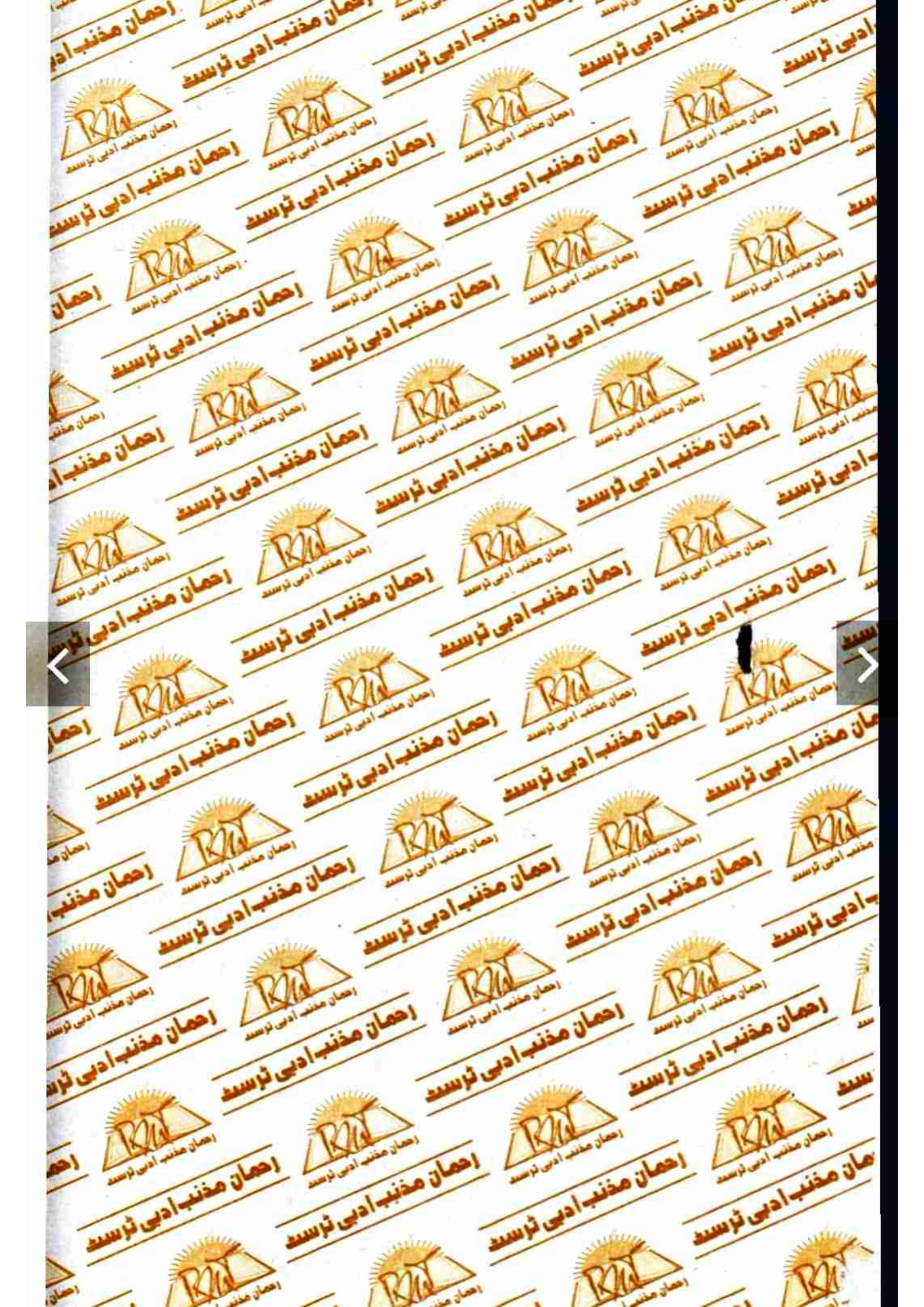
دینِ ساحری، دیو مالا اور اسلام

اسلام
اور
قبلِ
اسلام
کے
ادیان
کی
سات
ہزار
سال
کی
تاریخ

دینِ ساحری، دیومالا اور اسلام
(اسلام سے قبل کے اُدیان)
رحمان مذنب
رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ
رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ، لاہور

کتاب : دینِ ساحری، دیومالا اور اسلام

مصنف : رحمان مذنب

زیرِ اہتمام : رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ

۱۸۔غزالی سٹریٹ، مجاہد روڈ، اتحاد کالونی،

علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔۱۸ (پاکستان)

فون: ۷۵۷۰۹۷۲

ای میل۔rehmantrust@hotmail.com

کمپوزنگ : محمد طارق مغل

مطبع : نقوش پریس لاہور

تعداد : ایک ہزار

قیمت :200 روپے

واحد تقسیم کار : نگارشات

۲۴۔مزنگ روڈ لاہور

فون: 042-6305241,6362412 فیکس 042-6312968

ای میل۔nigarshat@yahoo.com

ISBN NO. 969-8694-11-0

شاعر، سکالر اور سدا بہار دوست

افضل پرویز

کے

نام

مندرجات

پہلا حصہ

دوسرا حصہ

پیش لفظ

⌘

سحر و طلسم کو سمجھنے اور سمجھانے میں علمائے بشریات اور ماہرینِ آثاریات کو عمریں صرف کرنی پڑیں۔ ہزاروں سال پرانی دستاویزیں...... پیپرس کے مخطوطے، عبادت گاہوں کے نقش و نگار، در و دیوار کی علامتی تصاویر، فرش و عرش کی پراسرار تحریریں، لاٹھوں اور خشت و سنگ پر کندہ عبارتیں ایسی صاف ستھری اور تازہ ہیں جیسے مصور اور خوشنویس ابھی ابھی اپنے اپنے قلمدان، قلم اور مُوقلم سنبھال کر کارگاہ سے رخصت ہوئے ہوں لیکن جب عہدِ حاضرہ میں انہیں پڑھنے والے آئے تو ان پر پڑے ہوئے بوجھل پردے دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک لکیر، ایک تصویر، لفظ کا ایک شوشہ بھی تو سمجھ میں نہ آیا۔

کیسی عجیب بات ہے جو زبانیں صدیوں دنیا میں رائج رہیں، عظیم القدر علوم و فنون، تہذیبوں اور ثقافتوں کی امین رہیں، اپنے پیچھے ان مٹ نقوش چھوڑ گئیں، یوں غائب ہوئیں کہ انہیں ایک بھی بولنے والا نہ رہا۔ ہائر وگلیفکس اور خشتی میخی خط کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ تھا۔ پھر یہ زبانیں اور ان کی پراسرار تحریریں کیسے پڑھی اور سمجھی گئیں؟ ان کی ایک الگ کہانی ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ برسوں کچھ دیوانے رات دن آنکھیں پھوڑتے رہے۔ انہوں نے رتجگوں پر رتجگے کئے ــــــ کام ہی کام، ہر لحظہ ہمت شکنی، بے چارے پاگل ہو ہو گئے لیکن پھر بھی اپنے مشن سے دستبردار نہ ہوئے۔ ان کے اندر ذوق و شوق کی جوالا مکھی جلتی ہی رہی۔ انتہائی لگن سے ناقابلِ فہم حروف و نقوش کو پڑھنے کے لئے دیدہ ریزی کرتے رہے، سوچتے رہے، آخر خدا خدا

کر کے مشکل آسان ہوئی۔ نقوش مسکرانے لگے، لفظ بولنے لگے، سب کچھ قابلِ فہم ہو گیا اور پھر ایسا مرحلہ آیا کہ مفاہیم و مطالب کے سلسلے میں یہ سر پھرے باہم بحث و مباحثہ بھی کرنے لگے۔

ایسے ہی چند دیوانے آج کل ہڑپہ اور موہنجو دڑو کے کھنڈروں میں بکھری ہوئی تہذیب کی گمشدہ زبان کو سمجھنے کے لئے سر کھپا رہے ہیں۔

تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں گڑے مردے بھی اکھاڑے گئے، محاورتاً نہیں! سچ مچ، اتنا ہی نہیں بلکہ مردوں میں جان ڈالی گئی، انہیں زبان دی گئی اور پھر ان سے ہزاروں سال پرانے تہذیبی و ثقافتی مخفی راز اگلوائے گئے۔ روزمرہ کی باتیں معلوم کی گئیں۔

اس طویل کاوش کا ثمرہ...... ہزاروں مردے جو اکھاڑے گئے، آج وہ حنوط شدہ لاشوں کی صورت میں دنیا کے بڑے بڑے عجائب خانوں کا بے بہا اثاثہ ہیں۔ اگرچہ انتہائی اہم مخفی صورتیں پردے پھاڑ کر سامنے آ گئی ہیں تاہم کام ابھی تمام نہیں ہوا۔

ایک ایک مُردے نے معلومات کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ اسکے سامنے زندہ لوگ گنگ ہو گئے ہیں۔ اہرام کے تاریک تہ خانوں سے علم کے جو خزانے ملے، ان کی بدولت جو گتھیاں سلجھیں، دینی افکار عیاں ہوئے، علمی و فنی فتوحات ہوئیں ان کی تفصیل ایک نہایت ہی عام لفظ جادو میں سما جاتی ہے۔

مصر، عراق، شام اور ہند تو اس کے گڑھ تھے لیکن دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں ملے گا جہاں جادو کا سکہ رواں نہ تھا۔ ایشیا اور افریقہ ہی نہیں جدید آسٹریلیا میں بھی اوائلی دور کے ایسے قبائل پائے جاتے ہیں جو ہزاروں سال پرانی کینچلی اتارنے کیلئے تیار نہیں۔

جادو کی تشریح و توضیح کے لئے سوشل اینتھروپولوجی کے جید علماء...... بابائے بشریات سر جیمز جارج فریزر، وائس بج، مس جین ایلن ہیری سن، ایڈتھ ہملٹن، گلبرٹ مرے، ویسٹر ہٹن، جیمز ہنری بریسٹیڈ، آئی ای ایس ایڈورڈز، جارج بی ویٹر، ڈبلیو بی ایمرے اور دیگر حضرات نے بڑا کام کیا ہے۔ ان کی توجیہات، تصریحات اور انکشافات حیرت خیز بھی ہیں اور نئے بھی۔ ان کی مساعی سے نہایت مربوط دینی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ انگریزی میں جادو کا لفظ جس قدر واضح ہے اردو میں اسی قدر اجنبی ہے۔ ہمارے یہاں گنتی کے چند لوگ ملیں گے جنہیں اس سے سچا شغف ہو

حالانکہ ہر دانشور کو بالعموم اور عالم دین نیز مبلغ اسلام کو بالخصوص اس کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیئے ۔ یہ مطالعہ نہ صرف لابدی بلکہ نہایت دلچسپ علم و دانش سے بھرپور اور فکر انگیز ہے۔ سوشل اینتھرو پولوجی، جادو جس کا ایک شعبہ ہے قطعاً خشک موضوع نہیں۔

اس لفظ کے گرانقدر تہذیبی، ثقافتی اور علمی و فنی سرمایے کے پیش نظر میں اسے دینِ ساحری کہتا ہوں۔ اس کی عظمتیں کارنامے اور فتوحات حیران کن ہیں۔ صدیوں نا قابلِ شکست رہا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے مزاحمت تو کی لیکن اس کا ڈنکا بجتا ہی رہا۔ آخر ۵۷۱ عیسوی میں وہ آفتاب طلوع ہوا۔ جس نے اسے گہنا دیا، اس کے تار و پود بکھیر دیئے۔ اگر محمد عربی ﷺ احسان نہ فرماتے، حضور کے ذریعے ہمہ گیر معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی انقلاب برپا نہ ہوتا تو مخلوقِ خدا جادوگری کی غلام گردشوں میں بھٹکتی پھرتی۔ اس کی توانائی، اثر و نفوذ، وسعت، گہرائی اور اونچائی پاتال سے فلک تک تھی۔ اس کی پھیلی ہوئی مضبوط اور پیچ در پیچ جڑیں اور ٹہنیاں دیکھ کر کسے گمان تھا کہ یہ نیست و نابود بھی ہو سکتا ہے۔ محمد عربیؐ کی ذات گرامی توانائی کا لازوال اور بیکراں سرچشمہ تھی۔ آپؐ کی انقلابی تحریک اس قدر مستحکم اور زوردار تھی، روشن خیالی اور انسان دوستی کی اقدار سے اس قدر آراستہ تھی کہ اس کے سامنے جادو کا فریب نہ چل سکا۔ اسلام کے ریلے نے اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا۔ محمد عربیؐ کا یہ انقلاب نا قابلِ یقین ہوتے ہوئے بھی قابلِ فہم اور حقیقی تھا۔ آپؐ نے نسلِ انسانی کو جادو کے بندھن سے آزاد کیا۔ دنیا کو نیا حسن و جمال دیا۔ آدمی کو قدر و عافیت معلوم ہوئی اسے نئی پہچان ملی، خالق اور مخلوق کا صحیح رشتہ دریافت ہوا۔

میرے نقطہ نظر سے دینِ ساحری کا جس قدر مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر اسلام کی سچائی اور بڑائی کا ادراک ہوگا۔ اس طرح اسلام کی سچائی اور بڑائی کے لئے بڑا عمدہ حوالہ مل جائے گا۔

رحمانُ مذنب

جنوری ۱۹۸۸

عقاب
پہلا حصّہ
اسلام اور جادوگری
قبلِ تہذیب کے حیوانی معبود

⌘

صبحِ تہذیب کے انسان نے زندگی کو ایسے خیالوں اور نظریوں کے تانوں بانوں میں الجھا لیا کہ ان کی منطق اور حقیقت کو سمجھنے کے لئے رواں شناسوں اور سائنس دانوں کی کھیپ پر کھیپ سرگرداں چلی آ رہی ہے، گتھیاں سلجھ رہی ہیں، الجھ رہی ہیں۔ ماضی کا سادہ لوح، فطرت پرست اور غیر فلسفی شخص آج کا نہایت مشکل، پیچیدہ اور متنازعہ فیہ ہستی بن گیا ہے۔

اس انسان کی نسل تمام نہیں ہوئی۔ یہ انسان تو آج بھی ہم میں موجود ہے، ہمارا ہمعصر ہے۔ قبل تاریخ اور بعد از تاریخ کے انسان نے ترقی کے جو مدارج طے کئے ان میں پہچان کے لئے وہ ہمیں نہایت گرانقدر ـــــ بھونڈے اور نفیس، بدنما اور خوشنما، تراشیدہ اور ناتراشیدہ ہر قسم کے آلات، اوزار اور نمونے دے گیا ہے۔ بعض یادگاروں کی نفاست اور خوبصورتی قابلِ رشک ہے۔ انہی کی مدد سے ہم نے اس کے مذہب و مسلک، نظریات و خیالات اور رویّوں کا سراغ لگایا ہے۔ اس کی عادات، رسومات اور سحری تقریبات کی تفصیل معلوم کی ہے۔

قبلِ تاریخ اور قبلِ فلسفہ کا انسان ناپید نہیں۔ افریقہ اور آسٹریلیا میں اب بھی پایا جاتا ہے۔ آسٹریلیا کی اس قدیم نسل کو اپنے اصل روپ میں محفوظ کرنے کے اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں تا کہ یہ لاثانی عجائب خانہ عالم آنے والی نسلوں کے مطالعے کے لئے بھی باقی رہے۔ اس کی حفاظت انہی خطوط پر کی جا رہی ہے جن خطوط پر بعض نایاب جانوروں کی کی جاتی اور ''سنکچواری'' (امان گاہ) بنائی جاتی ہے۔

فریزر ــــــ بابائے بشریات کی معلومات سے استفادہ کر کے فرائڈ نے نہایت دلچسپ تھیوری مرتب کی ہے اور اپنی کتاب ''ٹوٹم اینڈ ٹیبو'' میں اسے بیان کیا ہے۔ فرائیڈ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ماضی کے مجہول انسان اور ہر دور کے ذہنی بیمار کی نفسیات میں کئی نکات مشترک ملیں گے۔

اس ضمن میں اس نے ''ٹوٹم'' کا ذکر کیا ہے اور دنیا کے سب سے کمسن برِّ اعظم ــــــ آسٹریلیا کے قبلِ تاریخ کے باشندوں کو لیا ہے۔ جو صدیاں گزرنے پر بھی اپنی پرانی وضع پر قائم ہیں۔ ان کے خط و خال، رہن سہن اور طور طریقے ذرا نہیں بدلے۔ یہ ماضی کی جو متاع سنبھالے بیٹھے ہیں اسے تاریک برِّ اعظم کے کتنے ہی قبائل گنوا چکے ہیں۔ ان کے سواء شائد ہی اور کہیں قبلِ تہذیب کی قوم خالص حالت میں ملے۔ فرائیڈ کے نزدیک ملایا اور پولی نیشیا کی پرانی نسلیں انہی کی ہمسایہ ہیں لیکن ان میں لسانی اور جسمانی اعتبار سے کوئی قرابت نہیں۔

آسٹریلیا کے یہ قدیم باشندے جس ''ٹوٹم ازم'' کے قائل ہیں وہ صرف انہی سے مخصوص نہیں، ماضی میں یہ عالمگیر مسلک تھا اور ساحر پروہت اسے بے حد اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ جن کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے دینِ ساحری کی ترقی یافتہ شکل سے نابلد ہیں۔ مصر، وادی سندھ اور فرات و دجلہ کے دوآبے میں بسنے والوں نے دینِ ساحری میں جو خوبصورتیاں پیدا کیں، جو دلفریب داستانیں گھڑیں، جو فلسفے تراشے اور جن لافانی زرعی تہذیبوں کو جنم دیا، یہ ان سے کوسوں دور رہے۔ یہ تو گھر بھی نہیں بناتے۔ انہیں تو مستقل ٹھکانے بنانے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ کھیتی باڑی بھی نہیں کرتے۔ کتے کے سوا کوئی جانور نہیں پالتے۔ گوشت پر گزر بسر کرتے ہیں۔ ان کا تمام وقت شکار کرنے میں لگ جاتا ہے۔ مٹی تلے دبی جڑیں بھی کام میں لاتے ہیں۔ یہی جانتے ہیں کہ بھوک اور پیاس بجھانے والی یہ جڑیں کہاں ملیں گی۔ ان کے یہاں دورِ ساحری کے بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کا کوئی وجود نہیں۔ بزرگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے وہی تمام مسئلے اور تنازعے حل کرتی ہے۔ ان کے یہاں کوئی معبود نہیں اور اسی لئے معبد بھی نہیں، پریسٹ ہڈ (پروہتی نظام) کی لعنت بھی نہیں۔

یہ لوگ لباس سے نا آشنا ہیں لیکن بیسویں صدی کی ملبوس درندوں سے کہیں زیادہ با اخلاق ہیں۔ مہذب دنیا کی طرح ان کے یہاں...... جنسی حملوں، قتل و غارت، جنسی وارداتوں اور ذہنی و جسمانی جنسی روگ کا پتہ نہیں ملتا۔ یہاں وہ کلینک بھی نہیں جہاں رات دن نفسیاتی معالج

جنسی مریضوں کی لمبی لمبی رپورٹیں تیار کرنے اور چھاپنے میں لگے رہتے ہیں۔ ''کال گرل'' اسی قسم کی ایک رپورٹ ہے جس کی درآمد ممنوع ہے اور اب یہی کتاب نئے نام سے فروخت ہو رہی ہے۔ یہ لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور اسی لئے ''کام سُوتر'' (کوک شاستر) اور ''پُرفیومڈ گارڈن'' لکھنے والے مصنف ان میں پیدا نہیں ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے یہاں بہن بھائیوں کی شادی ایک مجبوری تھی لیکن مہذب مصر میں ایسی کوئی مجبوری نہ تھی۔ پھر بھی فرعون اپنی حقیقی بہن سے شادی کرتا۔ ان کے یہاں تاج کی اصل وارث عورت ہوتی۔ فرعون حقیقی بہن کے علاوہ بیٹیوں سے بھی شادی کر لیتا۔ مُوحّد فرعون آخنِ عطون نے دو بیٹیوں سے شادی کی۔

آسٹریلیا کے ٹوٹم پرست سارا زور اس پر صرف کرتے ہیں کہ محرمات سے جنسی رشتہ استوار نہ کریں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی معاشرتی تنظیم کا مقصد اس کو سوا کچھ نہیں کہ محرمات کی حرمت بہر حال برقرار رکھی جائے۔ یہ تنظیم تو جیسے وجود ہی میں اس لئے آتی ہے۔

ان کا مسلک ہی ٹوٹم پرستی ہے۔ ٹوٹم کا رشتہ اتنا زبردست ہے کہ خونی رشتہ اس کے سامنے ہیچ ہے۔

ٹوٹم کیا ہوتا ہے؟

اس کا ذکر ابھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ عرض کر دوں کہ ٹوٹم پرستی کا محرمات کی حرمت یا بیحرمتی سے کوئی تعلق نہیں لیکن نہ جانے یہ نظریہ کس طرح مذکورہ بالا ٹوٹم پرستوں کے یہاں رائج ہوا۔ ٹوٹم پرستی تاریخی اعتبار سے زرعی تہذیب اور زمین پرستی (دھرتی دھرم) سے قبل کا مسلک ہے اور جنگل کے آدمی یا شاید غار میں رہنے والے کی ایجاد ہے۔ یہ آج بھی افریقہ میں وسیع پیمانے پر رائج ہے۔ شمالی امریکہ کی پرانی نسلیں بھی اس پر ایمان رکھتی ہیں۔ ''متعدد محقق مانتے ہیں، کہ انسانی ارتقاء میں ٹوٹم پرستی کو اہم مقام حاصل رہا ہے اور یہ مرحلہ عالمگیر طور پر آیا ہے۔'' (ٹوٹم اینڈ ٹبو حاشیہ ص ۱۳۔ ۱۹۵۰ء)

ٹوٹم پرست الگ الگ قبیلوں میں بٹ جاتے ہیں تو وہ اپنی پہچان کے لئے الگ الگ ٹوٹم کو اپنا لیتے ہیں۔ یہ ٹوٹم کوئی ایسا جانور رہتا ہے جو ضرر رساں بھی ہو سکتا ہے بے ضرر بھی۔ خنزیر، مگرمچھ، شیر، گائے، عجل (بچھڑا، یعنی چھوٹا سانڈ)، بکری وغیرہ ٹوٹم تھے۔ بعض حالتوں میں

پیڑ پودے بھی ٹوٹم بنا لئے جاتے ہیں جیسے برگد اور پیپل کے پیڑ، تلسی کا پودا۔ مظاہرِ قدرت بھی ٹوٹم بن جاتے ہیں جیسے مینہ۔

قبیلے کا ٹوٹم ہی اس کا مورثِ اعلیٰ اور جدِ امجد ہوتا ہے۔ یہ ٹوٹم اہلِ قبیلہ کا نگہبان ہوتا ہے اور مددگار بھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوفناک اور خطرناک جانور کیونکر ٹوٹم ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب فرائیڈ نے بڑی عمدگی سے دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے برے سے برا جانور بھی اپنے بچوں کی نگہبانی کرتا ہے۔ پس یہ وصف اس کے قبیلے کو فائدہ پہنچاتا جو اس کی اولاد قرار پاتا۔

وسطی آسٹریلیا کے بے آب و گیاہ علاقوں میں جہاں غذائی قلت شدت اختیار کر جاتی ہے ٹوٹم...... مقدس جانور یا پیڑ پودے کی حفاظت کے لئے سحری رسوم بڑی پابندی، احتیاط اور صحت سے ادا کی جاتی ہیں۔ ہر ٹوٹم قبیلہ اپنے اپنے ٹوٹم کے لئے پریشان رہتا ہے۔ ان کی رسومِ سحری تالیفی سحر کی ذیل میں آتی ہیں۔ ان میں نقالی کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مقدس جانور کی بقاء اور افزائشِ نسل کے لئے رسم یوں ادا کی جاتی کہ جانور کا پتلا بنایا جاتا اور اسے ہاتھ میں لے کر اس کی آواز پوری قوت سے نکالی جاتی ہے۔ شتر مرغ قبیلے کے لوگ زمین پر شتر مرغ کی تصویر بناتے ہیں۔ پوری تصویر نہ بنائیں تو ان اعضاء کا خاکہ بناتے ہیں جو انہیں مرغوب ہوتے ہیں۔ سب لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ کر گاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شتر مرغ کے ظہور کی نقل اتارتے ہیں۔ انہوں نے ایسے سرپوش پہن رکھے ہوتے ہیں جو شتر مرغ کے سر اور گردن کے مماثل ہوتے ہیں۔ یہ تکلف اسی لئے ہے کہ شتر مرغ متعلقہ قبیلے کا اہم غذائی جانور ہے۔

قدیم مصری خنزیر کو مقدس جانور مانتے تھے۔ سانڈ ان کے یہاں ربّ الشمس کا جانور تھا۔ اسی کی قربانی دیتے۔

ٹوٹم پرست اپنے ٹوٹم کو نہ کھاتے اور سمجھتے کہ انہیں کھانے سے کوڑھ اور دیوانگی ایسے مہلک امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب لوگ بڑے بڑے عجیب جانوروں کو مقدس خیال کرتے اور خود کو ان کی نسل قرار دیتے۔ سانپ، کچھوا، مگرمچھ، کتا، کیچوا سبھی ٹوٹم تھے۔ اگرچہ فی زمانہ مہذب اقوام ٹوٹم پرست نہیں تاہم ٹوٹم پرستوں کے بعض جانور کھانے میں مضائقہ نہیں سمجھا

جاتا۔ جاپانی سانپ کا سالن شوق سے کھاتے ہیں۔ کوریا کے لوگ کتوں کو چٹ کر جاتے ہیں۔ پنجاب کے سانسی کچھوے کھاتے ہیں۔

ٹوٹم پرستوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے ٹوٹم کو چھوتے تو پھر اپنے آپ کو اور اپنے لباس کو دھو لیتے۔ ان کی نزدیک اس طرح ٹوٹم کا تقدس برقرار رہتا۔ ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ جو مقدس ہے وہ خطرناک بھی ہے چنانچہ لوگ اپنے ٹوٹم کے احترام میں نہایت سنجیدہ اور محتاط ہوتے، اسے چھونا بھی خطرناک تھا۔ مگرمچھ کا ایک قبیلہ سمجھتا ہے کہ اس سے سامنا ہو جائے تو ضرر پہنچے گا لیکن پھر بھی لوگ اسے مقدس اور باپ مانتے۔

فریزر کے یہاں اس سلسلے میں کثرت سے مثالیں ملیں گی۔ بقول بابائے بشریات ٹوٹم پرست جانور کے نام پر اپنا نام رکھتا اور اسے بھائی کہتا ہے، پھر یہ اسے ہلاک بھی نہیں کرتا۔ آسٹریلیا کے ٹوٹم پرست الو، چمگادڑ اور شتر مرغ کو جنس کی علامت قرار دیتے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے علاقے کے لوگ اپنے ٹوٹم کو جنس کی علامت قرار نہیں دیتے۔ یہی سبب ہے کہ آسٹریلیا میں جنسی تعلقات میں ٹوٹم پرستی کو عمل دخل ہے۔

ٹوٹم کی نسبت کہیں عورت سے اور کہیں مرد سے ہوتی ہے۔

قبیلے کے ہر فرد کی زندگی اپنے ٹوٹم (جانور یا پودے) سے وابستہ ہوتی۔ جنوں اور پریوں کی کہانیوں میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ فلاں جن کی جان طوطے میں ہے، طوطے کو ہلاک کر دیا جائے تو جن از خود ہلاک ہو جائے گا۔ کہانیوں میں یہ حوالہ ٹوٹم پرستی سے لیا گیا ہے۔ قبیلے کے فرد کا ٹوٹم سے یہ نازک رشتہ نہایت پُر اسرار ہے۔

ٹوٹم کو ونگا تنگ اور کو بونگ بھی کہتے ہیں۔

ایک ہی علاقے میں متعدد انواع و اقسام کے جانور اور پیڑ پودے ہو سکتے ہیں لیکن ہر قبیلہ کسی خاص جانور یا پیڑ پودے کو اپنا جدِّ امجد بنا لیتا اور اس کا احترام، اس کی پرستش کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک حبشی نے کوّے کو مار ڈالا جو اس کا قبائلی ٹوٹم تھا۔ تین چار دن کے بعد وہ مر گیا۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھا لیکن وِنگا تنگ (ٹوٹم) کو مارنے کے باعث وہ تیزی سے موت کی آغوش میں چلا گیا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو چمگادڑ یا الّو کو مار ڈالیں۔ دراصل ٹوٹم کو مارنا اپنے

آپ کو ہلاک کرنا ہے۔اس میں اہلِ قبیلہ کی جان ہوتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا واقعی ٹوٹم کو مارنے والا مر جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے،ضرور ہوتا ہے۔

دینِ ساحری پر یقین رکھنے والے اوہام و وساوس کے دام میں اس بری طرح پھنسے ہوتے ہیں کہ مقررہ حدود توڑ کر جی نہیں سکتے۔ان میں نظریے کی تکذیب کی سکت نہیں ہوتی۔جب تھی بیز (یونان) کی ملکہ جیکوستا کو کئی سال کے بعد پہلی بار معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اس کا بیٹا ہے تو اس نے اسی آن پھانسی لے لی۔اِی دی پس نے آنکھیں پھوڑلیں کیونکہ اس نے محرمات کے بارے میں جو دستور الاخلاق تھا اسے توڑا تھا۔ماں کے رشتے سے وہ جن بیٹوں اور بیٹیوں کا بھائی تھا،بیوی کے ناطے سے باپ تھا۔

ٹوٹم اور ٹوٹم پرست میں زندگی اور موت کا تبادلہ بھی کیا جاتا۔اس کے لئے شریکِ قبیلہ کرنے کی رسم INITIATION ادا کی جاتی۔نوجوان پر موت سے ملتی جلتی غشی طاری کی جاتی۔صوفیاء کے یہاں یہ حالتِ سکر کہلاتی اور اس کا مقصد موت کا ذائقہ چکھنا تھا۔پھر جب وہ آپے میں آنے لگتا تو باور کیا جاتا کہ اسے ٹوٹم حیاتِ تازہ عطا کر رہا ہے۔

جب یہ رسم ادا کی جاتی تو عورتوں کو قریب نہ پھٹکنے دیا جاتا۔جو عورت کسی طرح یہ رسم دیکھ لیتی اسے ہلاک کر دیا جاتا۔

ٹوٹمی رسوم میں رقص بھی کیا جاتا۔رقص قدیم ترین عبادت ہے۔ٹوٹم پرست اس سے اپنے ٹوٹم کو زیر کرتے۔تہذیبی دور میں شِو اور افرودائتی کی داسیاں معبدوں میں دیوی دیوتا کی خوشنودی کے لئے رقص پر مامور ہوتیں۔

ریت جو دینِ ساحری کی جان تھی رقص،موسیقی اور شاعری کا مجموعہ تھی۔یہ تینوں فُنون ریت کی کوکھ سے برآمد ہوئے ہیں۔قدیم زمانے میں جو بھی فن ایجاد ہوتا اسے دینِ ساحری کے کھاتے میں ڈال دیتے۔افسانہ تراشی اور افسانہ گوئی،ڈرامہ نویسی،ناٹک کھیلنا اور دیکھنا سب عبادت کے زُمرے میں آتے تھے۔

تہذیب کے اولین دور میں جب تریا راج تھا تو عورت ہی ٹوٹم کا نمائندہ اور وارث

ہوتی، پھر جب پدری نظام آیا تو مرد کو یہ حق ملا۔

ٹوٹم پرستوں کے جنسی قوانین بھی عجیب وغریب تھے۔ایک ٹوٹم قبیلہ کے لوگ آپس میں جنسی رشتہ قائم نہ کر سکتے تھے۔مثلاً کنگرو قبیلے کے لڑکے اپنے ہی قبیلے کی لڑکیوں سے شادی بیاہ نہ کر سکتے تھے،اس کے لئے انہیں دوسرے قبیلے میں رشتے کرنے پڑتے تھے۔یہ EXOGAMY ہے یعنی بیرون قبیلہ شادی بیاہ کرنا، ایک ہی قبیلے کے لڑکے لڑکیاں آپس میں بھائی بہن ہوتے، ان کا ایک ہی باپ ہوتا۔

یہ قانون اتنا سخت تھا کہ کوئی قبیلہ اسے توڑنے کی جسارت نہ کرتا۔ٹوٹم (مُورثِ اعلیٰ) کی وجہ سے ایک قبیلے کی لڑکیاں اسی طرح لڑکوں کے لئے محرمات قرار پاتیں جس طرح ایک ماں باپ کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

اگر کوئی لڑکا اپنے قبیلے کی لڑکی سے جنسی رشتہ استوار کرتا تو پورا قبیلہ فردِ واحد کی طرح اس کے پیچھے پڑ جاتا اور اسے ہلاک کر کے چھوڑتا۔اہلِ قبیلہ سمجھتے کہ اس قانون شکنی کو نظر انداز کیا گیا تو ان سب پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی۔شاہ ایڈی پَس جس نے اپنی ماں سے بیاہ رچالیا تھا پوری رعایا کے لئے مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔رب الشمس نے لوگوں کو طاعون میں مبتلا کر دیا تھا۔

بقول فریزر (بحوالہ فرائیڈ ص ۴، ۵) ’’آسٹریلیا میں ممنوعہ قبیلے کی عورت سے جنسی رشتہ استوار کرنے کی باقاعدہ سزا موت ہے۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جنگ کے دوران عورت پکڑی گئی اور کسی اور ہی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔غلط قبیلے کی عورت کو بیوی بنانے پر لوگ دونوں میاں بیوی کو مار ڈالتے البتہ بعض حالتوں میں جب کچھ مدت کے لئے وہ مفرور رہتے اور اہلِ قبیلہ کے ہتھے نہ چڑھتے تو انہیں معاف کر دیا جاتا۔کہیں کہیں صرف مرد کو سزائے موت دینے کا رواج تھا۔عورت کو صرف پیٹا جاتا اور ادھ مُوا کر کے چھوڑ دیا جاتا۔‘‘

افریقہ میں بعض قبیلوں میں زنا کی سزا بیدزنی ہے۔بیٹی کو اس کا باپ سزا دیتا ہے۔اس کا ٹوٹم پرستی کے آئین سے کوئی تعلق نہیں۔بداخلاقی کو روکنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، آج کل بھی یہ رسم جاری ہے۔

ٹوٹم ہی سے قبیلے کی پہچان ہوتی تھی۔ٹوٹم موروثی ہوتا تھا اس لئے شادی کے بعد اس میں

کوئی تبدیلی نہ آتی تھی۔اسے یوں سمجھئے کہ اگر قبیلہ مادری نظام پر قائم ہےاور عورت ہی قبیلے کی کرتا دھرتا ہے تو شادی کے بعد اولاد کی شناخت ماں کے قبائلی ٹوٹم سے ہوگی۔مثلاً شتر مرغ قبیلے کی عورت کنگرو قبیلے کے مرد سے شادی کر لیتی تو ان دونوں کے بچے شتر مرغ قبیلے کے رکن قرار دیئے جاتے،اس کے بعد یہ بچے شتر مرغ کی برادری میں شامل ہوتے اور اس برادری کے لڑکے لڑکیاں ان پر حرام ہوتیں۔

اس حد تک تو ٹوٹم پرستی کے اس قانون کو بجا تسلیم کر لیا لیکن کنگرو قبیلے کے باپ کے معاملے میں یہ نہایت ہی بیہودہ ہو کر رہ جاتا ہے۔کنگرو قبیلے کے باپ پر اس کی وہ بیٹیاں حلال سمجھی جاتیں جو اپنی ماں کی وجہ سے شتر مرغ قبیلے سے ہوتیں۔

اسی طرح اگر قبیلے میں پدری نظام مروّج ہوتا تو کنگرو قبیلے کا مرد شتر مرغ قبیلے کی عورت کے بطن کی اولاد سے جنسی رشتہ قائم نہ کر سکتا لیکن ماں اور بیٹے میں اس کی ممانعت نہ تھی۔

چونکہ مادری نظام (جر یا راج) پدری نظام سے قدیم تر ہے اس لئے واضح ہے کہ سب سے پہلے ماں ہی نے اپنے بیٹے کے خلاف اپنی آبرو کا تحفظ کیا اور اپنی اولاد کو (باپ کی بجائے) اپنے ٹوٹم کی برادری میں شامل کیا۔

ول ڈیوراں نے بڑی خوبصورتی اور وضاحت سے ٹوٹم پرستی کا ذکر کیا ہے۔اس کا موقف یہ ہے کہ قبلِ تہذیب ہی سے آدمی زمین اور عورت دونوں ہی میں پیدائش اور پیداوار برقرار رکھنے کے لئے شدّت سے مضطرب رہتا تھا۔یہ اس کی سب سے بڑی آرزو تھی۔پھر جب زرعی تہذیب کا آغاز ہوا تو یہ آرزو اور بھی زیادہ شدّت اختیار کر گئی کیونکہ اب پیڑ پودے اور اناج اگانے میں عورت کی کارگزاری بھی شامل ہوگئی۔عورت پُر اسرار ہستی مانی جاتی تھی کیونکہ اوائل دور کا انسان عورت اور صرف عورت کو بچے کی پیدائش کا ذمہ دار قرار دیتا تھا۔دورِ وحشت کا آدمی نُطفے اور تخلیقی جرثُومے کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔وہ تو بس بیرونی نسائی اعضاء سے آگاہ تھا جو پیدائش کے عمل میں کام کرتے۔انہی کو وہ مقدس گردانتا۔اس کے نزدیک ان میں ارواح پوشیدہ تھیں جن کی پرستش ضروری تھی۔کیا یہ پُر اسرار تخلیقی قوتیں تمام قوتوں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز نہ تھیں؟ زرخیزی اور پیدائش و پرورش کا معجزہ زمین سے کہیں زیادہ عورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر نسائی اعضاء براہ راست مافوقُ الفطرت قوت کا مظہر تھے۔قدیم زمانے کے قریباً سبھی

لوگ کسی نہ کسی شکل اور ریت میں عورت کی پرستش کرتے۔ غیر مہذب ہی نہیں بلکہ نہایت مہذب قومیں کامل طور پر زن پرستی میں اپنے جذبات کا اظہار کرتیں۔ قدیم مصر، ہندوستان، بابل، آشوریا، یونان اور روم میں جنسی پرستش کا سراغ ملتا ہے۔ اوائلی عہد کی دیویوں کے جنسی کردار اور اعمال وافعال کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ طرزِ عمل دماغی خلل یا فحش پسندی کے باعث نہ تھا۔ یہ اس خواہش کا نتیجہ تھا جو عورت اور زمین کی قوت پیدائش کی نسبت لوگوں میں شدت سے پائی جاتی تھی۔ (سٹوری آف سولائیزیشن، ص ۶۱، ۱۹۵۴ء)

''یہ خواہش اندھی تھی اور اسی بنا پر ٹوٹم نے جنم لیا۔ سانڈ اور سانپ ایسے جانور بدیں سبب پوجے جاتے کہ لوگوں کے خیال میں ان کے اندر اعلیٰ درجے کی مقدس تخلیقی قوت پائی جاتی تھی یا پھر یہ اس قوت کی علامت تھے ـــــ ناگ کو لنگم کا مثیل ٹھہراتے ہیں ـــــ آدم اور حوا کے قصے میں یہ شر کی طاقت ہے اور جنسی بیماری سے درحقیقت خیر وشر کی آگہی کا آغاز ہوتا ہے۔'' (ایضاً)

مصری گوبری کیڑے (گبریلا) سے لے کر ہندوؤں کے ہاتھی تک شاید ہی کوئی ایسا جانور ہو جسے کہیں نہ کہیں دیوی دیوتا کے طور پر پوجا نہ جاتا۔ اوجبوا قبیلے کے لوگوں نے اپنے مقدس جانور کو ٹوٹم کا نام دیا اور اسی پر اپنے قبیلے کا نام رکھا۔ قبیلے کے ہر فرد کا نام بھی ٹوٹم پر ہوتا۔

ہر ٹوٹم قبیلہ کسی خاص جانور یا پودے کی پوجا کرتا۔ یہ جانور یا پودا اس قبیلے کا ٹوٹم ہوتا۔ ٹوٹم پرستی کے بارے میں سب سے عجیب حقیقت یہ ہے کہ عہدِ قدیم میں اس کا رواج ان قبیلوں میں تھا جو جغرافیائی اعتبار سے باہم کوئی رابطہ نہ رکھتے تھے۔ ان کے درمیان زمینی فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ وہ آپس میں تعلق پیدا ہی نہیں کر سکتے تھے۔ شمالی امریکہ کے انڈین، افریقہ کے جنگلی لوگ، ہندوستان کے دراوڑ اور آسٹریلیا کے وحشی قبائل ایک دوسرے سے ہزاروں میلوں پر رہتے تھے لیکن ٹوٹم پرستی سب میں ملتی ہے۔ یہ کوئی فطری طلب تھی جسے یہ سب لوگ یکساں طور پر محسوس کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے۔

ٹوٹم قبیلے کے افراد میں اتحاد اور مقدس رشتہ قائم ہوتا تھا۔ یہ لوگ خود کو ٹوٹم کی اولاد سمجھتے اور ٹوٹم کے رشتے سے ایک دوسرے سے بندھے رہتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ریچھ، بھیڑیے، ہرن وغیرہ ایسے جانوروں کی اولاد ہیں جو عورتوں سے ملوث ہوئے۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا ٹوٹم قوموں

اور حکمرانوں کے اقتدار کے نگہبان جانور ہو کر رہ گئے۔ یونان کے حکمرانوں نے عقاب کو اپنا جانور بنا لیا۔ مصری فراعنہ کی روح کو عقاب اہرام کی چوٹی سے اڑا کر ربُ الشمس کے پاس لے جاتا۔ ناگ یونان کے معالج دیوتا کا محافظ و معاون ہو گیا۔ بعض اقوام نے شیر کو اپنا لیا۔ رفتہ رفتہ ٹوٹم کی دینی معنویت ختم ہو گئی۔ لوگوں نے اپنی حفاظت، سرپرستی اور اعانت کے لئے بہتر خدا گھڑ لئے اور پھر جب تہذیب و تمدن نے خوب ترقی کر لی تو انسان نما خداؤں کا دور شروع ہوا۔ لوگوں نے اپنی شکل و صورت و خصائل اپنے خداؤں میں منتقل کر دیں۔ ایک طرح سے رفعت یافتہ آدمی ہی خدا بن گیا۔

فاختہ آج امنِ عالم کا جانور ہے۔ درحقیقت یہ قبلِ تہذیب کا ایک ٹوٹم تھی۔

بیشتر حالتوں میں ٹوٹم جانور شجرِ ممنوعہ تھا۔ اسے چھونے کی اجازت نہ تھی۔ خاص خاص حالتوں میں کسی سحری تقریب پر اسے کھاتے تھے۔ مذہباً وہ اسے خدا خوری قرار دیتے۔ جبشہ کے لوگ جس مقدس مچھلی کی پرستش کرتے جب اسے کھاتے تو محسوس کرتے کہ اس کی روح ان کے اندر حرکت کر رہی ہے۔

"متعدد دوسرے ملکوں کی طرح ٹوٹم پرستی کی ابتداء بھی غالباً خوف کے باعث ہوئی۔ لوگ جانوروں کو اس لئے پوجتے کہ وہ زبردست ہوتے تھے۔ ان کی دلجوئی ضروری تھی۔ جب شکار کی وجہ سے جنگلوں میں جانور نہ رہے اور کھیتی باڑی نے شکار کی جگہ لے لی جو نسبتاً زیادہ بھروسے کے لائق ذریعۂ معاش تھا تو ان جانوروں کی دہشت، وحشت اور غصیلا پن ان کی جگہ لینے والے نئے خداؤں میں آ گیا۔ انتقال کی اس واردات کا سراغ ان کہانیوں میں ملتا ہے جن میں آدمی اور خدا اپنی شکلیں بدلتے ہیں۔" (ایضاً۔ ص ۶۲)

اس سلسلے میں یونان کے رب زیوس کے معاشقے قابلِ ذکر ہیں۔ وہ اڑن سانڈ اور بط کی شکل بدل لیتا ہے۔ اگر ہم آدمی کے معبودوں کی داستان بیان کریں تو نقطۂ آغاز ٹوٹم (قابلِ پرستش جانور) ہوگا۔

جادو کیا ہے

⌘

جادواور شعبدہ بازی میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن عام طور پر شعبدہ بازی ہی کو جادو سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں (اسلام سے پہلے) جادو ہی وقیع ترین تہذیبی قدر تھا۔ اسے انتہائی ذہین، عیار اور جاہ پرست لوگوں نے وضع کیا۔ اس کی ایجاد و اختراع، ترتیب اور ارتقاء میں سینکڑوں پروہتوں، شاعروں، موسیقاروں، سائنس دانوں اور عالموں کی تخلیقی کاوشیں شامل ہوئیں۔ ترمیم و تنسیخ، اضافے اور شیرازہ بندی کا عمل صدیوں جاری رہا۔ جادو ہی کی تحریک نے بابل، اشوریا، مصر اور موہنجوڈارو میں زرعی کلچر AGRICULTURE کو پروان چڑھایا۔ مصر اور میسوپوٹیمیا میں اس کا عمل دخل دنیا بھر میں سب سے زیادہ مدت تک مسلسل رہا۔ پروفیسر جیمز ہنری بریسٹڈ کی تحقیقات کے مطابق دنیا کا پہلا ۳۶۵ دن کا کیلنڈر زیریں مصر (ڈیلٹا) کے زمین پرست پروہتوں یعنی جادوگروں نے ۴۲۴۱ قبلِ مسیح تیار کیا۔ کیلنڈر کی تیاری کوئی معمولی کام نہ تھا۔ مندرجہ بالا تاریخ سے کم و بیش ایک ہزار سال پہلے اس کی سوچ پیدا ہوئی ہوگی۔ مصر اور میسوپوٹیمیا کے زوال پر یونان کی سرزمین میں دیو مالا کا دور دورہ ہوا۔ یونان کی پانچویں صدی قبلِ مسیح تہذیب و تمدّن کی تاریخ میں خاص شہرت رکھتی ہے۔ اسی صدی میں دیو مالا کے زیرِ اثر یونان کا بے مثال تھیٹر آخری نقطہ عروج کو پہنچا۔ یہیں تین عظیم ترین تمثیل نگار، ایسکی لس، سوفو کلیز اور یوری پیڈیز کے وہ ڈرامائی شاہکار پیش ہوئے جو شعر، موسیقی اور رقص کی اکائی تھے۔ ایسے انوکھے ڈرامے پھر کبھی معرضِ وجود میں نہ آئے۔ ان کے ذریعے دیو مالا کی تبلیغ ہوگئی۔ دینِ ساحری (جادو) کی رو سے ان ڈراموں کو

کھیلنا اور دیکھنا داخلِ عبادت تھا۔ جب دورِ فلسفہ آیا تو یونان کا علم سحر و طلسم روما پہنچ گیا۔ مسیح سے ہزار سال بعد بھی مشرق و مغرب میں دہنِ ساحری کا چلن رہا گو اسے پہلا سا تہذیبی درجہ حاصل نہ ہوا۔ مصر، میسوپوٹیمیا اور یونان کے بعد اس نے کوئی قابلِ ذکر تہذیب پیدا نہیں کی، پھر بھی لوگ اس کی گرفت سے نہ نکلے۔ فتح مکہ کے بعد جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں وہاں دہنِ ساحری کا دور دورہ تھا۔ دنیا میں پہلی بار اسلام نے اپنے زیرِ نگین خطوں میں اس کا قلع قمع کیا۔ کوئی چھ ہزار سال تک جادو کا بول بالا رہا۔ افریقہ اور بعض دوسرے حصوں میں آج بھی ایسی POCKETS ہیں جہاں لوگوں کے پاس جادو کے سوا کوئی دوسری تہذیبی قدر نہیں۔

مصر اور میسوپوٹیمیا کے جادوگروں اور ساحر طبیبوں SHAMAN نے دنیا بھر کو جو تہذیبی اور معاشرتی شعور دیا اسے کھنڈر کرنا سہل نہ تھا۔ جادو کی بیخ کنی کے لئے وادیٔ فرات و دجلہ اور نیل ویس میں مسلسل پیغمبر آتے رہے۔ دنیا کا یہ واحد خطہ ہے جہاں جادو کے خلاف دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے طویل جنگ لڑی گئی۔ جادو اور مذہب کے اس لاثانی تصادم کے باعث قرآن میں انبیاء کے اسی ایک سلسلے کا ذکر ملتا ہے جو اس خطے میں مبعوث ہوئے۔ یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر تمام ہوا۔ اسی لئے حضورؐ ختم المرسلین ہوئے اور نبیوں کا خاندان جادو کے خاتمہ کے بعد مکمل ہوا۔ دنیا میں اور کہیں انبیاء کا کوئی خاندان نہیں ملتا البتہ پروہتی نظام کے سلسلے ضرور ملتے ہیں۔

حضورؐ عرب میں مبعوث ہوئے۔ ۵۳ برس مکے میں، دس برس مدینہ میں رہے۔ جان پر کھیل کر بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ اگرچہ عرب کا دہن ساحری ناقص تھا، دیومالا خاص وقعت نہ رکھتی تھی۔ اس سے کوئی پائیدار، دیرپا، ذیشان تہذیب بھی پیدا نہ ہوئی تاہم کعبے کے ۳۶۰ بتوں کی پشت پر سحر و طلسم کی ۶ ہزار سال پرانی روایت تھی۔ حضور نے کعبے کے بتوں کو نہیں ڈھایا بلکہ ارض الانبیاء کی قدیم گمراہ کن تہذیب کو ٹھکانے لگایا۔ اسلام عرب سے باہر نکلا، جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں روشنی اور روشن خیالی کو فروغ ملا۔

تہذیبی قدر کے طور پر دہنِ ساحری کی آخری اور دائمی شکست ختم المرسلین کا سب سے بڑا اور بے نظیر معجزہ تھا۔ حضور سے پہلے کسی نبی کو ایسا معجزہ دکھانے کی توفیق ارزاں نہ ہوئی۔

حضرت موسیٰ نے وقتی طور پر سامری کو شکست دی لیکن دینِ ساحری (دھرتی دھرم)...... مصر کی قدیم ترین عالمی ایجاد کا خاتمہ نہ ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے از روئے بائبل بت پرستوں کے ارضی خدا، فرعون کی لڑکی سے بیاہ کیا۔ مزید برآں (بائبل کے الفاظ میں)، "سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کرلیں گی۔ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں، اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کو طرف مائل کرلیا اور اس کا دل اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کی نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔ پھر سلیمان نے موآبیوں کی نفرتی کموس کے لئے اس پہاڑ پر جو یروشلم کے سامنے ہے اور بنی عمون نے نفرتی مولک کیلئے بلند مقام بنا دیا۔ اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتیں اور قربانی گزارتیں تھیں اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا جس نے اسے دوبارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے۔"

حضرت ابراہیم علیہ اسلام ایسے جلیل القدر پیغمبر جنھوں نے نسلِ انسانی پر عظیم ترین احسان کیا، جادوگروں کی صدیوں پرانی انسانی قربانی کی ریت موقوف کی۔ بچوں کی قربانی کی جگہ جانور کی قربانی کو رواج دیا، مکمل اور دائمی طور پر وادیٔ فرات و دجلہ کو بتوں کے وجود سے پاک نہ کر سکے۔ ان کے بعد ان ہی کے تعمیر کئے ہوئے کعبے میں آلِ اسمٰعیل نے بت رکھ لئے۔ نبی آخر الزماں کو یہ شرف ملا کہ حضورؐ نے نہ صرف کعبہ کا گمشدہ احترام بحال کیا، بتوں کا نام ونشان مٹایا بلکہ دنیا بھر میں بت پرستی کے خلاف جہاد کیا جو حضورؐ کے زمانے میں اور بعد میں نہایت موثر ثابت ہوا۔

شعبدہ بازی شعبدہ بازی معمولی چیز ہے اور دینِ ساحری سے سروکار نہیں رکھتی۔ شعبدہ بازی کو نظر کا دھوکا کہہ سکتے ہیں اس کے لئے تہذیبی فکر، دینی فلسفے اور دینی ماحول کی حاجت نہیں۔ شعبدہ باز عامل تو ہوتا ہے، مفکر نہیں ہوتا۔ چند ٹکے کمانے کے لئے تماشائیوں کا دل بہلاتا ہے۔ آج بھی لوگ عموماً ہر روز کوچہ و بازار میں خصوصاً میلوں ٹھیلوں پر شعبدہ بازوں کو مصروف کار دیکھ سکتے ہیں۔ ہنر مندی کے لئے عام سوجھ بوجھ اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ معاشرے میں شعبدہ باز کا کردار دینی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، وہ صرف تماشہ گر ہے، مداری ہے اور بس۔

جادو اگرچہ اسلام نے بت پرستی کا فکری نظام درہم برہم کیا اور عملاً اسے ناکام بنادیا پھر بھی جس معاشرے کی ذہنی سطح چنداں بلند نہ ہو اور جو روشن خیالی اور سائنسی رجحان سے محروم ہو، گھٹیا شکل میں جادو کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ توہم پرست لوگ قبر پرستی، ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے تعویز کو جزوِایمان بنالیتے ہیں۔ یہ چیزیں جادو ہی کے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلام سے پہلے کوئی ایسا سائنٹیفک مذہب نہ تھا جو اس کی طرح کامل اور دائمی طور پر صحیح انداز سے عقائد وعبادات کی شیرازہ بندی کرتا۔

جادو ایک منفی اور گمراہ کن عمل ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حالات کا مطالعہ کیا جائے جن میں جادو کا بیج بویا اور سینچا گیا۔

آدمی کا پہلا اِساسی ورثہ مسرت، غم اور خوف پر مشتمل تھا۔ بسا اوقات یہ تینوں یوں گھلے ملے رہتے جیسے جذبات کی اکائی ہوں۔ جیسے اپنی ہی ہیئت ترکیبی کے لاینفک اجزاء ہوں، زندگی ناپیدا کنار تھی۔ آدمی، مسرت، غم اور خوف کے بھنور میں ڈولتا ڈوبتا رہتا۔ بے یقینی کی حالت تھی۔ ہر وقت نامعلوم اور پراسرار خطرہ لاحق رہتا۔ جینے کا روشن پہلو اس سے زیادہ نہ تھا کہ شب ناتمام میں کبھی کبھی ہلکی سی لرزش کے ساتھ جگنو چمک اٹھتا۔

آدمی نے شعور کی پہلی انگڑائی لی تو اس نے پاؤں تلے دھرتی دیکھی جو کبھی بانجھ ہو جاتی اور کبھی ہری بھری۔ اس کی کوکھ میں چھپا ہوا تخم پھل پھول کر شادابی و سرسبزی لاتا۔ ماں بن کر مہربان ہو جاتی۔ اگرچہ آدمی دھرتی کا پُوت ہے لیکن بہار و خزاں کا بھید نہ پاسکا۔ سمجھا تو بس اتنا کہ یہ دھرتی سال کے ایک حصے میں مرجاتی اور دوسرے میں جی اٹھتی ہے۔ زندگی سوالیہ نشان بن کر

ابھری۔ آج بھی علم کی بیکراں وسعت کے باوجود زندگی سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ پھر اس دور میں کون مائی کا لال اس کا بھید پاتا جب ابھی فہم وادراک کی پَو ہی پھٹی تھی۔ سامنے ایسے دھند لکے رقصاں تھے جو عملِ جراحی کے بعد آنکھوں سے پٹی اتارتے ہی نمودار ہوتے ہیں۔

دنیا کا پہلا آدمی ان گنت بھول بھلیّوں میں گم تھا۔ ادھر پیدا ہوا اور ادھر الف لیلے اور فسانہ عجائب کے سارے طلسم خانے اس پر ٹوٹ پڑے، وہ بہت حیران ہوا اور پریشان بھی۔ اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا، پھر بھی ہاتھ پاؤں مارے بغیر نہ رہا۔ فطرت نے اس میں تفکر و تجسّس کی خُو ڈالی تھی۔ حیات و کائنات کی ٹوہ میں لگ گیا۔ اس نے اپنی محدود عقل کی شہرِ پناہ میں رہ کر چار کھونٹ سوچا۔ ابھی تجربے کی دانش نہ ہونے کی برابر تھی۔

بقول پروفیسر گلبرٹ مرے، دورِ اول کی نسلِ انسانی مظہرِ حیات اور دستورِ کائنات کے ضمن میں ذاتی نظریہ وضع کرتی۔ ہوا چلتی تو سمجھا جاتا کہ کوئی انسان نما مافوق الفطرت ہستی مصروفِ عمل ہے۔ ہانپتے میں جس کے گالوں سے ہوا چھوٹ رہی ہے۔ بجلی گرنے سے کوئی پیڑ زمین پر آ رہتا تو سمجھا جاتا کہ غیبی قوت نے کلہاڑا چلایا ہے۔ لوگ طبعی موت پر ایمان نہ رکھتے، ان کے نزدیک بدروح آدمی کو ہلاک کردیتی۔

دھرتی کی طرح آدمی نے ہر صبح نور کی بیداری اور ہر شام اس کی موت دیکھی ـــــــ کائنات اس کے لئے ناقابلِ فہم اور لاینحل مسئلہ بن گئی ـــــــ اسے بس اتنا وجدان ہوا کہ اس کائنات میں ایک پراسرار، مخفی، غیبی اور بے پناہ قوت موجود ہے جو ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے، جو محیطِ کُل ہے۔ جب پہاڑی پر سے اچانک پتھر لڑھک آتا تو یہ نتیجہ اخذ کرنا قدرتی اور ناگزیر تھا کہ پتھر نے جان بوجھ کر حرکت کی ہے۔ اسی طرح اس نے بجلی، گرج، کڑک، مینہ، آگ، برف، اولے، چڑھتے اور ڈوبتے ہوئے سورج، پت جھڑ اور بہار میں قوتِ عمل دیکھی۔

جادو کی اصطلاح میں اس قدرتی کائناتی قوتِ عمل کو "مانا" کہتے ہیں۔

عہدِ اوّل کے آدمی کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ اس کائنات میں ایک پراسرار مخفی غیبی قوت ہے جو ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے اور وہ انجان، اجنبی بند دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ دروازے کھلے اور دنیا کا پہلا علی بابا خزانہ لے کر چلتا بنا، اسے وہ کلمہ نہیں آتا

جسے زبان پر لاتے ہی پٹ کھل جاتے ہیں۔کون اسے "سم سم کھل جا" بتائے۔

حیات و کائنات اور مظاہرِ قدرت تو پراسرار تھے ہی خود اس کی ذات بھی اندھے پاتال سے کم نہ تھی۔اس بھری دنیا میں وہ خود بھی ایک سوالیہ علامت تھا۔اس نے گنگناتی ہوئی ہواؤں، تھرکتے ہوئے گل بوٹوں، ندی نالوں کی ناچتی ہوئی لہروں، دوڑتے بھاگتے اور قلانچیں بھرتے ہوئے جانوروں، ہر جاندار اور غیر جاندار پڑوسی سے پوچھا، اندر جھانکا، باہر دیکھا، دل سے مشورہ کیا، دور ونزدیک نظریں دوڑائیں، نہ جانے کتنا کرب سہا، کتنی بے چینی گوارا کی، کتنی حیرانی اور پریشانی دیکھی۔امید کی کرن چمکی، ناامیدی کے جھٹکے آئے، غشی کے دورے پڑے، جانے وہ کب تک تاریک ڈگر پر بھٹکتا پھرا اور کب اسے وہ منت، وہ اسمِ اعظم ملا جس سے خزانے کے پٹ کھلتے ہیں۔

یہ منتر "سِم سِم کھل جا" تھا، جادو تھا۔جادو ہی وہ کلید تھا جس کی مدد سے آدمی پر حیات و کائنات کے دروازے کھلے، آدمی کائنات میں داخل ہو گیا۔یہ سب کچھ شاعرانہ اسلوب میں ہوا یعنی کائنات شعری صداقت بن گئی۔مَعمل سے پہلے آدمی نے مَعبد قائم کیا اور سائنسی پیمانوں سے پہلے تخیل کے وسیلے سے قیاس وقیافہ سے کام چلایا۔

زندگی، موت اور کائنات کے اسرار ورُموز سمجھنے کے علم کا نام جادو پڑ گیا۔ ان اسرار ورموز کا عالم جادوگر کہلاتا۔وہ عالم بھی ہوتا اور عامل بھی۔وہ دعویٰ کرتا کہ مخفی، پراسرار، مافوق الفطرت اور غیبی قوت "مانا" اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔وہ اُسی قوت کی مدد سے غیر فانی ہستیوں کے اعمال اور ان کی منشاء میں عمل دخل رکھتا۔جادو اس کا آلۂ کار تھا۔"مانا" کبھی بیرونی دنیا میں ہوتا، کبھی اس کی ذات میں۔اسے رام کر کے ہی وہ من مانی کرتا۔

سر پال ہاروے کے الفاظ میں جادو وہ جھوٹا فن تھا جس کی بابت یقین کیا جاتا کہ قدرتی واقعات پر اثر انداز ہوتا ہے۔اس کی اصل وجہ وہ غلط فہمی ہے جو اولین دور کی نسل کو قوانینِ فطرت سمجھنے میں ہوئی۔آدمی نے علم وعرفان کے ابتدائی مدارج میں سخت خطا کھائی اور پھر اس عالمگیر عقیدے نے اور بھی غلط فہمی پھیلائی کہ ارواح کائنات میں اثر ونفوذ رکھتی اور معمولاتِ فطرت میں دخیل ہوتی ہیں (ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "جادو اور جادو کی رسمیں" ص ۱۰ تا ۱۳۔ ۱۹۵۹)۔جادو کے موضوع

پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن نامور بشریات داں سر جیمز جارج فریزر کی لافانی تالیف GOLDEN BOUGH سب سے اہم بنیادی کتاب ہے۔ دیمنِ ساحری کی یہ تفسیرِ کاملہ ہے۔

فریزر کے الفاظ میں جادو قانونِ فطرت کا جعلی نظام ہے اور گمراہ کن گائیڈ ہے۔

فریزر کے نزدیک جادو...... قانونِ فطرت کے بارے میں مرتب کیا ہوا جعلی نظامِ فکر و عمل اور گمراہ کن گائیڈ ہے۔ یہ جھوٹا علم ہے اور ناقص فن۔

جادو کی دو قسمیں ہیں۔ نظریاتی اور فکری، فنی اور عملی۔

ابتداء میں جادوگر دینی فلسفہ وضع کرنے سے قاصر رہا اس کا سارا دھیان عمل پر رہا۔ اس نے آفات سے بچنے اور دیوی دیوتاؤں اور کائنات کی طاقتوں کو زیر کرنے کے لئے جنتر منتر گھڑ لئے، ریتیں رسمیں ایجاد کیں۔ دشمن کو نقصان پہنچانے اور خود کو مستحکم کرنے کے لئے علوی اور سفلی عملیات کا سہارا لیا، کالا علم اور سفید علم جادو کے عملی پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔

عملی جادو جن اصولوں سے معرضِ وجود میں آیا وہ دو تھے ______

(ا) عملِ بالمثل:۔ ایک جیسا عمل ایک جیسا نتیجہ پیدا کرتا ہے، نتیجہ اپنے سبب سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

(ب) عملِ رابطہ:۔ جب ایک بار دو چیزوں میں رابطہ قائم ہو جائے اور وہ ایک دوسری کو چھو لیں تو رابطہ ٹوٹنے اور دور ہو جانے پر بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

پہلا قانونِ مماثلت کہلاتا ہے دوسرا قانونِ رابطہ۔

ٹونہ ٹوٹکا انہی دو قوانین کے مطابق کیا جاتا ہے۔ دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کا پتلا تیار کر کے اس میں سوئیاں چبھوئی جاتی ہیں یا پھر اس کے بدن کا کپڑا حاصل کر کے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ پہلے قانون کے مطابق تعویز بنائے جاتے ہیں۔ یہ تالیفی (ہومیو پیتھک) عمل ہے۔ دوسرے قانون کے مطابق بھی تعویز بنائے جاتے ہیں۔ یہ عملِ رابطہ ہے۔

ریتیں رسمیں (یونان کے کلاسیکی عہد کا ڈراما اور قدیم اولمپک کھیل بھی) جادو کے انہی دو قوانین کی پیداوار ہیں۔ بقول فریزر جادوگر نے معاملہ فہمی میں غلطی کی وہ سمجھا کہ جو

چیزیں ایک جیسی ہوں فی نفسہ ایک ہوتی ہیں۔ جو چیزیں ایک بار رابطہ قائم کرلیں پھر ان کا رابطہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

آدمی نے ہزاروں سال اسی غلط فہمی میں گزارے منتروں کے حیرت خیز مجموعے تیار ہوئے۔ تصویروں سے لدی پھندی ہوئی ''کتابِ رفتگاں'' جو دینِ فراعنہ کی اہم ترین دستاویز ہے اور فرعون کی موت کے بعد کی زندگی کو سمجھنے میں بیحد مدد دیتی ہے، مصری جادوگروں کا تخلیقی شاہکار ہے۔ موسیقی، رقص، شاعری، نقاشی، بت تراشی ایسے فنونِ لطیفہ جادوگروں کی ایجاد ہیں۔

بانسری، ڈھول، بربط اور کئی دوسرے ساز بھی انہی نے بنائے۔ علاج بالسحر کی ذیل میں ساحر طبیب نے ان گنت تعویز تیار کئے، انسانی اور حیوانی قربانی کی ابتداء بھی انہی نے کی۔ مذہبی تہواروں، جلوسوں اور عزائی رسموں کے موجد بھی یہی تھے۔ طب ساحری بھی انہی کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ انہی کے زیرِ ہدایت عبادت گاہوں میں دنیا کے پہلے ہیجڑے اور دنیا کی پہلی رنڈی نے جنم لیا۔ دینِ ساحری کے دور کے بعد جرم وعصیاں کا تصور ان دو ہستیوں سے وابستہ ہوا۔

فریزر نے دینِ ساحری کو یوں جدول بنا کر واضح کیا ہے۔
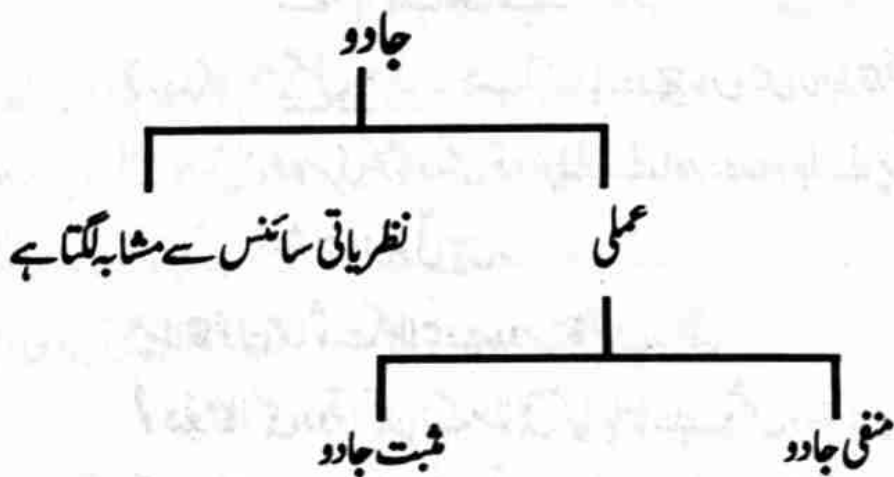
الغرض قدیم معاشرہ پوری طرح جادو کی گرفت میں تھا اور جادو نہایت معزز، مرعوب کن بلکہ ڈرامائی ہیئت رکھتا تھا۔ علم وفن کا اجارہ دار تھا۔ تہذیب وتمدن کی ترویج اور ترقی کے نت نئے افکار پیدا کرتا تھا۔ دنیا اور آخرت کی زندگی کے لئے رخ متعین کرتا تھا۔ وہ تخلیقی کام پر ہمہ وقت مامور رہتا۔ ایک جانب تو جسمانی اور روحانی عارضے دور کرتا دوسری طرف تو ہمات

پھیلاتا۔ یہ شخص بڑی شے تھا۔ علم وفن کی ساری دولت اپنے قبضے میں رکھتا اور مرنے کے بعد اپنی اولاد یا برادری کے کسی رکن کو سونپ جاتا۔ زمین پرستی FERTILITY CULT ہو یا فلک پرستی SOLAR MYTHOLOGY جادوگر کی لونڈی تھی۔ وہی اضافے اور ترمیم وتنسیخ کا مجاز تھا۔ وہ جتنا بڑا فنکار اور جس قدر ہوشیار ہوتا اسی قدر احترام کا مقام اور جاہ وجلال حاصل کرتا۔ وہ اپنے کنبے اور پروہتوں کے گروہ سے باہر کسی کو دینی اُمور کا مُنصرِم نہ بناتا۔ اس غیر جمہوری نظام نے جاگیرداری اور ملوکیت کو مستحکم کیا۔

جادوگر کا اقتدار واختیار

پورا قبیلہ یا معاشرہ جادوگر کے قبضے میں رہتا۔ نسائی قبیلے CLAN پر عورت سردار کا اور مردانہ قبیلے TRIBE پر مرد سردار کا حکم چلتا۔ مصری پروہتوں کو خطرناک حد تک قوت حاصل ہوتی۔ وہ نہ صرف فرعون کی زندگی میں ڈھیروں دولت جمع کر لیتے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اور بھی دولت مند ہو جاتے۔ انکے پاس نسل درنسل دولت جمع ہوتی رہتی۔ کبھی کبھی تو ان کے پاس فرعون سے زیادہ دولت ہوتی۔ فرعون کی وفات کے بعد یہی تجہیز وتکفین کی ریتیں ادا کرتے۔ متوفی کی روح کو شاہی پرندہ شاہین اس کے تعمیر کردہ ہرم کی بلند چوٹی سے اڑا کر منزل بہ منزل آزمائشوں میں سے گزار کر سوئے فلک (ربُ الشمس کے حضور) لے جاتا تو وہ نوتعمیر شدہ تدفینی معبد میں بیٹھ کر کامیاب پرواز اور متوفی کے ربُ الشمس بن جانے کے لئے "کتابِ رفتگان" کے سحری کلمات کا ورد کرتا۔ فرعون کے سفرِ آخرت کو آسان کرنے کے عوض وہ مرنے والے سے ڈھیروں دولت اور جاگیر حاصل کر لیتا۔ اسے ہر دینی کام اور تخلیق کا کثیر معاوضہ ملتا۔ دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے اس کی حیثیت خوب مستحکم ہوتی۔ ابتداء میں جادوگر اور قبائلی سردار یا فرمانروائے مملکت کا منصب ایک ہی شخص کے سپرد ہوتا، بعد ازاں اسے تقسیم کر کے دو شخصوں کو الگ الگ سونپا گیا۔ جادوگر یعنی دینی سربراہ طاقتور ہوتا، اوّل الذکر اس کے اشارے پر ناچتا، یہ پروہتی نظام PRIESTHOOD ہے جو دینی آمریت اور اجارہ داری کا بدترین نمونہ پیش کرتا تھا اور اس قدر مضبوط تھا کہ دنیا کی چھ ہزار سال کی تہذیبی تاریخ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء کوئی پیغمبر اسے توڑ سکا اور نہ مذہب کو عوامی جمہوری قدر بنا سکا۔

قدیم مصر اور میسوپوٹیمیا کا ملاّ دینِ ساحری کے زیرِ اثر رہے اور پروہت کو قابلِ رشک درجہ ملا۔ فراعنہ کے تیس خاندانوں کی ۳۴۰۰ سال کی تاریخ میں صرف ایک بار عارضی طور پر پروہتی نظام کو شکست ہوئی جب ہزاروں خداؤں کو مسترد اور ایک خدا کو ماننے والا فرعون، آخین عطون اور اس کی بیوی نیفر طیطی پندرہ سال (۱۳۵۸۔۱۳۷۵ ق،م) برسر اقتدار رہے تو سورج دیوتا کے مندر بند اور پروہت تباہ و برباد کئے گئے لیکن آخین عطون کے مرتے ہی کھیل بگڑ گیا۔ پرانا (سورج دیوتا عمون کا) پروہتی نظام پھر مروج ہوگیا۔

مخبرِ اجل جادوگر نے نفسیاتی، فکری اور عملی طور جو ماحول تیار کیا اس میں ڈر، خوف اور توہم کی عملداری تھی۔ وہ پورے معاشرے پر پوری طرح حاوی تھا۔ ہر شخص کی شہ رگ اس کے ہاتھ میں رہتی۔ موت اور زندگی سچ مچ اس کے اختیار میں تھی۔ وہ تو جیسے خدائی اختیارات رکھتا اور خدائی احکام صادر کرتا، جسے چاہتا مرنے پر مجبور کر دیتا۔ اس نے خاص خاص مذہبی جگہوں پر کہانت گاہیں ORACLES قائم کر رکھی تھیں جہاں باخبر شاعر عورتیں، باخبر اور ہوشیار پروہتوں کی مدد سے ہر قسم کی پیش گوئی کرتیں۔ کاہن عورتیں سائلوں کو بڑی ہوشیاری سے کبھی واضح اور کبھی

گول مول لفظوں میں جواب دیتیں۔ ان کے فرمان کو کوئی نہ جھٹلاتا۔ فرمانروا تک کہانت گاہوں پر بہ نفسِ نفیس جاتے اور ہر قسم کے سوال کرتے۔ سیاست، معاشرے، اپنی ذات، امورِ مملکت اور فتح و شکست کے بارے میں مشورے کرتے۔ یونانی کہانت گاہیں جو مصری کہانت گاہوں کی طرز پر قائم کی گئی تھیں انہی کی طرح ترقی یافتہ تھیں۔ دنیا جہان کی خبریں چار کھونٹ سے یہاں آکر جمع ہوتیں۔ یہ اعصابی مرکز تھیں، بین الاقوامی دفترِ معلومات تھیں، دودونا اور ڈیلفی کی کہانت گاہیں اپنے زمانے میں عالمگیر شہرت اور اہمیت کی حامل تھیں۔

عرب کے عہدِ جاہلیت میں کہانت ایک مسلمہ دینی شعبہ تھا۔

ہیرودوطس (ہسٹریز ص ۱۲۴) بتاتا ہے کہ فنیقیوں نے مصری تھیبز سے زیوس کی دو پجارنوں کو اغوا کیا۔ ایک کو جا کر لیبیا میں بیچا، دوسری کو یونان میں۔ انہی مغویہ پجارنوں نے دونوں ملکوں میں کہانت گاہیں قائم کیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے مصری تھیبز سے دو کالی فاختائیں اڑیں۔ ایک دودونا

(یونان) پہنچی اور اس نے بلُوط کے پیڑ پر بیٹھ کر انسانی آواز میں لوگوں سے کہا کہ اسی جگہ ربُّ البرَق والرعد، زیُوس کی کہانت گاہ بنائی جائے۔ سیانے جان گئے کہ یہ حکم آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس کی تعمیل لازمی ہے۔ وہاں کہانت گاہ بنادی گئی۔ یہی کچھ لیبیا میں ہوا۔ یہاں مصری خدا عمُون (شمس) کی کہانت گاہ بنادی گئی۔

دودونا کی تین پجارنوں پروکین شیا، طمار یطی اور نیکندرا کی سنائی ہوئی دو کہانیوں میں سے پہلی درست ہے۔

بہر حال پرانی دنیا میں جادوگروں، کاہنوں اور پروہتوں کو بے پناہ اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اگر جادوگر کاہن کسی سے کہہ دیتا کہ وہ سورج کی آخری کرن کے ساتھ ہی دم توڑ دے تو وہ سچ مچ دم دے دیتا۔

جادوگر کاہن کو مخبرِ اجل بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں تین کہانیاں نقل کی جاتی ہیں۔

فرعون کی موت پہلی کہانی کا راوی ہیرودوطس ہے۔ فرعون رع موسیٰ جس کا خزانہ لوٹنے والے دو وزیر زادوں کے واقعے کو بعد ازاں الف لیلے کے قصوں میں ”علی بابا چالیس چور“ کے نام سے ڈھالا گیا، فوت ہوا تو فرعون خُوفُوع (یونانی کی اوپس) برسرِ اقتدار آیا۔ اس نے ربُّ عمون (سورج دیوتا) اور دوسرے خداؤں کی عبادت گاہیں ڈھا دیں، ان کے پروہتوں کو نکال دیا اور رعایا کو دین سے بے تعلق کر دیا۔ اس نے ہر شخص کو بلا امتیاز غلام بنایا اور اپنے مقبرے (ہرم) کی تعمیر پر لگایا۔ لوگوں کو ٹولوں میں بانٹا۔ کچھ لوگ عرب کی پہاڑیوں سے پتھر توڑ توڑ کر لاتے، کٹنے چھلنے کے بعد ایک سل کا وزن تین سو من سے زائد ہوتا۔ (ہرم اعظم میں ۲۶ لاکھ سلیں لگائی گئیں) غلاموں کی تین تین مہینے کی شفٹیں ہوتیں۔ ہر شفٹ میں ایک ایک لاکھ آدمی ہوتے۔ پتھر کی سلیں جائے تعمیر پر لانے کے لئے دس سال میں پانچ فرلانگ لمبا اور ساٹھ فٹ چوڑا صیقل شدہ منقش راستہ تیار کیا گیا۔ یہ ڈھلوان راستہ آخری نقطے پر پہنچ کر ۴۸ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ انہی دس سالوں میں دینی نوعیت کے زیرِ زمین حجرے بھی بنائے گئے اور کچھ دوسرے کام بھی کئے گئے۔ پورا ہرم بیس سال میں مکمل ہوا۔ یہ اس زمانے ۲۹۰۰۔۲۸۷۷ ق،م کی بات ہے جب اتنی بڑی چٹانیں کھودنے، اکھاڑنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے، انہیں اس صحت سے تراشنے کہ

حجم کے لحاظ سے سرمو فرق نہ پڑے اور جمانے کے لئے ایسے آلات اور طریقے دریافت نہ ہوئے تھے جو آج ہم اپنے یہاں کی جناتی تعمیرات پر دیکھ سکتے ہیں۔ آج ملین ڈالر کی مول کل ایک گھنٹے میں ۲۸ فٹ لمبی سرنگ تیار کرتی ہے۔ کھدائی کی بعض کلیں ایک ہلے ہیں اتنی مٹی کھود کر جائے تعمیر سے گزوں دور پھینک دیتی ہیں کہ اس سے پورے مکان کے لئے گارا تیار ہو سکے۔ قدیم روایت کے مطابق ناقابل یقین حد تک قلیل مدت میں ہرم کی تعمیر جادوگروں اور پروہتوں کی اعانت سے ہوئی۔

اگرچہ مندر بند کردیئے گئے تاہم دینی جذبہ اور دینی سوچ باقی رہی۔ اس کی بدولت فرعون نے مقبرہ بنوایا۔ جادوگروں اور پروہتوں ہی نے اس کے لئے یہ فلسفہ تراشا تھا کہ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جی اٹھتا ہے۔ اس کی ابدی زندگی برقرار رکھنے کے لئے دو اہم ایجادیں ہوئیں۔ اس کی نعش کو محوط کر کے مستقل طور پر محفوظ کرنے کا فن اور محوط شدہ نعش کو سلامت رکھنے کے لئے ہرم کی تعمیر کا فن۔ ابدی زندگی کے جذبے نے فرعون کو تشدد پر مائل کردیا اور اسے درندہ بنا دیا۔ اس کے وحشیانہ سلوک نے لوگوں کے دلوں میں موت سے بڑھ کر خوف پیدا کیا۔ خوف کے اس ماحول میں ہرم اس صحت اور قلیل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مزدور لشکر کیلئے مولی پیاز پر جو روپیہ اٹھا اس کا اندراج ایک کتبے پر کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین اشیائے خوردنی پر چاندی کے سولہ سو سکے صرف ہوئے، روٹی کپڑے کا خرچ ان سے الگ تھا۔

ہرم کی تعمیر جادوگروں کے وضع کردہ دین کی رو سے اس قدر ضروری تھی کہ فرعون اپنی زندگی کے تمام اعمال و اشغال پر اسے ترجیح دیتا۔ اس کے مقابل اپنے محل کو کوئی وقعت نہ دیتا۔ ہرم کی تعمیر پر پوری پوری توجہ صرف کرتا۔ اس کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقے سے روپیہ جمع کرتا تھا۔ اس کے لئے ظاہر ہے۔ اس کا محل ابدی آرام گاہ تو نہیں تھا۔ روپے کی ٹوٹ پڑتی تو اپنی دختر نیک اختر کو چکلے میں بھیج دیتا اور اس کی کمائی کو اپنی ابدی قیام گاہ کی تعمیر پر صرف کرتا۔ دختر نیک اختر بھی خوب سیانی تھی اس نے ایک طرف تو باپ کے لئے روپیہ جمع کیا اور دوسری طرف اپنے مقبرے کے لئے ہر گاہک سے کہا کہ پتھر کی ایک ایک سل مہیا کرے۔ ان پتھروں سے درمیانی ہرم بنا۔

فرعون خُوفُوع پچاس برس تک حکمران رہا۔ بقول پرسٹیڈ ۲۳ سال تک حکمران رہا۔
اس کے بعد اس کا بھائی قیف رع تاجدار ہوا، یہ بھی اسی تھیلی کا چٹا بٹا تھا۔ اس نے بھی

ظلم وتشدد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خُوفُوع کے ہرم اکبر کے برابر اس نے اپنے لئے نسبتاً چھوٹا ہرم بنوایا۔ ۵۶ سال تک حکمران رہا۔ یوں دونوں فرعون ایک صدی تک ہزاروں خداؤں کی سرزمین پر ارضی خدا بن کر ظلم ڈھاتے رہے۔ یہ بدترین دور تھا۔ عبادت گاہیں بند رہیں۔ خزانہ خالی ہوا اور لوگوں کو پل بھر کیلئے سکھ کا سانس نصیب نہ ہوا۔ انہیں دونوں فراعنہ سے سخت نفرت ہوئی اور یہ بدحالی و پامالی کے ذمہ دار قرار پائے۔

ان کے بعد خُوفُوع کا پسر مینقورع فرعون بنا۔ یہ باپ اور چچا سے طبعاً مختلف تھا۔ اس نے پرانی پالیسی موقوف کی۔ عبادت گاہیں کھول دیں جو ایک سو سال تک بند رہی تھیں۔ لوگوں کی غلامی کی زنجیریں کاٹیں اور انہیں اپنی اپنی پسند کا کام کرنے کی اجازت دی۔ عدل وانصاف کو رواج دیا پھر اس نے ایک غلط کام کیا۔ اس نے اپنی بیٹی پر مجرمانہ حملہ کیا۔ فرعون کو بہن (اور بہن کے نہ ہونے کی صورت میں بیٹی) سے بیاہ کی اجازت تھی لیکن مجرمانہ حملہ ناجائز فعل تھا۔ مصر میں تخت وتاج کی اصل وارثہ شاہی خاندان کی عورت ہوتی۔ اس سے بیاہ کر کے ہی کوئی شخص فرعون بنتا۔ مجرمانہ حملے کے بعد مینقورع کی بیٹی نے خودکشی کرلی۔ باپ اس کیلئے ہرم نہ بنوا سکا کہ یہ بہت بڑی چیز تھا اور انسانوں سے جانوروں کی طرح کام لئے بغیر معرض وجود میں نہ آسکتا تھا۔ مصارف اور مصیبت سے بچنے کیلئے متوفیہ کو بڑا انوکھا مقبرہ ملا۔ فرعون نے کاٹھ کی گائے بنوائی۔ گائے متبرک جانور تھا اور دینِ ساحری (زمین پرستی) FERTILITY CULT میں بڑے اہتمام سے پجتی تھی، لوگ اسے دیوی مانتے۔ کاٹھ کی گائے اندر سے کھوکھلی تھی، باہر طلائی کام کیا گیا تھا۔ دونوں سینگوں کے درمیان سونے کا تھال اڑایا گیا تھا جو سورج کی علامت تھا۔ شہزادی کی حنوط شدہ لاش اس میں رکھی گئی۔ اس عجیب وغریب مقبرے کو شاہی محل میں رکھا گیا جہاں ہر وقت خوشبوئیں جلتیں، رات کو چراغاں ہوتا۔ گائے پر لال چادر پڑی رہتی۔ قبروں پر چادر چڑھانے کی ریت یہیں سے لی گئی ہے۔

سال میں ایک بار گائے کو سورج کی روشنی میں لایا جاتا اور مصری دیوی کے لئے سینہ کوبی کی جاتی۔ یاد رہے گاؤ پرستی اور شمس پرستی دو الگ الگ اور مخالف مسلک تھے۔

گائے کے برابر والے کمرے میں فرعون کی بیس داشتاؤں کے بڑی بڑی جسامت کے ننگے کٹھ پتلے رکھے گئے تھے۔ اس کا حکم بھی جادوگر نے دے رکھا تھا۔ جادوگر ہی نے فرعون کو

یہ بات سمجھائی تھی کہ مرنے کے بعد فرعون ابدی زندگی پالیتا اور دنیاوی انداز میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے اپنی عورتوں سمیت زروجواہر، اشیائے خوردونوش اور استعمال میں آنے والی ہر چیز مطلوب ہوتی ہے۔ (مردوں کے ختم پڑھانے، کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں اور نذر نیاز دینے کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا)۔

''بیٹی کی موت کے بعد فرعون مینِکورع پر دوسرا عذاب نازل ہوا جو یقیناً اس کے مجرمانہ حملے کا نتیجہ تھا۔ اس نے بیٹی کی عصمت لوٹی اور اس کی جان لی۔ اس پر عوام میں غیظ وغضب کی لہر دوڑی ہوگی اور پروہت برہم ہوئے ہوں گے۔ بُوطو کی کہانت گاہ سے پیغام آیا کہ وہ صرف چھ سال جیئے گا، ساتویں سال مرجائے گا۔ کاہنہ کا یہ حکم بجلی بن کر گرا، فرعون مینِکورع نے جواب میں سخت پیغام بھیجا اور دیوتا پر ملامت کی۔ برہم ہوکر اس نے کہا کہ اس کے باپ اور چچا خداؤں کو بھولے رہے، انہوں نے ظلم وتشدد کی انتہا کردی، رعایا کو غلام بنایا لیکن ان ظالموں نے اتنی لمبی عمریں پائیں اور وہ جو رعایا پر مہربان ہوا، جس نے لوگوں کو خوشی اور خوشحالی دی اسے اتنی جلدی مرجانے کا حکم صادر کیا گیا۔ کاہنہ نے کہلا بھیجا کہ اس نے وہ نہیں کیا جو اسے کرنا چاہیئے۔ اس کی عمر کا فیصلہ ہوچکا ہے۔

کاہنہ کا یہ فیصلہ اٹل تھا۔ فرعون اس کے سامنے بے بس ہوگیا۔ وہ پروہتی نظام کا بال بیکا نہ کرسکا۔ تنگ آکر اس نے جینے اور عمر بڑھانے کی ترکیب سوچی۔ اس نے بیشمار دیئے بنوائے جو سرِ شام جلائے جاتے اور رات کو دن بنالیا جاتا۔ وہ رات دن روشنی میں شراب پیتا اور عیش وعشرت میں زندگی گزارتا۔ راتوں کو روشن کرکے زندگی کے چھ سالوں کے بارہ سال بنالئے اور کہانت کو جھٹلایا۔ اس نے چھوٹا سا ہرم بھی بنوایا۔ اس داستان سے جگہ جگہ اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ جادوگر اپنے عہدِ عروج میں کس قدر قوت اور اثر رسوخ کا مالک تھا۔ ارضی خدا بھی اس کے سامنے دم نہ مارسکتا، موت تک اس کے اختیار میں تھی۔

ماں کا شوہر شاہ ایڈی پَس   جادوگر کی بالادستی کی یہ کہانی یونان سے تعلق رکھتی ہے، جس پر پانچویں صدی قبلِ مسیح کے لاثانی ڈرامانگار سوفوکلیز نے زبردست المیہ تخلیق کیا۔

تھی بیز (یونان) کے فرمانروا لے ای اس کی بیگم جیکوستا کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ کاہنہ کے ذریعہ اپالو (ربّ الشمس) کا حکم ملا کہ وہ بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ بیوی نے میاں

کے ڈر سے نوزائیدہ بچے کو گڈریے کے حوالے کیا جو اسے سرحد کی پہاڑی پر ڈال آیا۔ یہاں سے سرحد پار کورنتھ کا گڈریا بچے کو اٹھا کر لے گیا اور شاہی محل میں پہنچا آیا، جہاں شہزادہ ایدی پس پل کر جوان ہوا۔ وہ خود کو ریاست کورنتھ کے شاہی خاندان کا سپوت سمجھتا لیکن ایک محفل میں کسی نے کہا کہ وہ کورنتھ کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ جانے کون ہے؟ یہ طعنہ اسے کھا گیا۔ وہ سیدھا ڈیلفی کی کہانت گاہ پر پہنچا۔ جہاں ہر مشکل حل کی جاتی، ہر سوال کا جواب دیا جاتا۔ ڈیلفی کی کہانت گاہ عالمگیر شہرت رکھتی تھی۔ یہ خبر رساں ایجنسی تھی۔ ایدی پس کو سوال کا جواب تو کیا ملتا، اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ کاہنہ نے کہا وہ باپ کو قتل کرے گا اور ماں سے بیاہ رچائے گا۔ وہ سمجھا کہ پیشگوئی کورنتھ کے تاجدار اور ملکہ کے بارے میں ہے کہ وہ انہی کو اپنے ماں باپ سمجھتا۔ ڈیلفی سے باہر آیا اور اس نے کورنتھ سے منہ موڑ لیا، وہ اس راستہ پر چل پڑا جو تھیبز کو جاتا تھا۔ تراہے پر ایک خود سر رتھ بان سے مدبھیڑ ہوئی۔ رتھ بان اسے کچل ہی دیتا کہ اس نے برچھا مار کر اسے مار ڈالا۔ یہ تھیبز کا حکمران لے ای اس تھا۔ کاہنہ کی پیشگوئی کا ایک حصہ پورا ہوا۔ وہ تھیبز پہنچا۔ یہاں ایک جادوگرنی بنت ام الھول SPHINX نے تباہی مچا رکھی تھی۔ وہ لوگوں سے ایک پہیلی پوچھتی اور جواب نہ ملنے پر انہیں ہلاک کر دیتی بلکہ جیکوستا کے بھائی کری اون نے منادی کروائی کہ جو کوئی جادوگرنی سے نجات دلائے گا، تھیبز کا تخت پائے گا اور ملکہ جیکوستا سے بیاہا جائے گا۔

ایدی پس نے چیلنج قبول کیا، اس نے جادوگرنی سے پہیلی پوچھی۔ اس نے کہا "وہ کون سا جانور ہے جو صبح کو چار ٹانگوں پر چلتا ہے، دوپہر کو دو ٹانگوں پر چلتا ہے اور شام کو تین ٹانگوں پر؟"

"آدمی" ایدی پس کا جواب تھا۔

جادوگرنی ہار گئی۔ شکست کی شرمساری برداشت نہ کر سکی۔ اس نے خودکشی کر لی۔

ایدی پس کو اپنے کارنامے کے عوض تھیبز کی حکومت اور ملکہ ملی۔ ڈیلفی کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

ایدی پس نے باپ کو تراہے پر مارا اور ماں سے بیاہ کیا۔ اس سے دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے۔ قتل اور زنا بالمحرمات پر اپالو دیوتا نے تھیبز پر وبا بھیجی۔ بالآخر مقامی پیغمبر کے اصرار پر وہ بھید کھلا جس سے (سوفوکلیز کی تمثیل کے مطابق) ایدی پس اور جیکوستا ناواقف تھے۔

جیکوستا نے پھانسی لے لی، ایدی پس نے آنکھیں پھوڑ لیں اور کچھ مدت مارا مارا پھرنے کے بعد زمین میں غائب ہوگیا۔ سیتا بھی لنکا سے آنے کے بعد اسی طرح زمین میں غائب ہوئی تھی (رامائن کی اس عجیب وغریب داستان کے نکات پھر پیش کئے جائیں گے)۔

بیٹے اور باپ کی نفرت، ماں اور بیٹے کی محبت اور زنا بالمحرات INCEST میں فریزر نے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ دورِ ساحری میں بیٹے کی قربانی کی بنیاد کا تعلق بھی باپ بیٹے کی نفرت ہے۔ فرائیڈ نے اپنی گراں مایہ کتاب TOTEM AND TABOO میں اس پورے مسئلے پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ فرائیڈ ہی نے "ایدی پس عارضے" کی اصطلاح وضع کی۔

ایدی پس کی اس کہانی میں بھی جادوگروں اور کہانت گاہوں کا کردار واضح ہوتا ہے۔ جادوگر زندگی اور موت سے کھیلتا تھا، وہ اس کام پر بہ تحکم مامور تھا۔ مصر کا فرمانروا ہو یا یونان کا مطلق العنان تائیرنت کوئی اس پر حاوی نہ ہوسکتا۔

●

دنیا کا پہلا جادوگر

⌘

دنیا کا سب سے پہلا جادوگر کب پیدا ہوا؟ اس کا کوئی کیا جواب دے کیونکہ تاریخ سے قبل بھی انسان موجود تھا۔ فلسفے کی ابتدا سے پہلے بھی وہ چنگی بھلی سوچ رکھتا تھا۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ جادوگر آدمی کے پہلے کنبے میں پیدا ہوا اور مرگ و حیات، زمین اور کائنات، رات دن، سماوی آفات، حادثات اور کارخانۂ قدرت کے بارے میں ان سوالات کے جوابات دینے اور اس سلسلے میں قیاسات اور معروضات گھڑنے لگا جو شعور پکڑتے ہی آدمی کے دل و دماغ کو پریشان کرنے لگتے۔ ان جوابات، قیاسات اور معروضات میں برائے نام سائنسی رجحان ہوتا ورنہ شعری صداقتیں ہی ہوتیں۔ اس طرح جھوٹ کے نہایت ہی دلفریب تانوں بانوں سے وہ ایسا جال بنتا گیا کہ چند ہزار سال کے اندر انسانی فکر و عمل کے تمام دائرے اس جال میں آ گئے اور انسان بری طرح اس میں جکڑا گیا۔ جادوگر نے اپنی گرفت اتنی سخت کر لی کہ نکلنے کی راہ نہ رہی۔ انسان تو انسان حیوان، چرند پرند، پیڑ پودے، تمام مخلوقات، موجودات، افلاک اور کائنات بھی کچھ جادوگر کے جال میں سمٹ آیا۔ اس نے سب کو زیر کر لیا اور تمام جہانوں کا کرتا دھرتا بن گیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے جھوٹ کا پول کھول سکے۔ اس کے سوا کسی کے پاس کوئی حقیقت، کوئی صداقت نہ تھی۔

جادوگر نے سب سے پہلے کنبے میں آنکھ کھولی۔ وہ اپنے کنبے کا سردار تھا۔ اسی کی قیادت میں کنبے کے لوگ شکار پر نکلتے۔ عورتیں پیڑوں اور جھاڑیوں سے جنگلی پھل توڑتیں۔ کنبے میں کوئی زخمی ہو جاتا، بیمار پڑ جاتا، مر جاتا، کوئی عورت بچہ جنتی یا اسے حیض آ جاتا تو کنبے کا جادوگر

سربراہ مشکل آسان کرتا۔ وہ اپنی معلومات، مفروضات اور سائنسی انکشافات کو بڑی سختی سے اپنی ذات تک محدود رکھتا اور اپنی ذات کو پراسرار بنانے کی پوری پوری سعی کرتا۔ وہ کنبے کی سب سے قوی اور خوفناک ہستی تسلیم کیا جاتا۔ کنبے کے لوگ قیادت اور ہدایت کے لئے اس کے محتاج ہوتے۔ جب کنبہ بہت بڑھ پھیل جاتا، ارکان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی اور وہ بہت بوڑھا ہو جاتا اور کنبے کے کام کاج سنوارنے کو لائق نہ رہتا تو اس کا بڑا لڑکا اسے ٹھکانے لگا دیتا۔ اس کی خواتین پر قبضہ جما لیتا، اپنی ماں کے علاوہ سب کو تصرّف میں لاتا، تمام املاک و اموال اور اختیارات قبضے میں لے لیتا اور جادوگر سردار بن بیٹھتا اور جہاں کہیں، چند کنبوں نے مل کر بستی بسائی، سب سے چالاک اور ذہین آدمی نے عنانِ قیادت سنبھالی اور وہ جادوگر کا فریضہ ادا کرنے لگا۔

جادوگر تہذیبی سوچ کا بانی تھا۔ یہ بیک وقت مغنّی، رقاص، شاعر، طبیب، معمار اور بہت کچھ تھا۔ اساطیری داستانیں جن پر پچھلے سو سال سے نفسیات اور بشریات کے ماہرین تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں۔ جادوگر کی ذہنی کاوش کا دلآویز نتیجہ ہیں۔ نجومیات، فلکیات، کیمیاء، فنِ تعمیر، ریاضی اور ایسے ہی مفید علوم و فنون کا یہی موجد ہے۔ اسی نے فرعون کو خدا بنایا اسی نے مرنے کے بعد ابدی زندگی کا تصور دیا۔ الغرض تہذیبی ارتقاء کی انتہائی دلفریب ابتدائی منزلیں اسی نے طے کیں اور پاتال سے لے کر اوجِ فلک تک اسی کا اقتدار تھا۔

جادوگر جس قدر ذہین اور ہوشیار تھا اسی قدر پُر اسرار، مقدس، خوفناک، طاقتور اور اہم تھا۔ اپنے تراشے ہوئے خداؤں کو زیر کرنے، انہیں اپنے اُمور و فرائض پر مامور رکھنے اور ان سے کام لینے کی ترکیبیں جانتا تھا۔ وہ ان کی رمزوں سے آگاہ تھا۔ انجان کیلئے اس کے قُرب میں موت تھی۔ یہ زبردست پیدائشی جادوگر ہوتا۔ "میجک" کے مولف ڈاکٹر ہٹن ویبسٹر کے نزدیک اس شخص میں جادوگر بننے کے لئے قدرتی اوصاف پائے جاتے۔ ایسا شخص شعوری طور پر ان اوصاف سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا، سرخ آنکھوں والا غصیلا آدمی اپنے آپ ہی جادوگر بن بیٹھتا۔ بعض افریقی قبائل کیٹروں کے بارے میں سمجھتے کہ انہیں قدرت نے غیر معمولی وصف دیا ہے۔ بڑے ہو کر یہ کیٹرے مندروں پر قبضہ جماتے اور پروہت بن جاتے۔ مردنما عورتیں (ہرمیفروڈائٹ) بھی جادوگرنیاں بن جاتیں۔ ڈراؤنی شکلوں والے لوگ سفلیات (کالے جادو) کے عامل بن جاتے۔

جادوگر کا بیٹا بھی جادوگر ہوتا، اس طرح مصر اور دوسرے قدیم مہذب ممالک میں جادوگروں کے بڑے بڑے خاندان پیدا ہو گئے۔ ہند میں برہموں نے وہی کردار ادا کیا جو قدیم مصر اور میسوپوٹیمیا میں جادوگروں کے خاندانی ٹولوں نے ادا کیا۔ وہ تہذیبی و تمدنی اور سیاسی زندگی میں پوری طرح دخیل تھے۔ ان کی منشاء کے بغیر کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

زرعی تہذیب نے فکر و عمل کے دروازے بے پناہ کشادہ کئے اور عورت کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوا۔ وہ زبردست جادوگرنی بن گئی اور بڑی کامیابی سے معاملاتِ زندگی سے عہدہ برآ ہونے لگی۔ جادوگر اور جادوگرنی دونوں کی سوچ ایک تھی، عمل ایک تھا، تہذیبی ارتقاء بہرحال ہوتا رہا۔

جادوگر اپنے آپ کو پاکیزہ رکھتا البتہ جب قبیلے کو لے کر دشمن پر حملہ آور ہوتا تو خون ریزی کے بعد ناپاک ہو جاتا۔ یہ اس کا اپنا نظریہ تھا۔ اسی نظریے کی رو سے حیض کی حالت میں یا ایامِ زچگی میں عورت ناپاک ہو جاتی۔ یہ صریحاً طبی و سائنسی نقطۂ نظر تھا لیکن جادوگر کی سوچ کے مطابق یہ طب اور سائنس سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ اس کی سوچ کا دھارا شاعرانہ انداز سے غیر شعوری اور نامعلوم طور پر چلتا اور سائنسی رویّوں کو جنم دیتا۔

نیوگنی کا جادوگر بقول ہٹن ویبسٹر دشمن کا خون بہانے اور سر کاٹ لانے کے بعد ناپاک ہو جاتا تو گھر جانے کی بجائے مردانہ کلب ہاؤس میں چلا جاتا۔ یہاں گھاس پھوس کا بہت بڑا جھونپڑا ہوتا۔ شائد یہ گاؤں کا بھوت گھر ______ پوجاپاٹ کی جگہ تھا، اس کے آگے صحن ہوتا۔ گاؤں کی عورتیں اور مرد جمع ہو کر ناچتے گاتے۔ یہ ناچ گانا ہی ان کی عبادت تھا، اس سے بدروحیں بھاگ جاتیں، نیک روحیں خوش ہوتیں اور گاؤں کی حفاظت کرتیں۔ اس طرح جادوگر ______ سردارِ قبیلہ کی مہم جوئی اور فتح یابی کا جشن منایا جاتا، منتر پڑھے جاتے۔ جادوگر میں فتح و نصرت کے بعد زبردست "مانا" (پراسرار سحری قوت) آجاتی۔ ایسے میں وہ کسی کو ہاتھ نہ لگاتا۔ بیوی بچوں کو بھی نہ چھوتا کیونکہ اس طرح انہیں اس کی "مانا" گزند پہنچاتی۔ نہانے دھونے اور ریتیں رسمیں ادا کرنے کے بعد وہ پاک صاف ہو جاتا اور معمول کے مطابق زندگی بسر کرنے لگتا۔

اگلے وقتوں کے لوگ قتل سے بہت خوفزدہ ہوتے۔ اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ دشمن کو قتل کرنا ہی پڑتا لیکن اس کے بعد کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ جادوگر کے دستورِ ممنوعات (ٹیبو) پر عمل

کرنا پڑتا۔ اگر پیا انڈین کسی اپاچی کو قتل کر دیتا تو جادوگر کی ہدایت کے مطابق ناپاکی سے نجات پانے کیلئے سخت تدبیریں اختیار کرنی پڑتیں۔ سولہ دن تک وہ نمک اور گوشت کو ہاتھ نہ لگاتا، کسی سے کلام نہ کرتا، آگ کی طرف نہ دیکھتا۔ جادوگر کی ہدایت سے سرِ مُو انحراف نہ کرتا جو پورے قبیلے کے رویوں کی سمتیں متعیّن کرتا اور راست رکھتا۔ جنگل میں تنہا رہتا۔ ایک بڑھیا اسے کھانے پینے کی چیزیں لا دیتی۔ دریا میں نہاتا، سر پر کیچڑ ملتا۔ یوں وہ مقتول کا سوگ مناتا، سترھویں دن سب لوگ ریت مناتے جس میں اسے اور اس کے ہتھیاروں کو پاک کیا جاتا۔ تزکیے کی یہ رُسُوم امریکہ کے اور کسی قدیم قبیلے میں اتنی سختی سے رائج نہیں ہوئیں۔ مقتول کی روح کی تسکین کے لئے یہ ریتیں ضروری تھیں۔ ایسا نہ کیا جاتا تو مقتول کی روح زبردست تباہی مچاتی اور پوری بستی پر آفت لاتی۔

قتل کا ارتکاب بہت بڑا واقعہ ہے اور یہ اپنے ساتھ خوف کی زبردست لہر لاتا ہے۔ یہ خوف قاتل ہی نہیں پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ اس لئے جادوگر نے قاتل اور پورے قبیلے کو خوف اور گزند سے بچانے کیلئے سحری تدابیر ایجاد کیں۔ لوگ ان پر پوری سنجیدگی سے عمل پیرا ہوتے۔

جادوگر، سردار قبیلہ اور بادشاہ کی حفاظت اور سلامتی بھی ضروری تھی کیونکہ انہی سے بازارِ حیات کی رونقیں قائم تھیں۔ اس سلسلے میں متعدد قسم کے ٹیبو برتے جاتے۔ بقول فرائیڈ جادوگر سردارِ قبیلہ یا بادشاہ پُراسرار اور خطرناک سحری قوت کا حامل ہوتا۔ اسے چھونے سے برقی لہر کی طرح یہ چھُونے والے کے بدن میں سرایت کر جاتی اور اسے ہلاک کر ڈالتی۔ کوئی بڑی ہمت اور حوصلہ والا ہوتا تو بچ رہتا لیکن کچھ نہ کچھ نقصان ضرور اٹھاتا۔

مشرقی افریقہ کے ''نوبا'' اپنے جادوگر بادشاہ کے گھر میں قدم نہ رکھتے، وہ اپنا بایاں شانہ آگے کر دیتے جسے جادوگر بادشاہ تھپک دیتا۔ اس طرح اسے حفاظت کی ضمانت مل جاتی لیکن جادوگر بادشاہ کو چھُونے سے الٹا اثر ہوتا۔

جادوگر بادشاہ کے ہاتھ میں شفاء تھی، وہ جسے چھُو لیتا اس کا مرض دور ہو جاتا۔

انگلستان کے بادشاہ جو خدا کا نائب اور بادشاہت کو خدا کی دین سمجھتے، ہاتھ کے لمس سے خنازیر کے مریضوں کو تندرست کرتے۔ سترھویں صدی کے بادشاہ اس ضمن میں بڑی شہرت

رکھتے تھے۔ پھر جب ولیم آف اورینج فرمانروائے انگلستان ہوا تو اس نے ایسی بیہودگی سے گریز کیا البتہ ایک بار جب وہ ہاتھ کے لمس سے کسی بیمار کو تندرست کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے کہا، ''خدا تجھے تندرستی دے اور زیادہ عقل عطا فرمائے۔''

فرائیڈ نے فریزر کے حوالے سے بتایا ہے کہ ایک بار نیوزی لینڈ کے کسی سردار کا بچا کھچا کھانا بے دھیانی میں اس کے غلام نے کھالیا جو خوب تندرست و توانا اور قوی الجثہ تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ اس نے سردار کا بچا کھچا کھانا کھایا ہے تو اس کا بدن تڑنے مڑنے لگا۔ آخر وہ اسی تکلیف کی حالت میں اسی دن غروبِ آفتاب کے وقت دم توڑ گیا۔

جادوگر، سردارِ قبیلہ اور بادشاہ کی ذات میں اس کے بے پایاں اختیارات، قوت، عقل و دانش، خاندانی وجاہت کی بدولت ''مانا'' (پراسرار سحری قوت) پائی جاتی ہے جو بے حد خطرناک، بسا اوقات مہلک ہوتی ہے۔ اس کا جسم ہی نہیں اس کے استعمال کی چیزیں بھی خطرناک سمجھی جاتی تھیں، انہیں کوئی نہ چھیڑتا۔ ان لوگوں کے قہر سے بچنے کے لئے حصار کھینچ دیا جاتا۔ یوں کوئی شخص ان تک نہ پہنچتا۔ جب بھی کوئی ان کے حضور جاتا، سر جھکاتا اور بڑے ادب سے پیش آتا۔

ان لوگوں نے اپنے یا دوسروں کے لئے جو ٹیبو (دستورِ ممنوعات) وضع کیا اس کی وجہ ظاہر ہے یہ لوگ پورے معاشرہ کے کرتا دھرتا اور سب کی سلامتی کے ضامن تھے۔ تمام انسانی اور معاشرتی رویوں کی نگہداشت کرتے۔ لوگ ان کے شکرگزار ہوتے کیونکہ مینہ اور دھوپ انہی کی بدولت تھی۔ انہی کی مہربانی (جنتر منتر اور تعویزوں) سے زمین پھل اگاتی، کشتیاں کنارے آلگتیں، لوگوں کے پاؤں تلے کی سخت زمین بھی انہی کی بدولت تھی۔

وحشی قبائل کے یہ حکمران ایسی طاقت اور صلاحیت رکھتے جو صرف خداؤں میں پائی جاتی اور جن سے متعدّد فوائد حاصل ہوتے۔

جادوگر کا وجود بیک وقت حیات بخش بھی تھا، مہلک بھی اور ناگزیر بھی، اہلِ قبیلہ اس کا بے پناہ احترام کرتے بشرطیکہ وہ ان کے فائدے کے لئے معاشرتی اُمور و فرائض بحسن و خوبی انجام دیتا۔ قدرت کے رویوں کو ان کے موافق رکھتا۔ اگر اس کے اُمور و فرائض میں کوتاہی اور

بے پروائی آجاتی تو اس کا سارا ادب واحترام اور تقدس جاتا رہتا۔ لوگ محبت کے بجائے اس سے نفرت کرنے لگتے۔ وہی لوگ جو اسے اپنا آقا مانتے اور خدا بنا کر پوجتے اس سے چھٹکارا پانے اور مار ڈالنے پر تُل جاتے۔ اگر وہ ان کے قہر وغضب سے چھوٹ جاتا تو یہ معجزہ ہی ہوتا۔ محض بادشاہ بن جانا کافی نہ ہوتا۔ اس کے بعد اسے قبیلے کا محافظ اور پالنہار بننا پڑتا۔

جاپان کا تاجدار ——— مکیڈو خدا کا درجہ رکھتا۔ دو ہزار سال پرانی ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ مکیڈو زمین پر پاؤں نہ دھرتا کیونکہ یہ اس کی شان اور اس کے تقدس کے خلاف تھا۔ جب بھی کہیں جاتا لوگ اسے شانوں پر اٹھا کر لے جاتے۔ سورج کو اس لائق نہ سمجھتے کہ اس کے پاک جسم پر اپنی روشنی ڈالے۔ وہ ہر روز کئی کئی گھنٹے تخت پر ساکت وساکن ہو کر بیٹھتا کیونکہ اس طرح اس کی سلطنت میں امن وسکون رہتا۔

یہ آداب اور سوچ جادوگر ہی نے وضع کی تھی، اس کے لئے کوئی سائنسی تشریح میسر نہیں۔

جوں جوں ماضی میں جائیں توں توں جادو کا یہ گورکھ دھندا مضحکہ خیز معلوم ہوگا۔

بعض اوقات فرماں روا پر اتنی پابندیاں عائد کی جاتیں کہ بے چارہ مظلوم ہو کر رہ جاتا۔ ایسے میں کوئی شخص فرماں روا بننے کی خواہش دل میں نہ رکھتا۔

جادو کی دنیا میں ایک اور مزے کی بات ملتی ہے۔ زندہ سے مردہ زیادہ قوی اور خوفناک تصور ہوتا۔ زبردست سے زبردست زندہ بادشاہ کسی مردے سے مقابلہ نہ کر سکتا۔ بقول فرائیڈ ''مردے زبردست حکمران مانے جاتے۔''

لوگ مردے سے ڈرتے، ماوری قبیلے کے لوگ مردے کو ہاتھ نہ لگاتے۔ جو شخص مردے کو اٹھاتا، کفناتا، دفناتا، اسے ہاتھ لگاتا، لوگ اس سے خوف زدہ ہو جاتے اور اس سے ہر طرح سے قطعِ تعلق کر لیتے۔ وہ نہ تو کسی گھر میں جاتا، نہ کسی کو ہاتھ لگاتا مبادا کسی پر اس کا اثرِ بد ہو جائے وہ ناپاک سمجھا جاتا۔ کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتا کیونکہ اس طرح وہ ناکارہ ہو جاتی۔ وہ صرف زبان سے چاٹ لیتا اور جانوروں کی طرح پانی پی لیتا۔ یہ شخص ''ٹیبو زدہ'' (شجر ممنوعہ)

قرار دیا جاتا۔ ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی ایسا نچ ضرور ہوتا جو مردوں کی رسوم (تکفین وتدفین) ادا کرنے والے شخص کی خدمت کرتا۔ ٹیبوزدگی کی میعاد ہوتی۔ اس میعاد کے بعد وہ پاک ہو جاتا اور پھر لوگوں سے ملنے جلنے لگتا...... پولی نیشیا، میلا نیشیا اور افریقہ کے بعض حصوں میں یہی کچھ ہوتا۔

جو آدمی مردہ سردار کو ہاتھ لگاتا، اسے کفناتا دفناتا، وہ دس ماہ تک ٹیبوزدہ (ناپاک، سحر زدہ) رہتا۔ اگر یہ شخص خود بھی سردارِ قبیلہ ہوتا تو تین چار ماہ تک ٹیبو زدہ رہتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ''ٹیبو آرڈی ننس'' (ضابطہ ممنوعات) کی خلاف ورزی کرتا اور موت کو دعوت دیتا۔

برٹش کولمبیا میں اگر کوئی مرد یا عورت مر جاتی تو بیوہ یا رنڈوے کے قریب کوئی نہ پھٹکتا۔ اگر کسی تندرست عورت یا مرد پر اس کا سایہ پڑ جاتا تو وہ اسی آن بیمار ہو جاتا۔

ٹیبوزدگی یا سحر زدگی نہایت خوفناک تھی۔

مردے کا خوف اتنا گھمبیر تھا کہ بیوہ گھاس کا لباس پہنتی تاکہ اس کا مردہ شوہر اس سے جنسی تعلق قائم نہ کر سکے۔

مردے کا بھوت اپنے عزیزوں کا پیچھا نہ چھوڑتا اور گاؤں میں گھومتا پھرتا۔ اس کے اثرِ بد سے بچنے ہی کے لئے ''ٹیبو آرڈی ننس'' (دستورِ ممنوعات) نافذ کیا جاتا۔

جزیرہ فلپائن کی جادوگری اس سے مختلف نہ تھی۔ وہاں بیوہ اپنے گھر سے کئی دن تک باہر نہ نکلتی۔ جب باہر جاتی تو لکڑی کے ٹکڑے سے پیڑوں کو ٹھونکتی اور اپنی آمد کا اعلان کرتی جاتی۔ کوئی شخص اس کی جانب دیکھنے کی حماقت نہ کرتا کیونکہ ایسا کرنا فی الآن مہلک ثابت ہوتا۔

خوف اور ضرر رسائی میں بڑے سے بڑا تاجدار بھی کسی مردے کا مقابلہ نہ کر سکتا۔ مردہ ہی سب سے بڑا تاجدار ہوتا۔

بیوہ عورت یا شریکِ حیات سے محروم ہونے والا مرد دوبارہ شادی نہ کرتا کیونکہ وہ مردے کے بھوت سے ڈرتا جو اپنی جگہ کسی اور کو گھر میں آباد دیکھ کر مشتعل ہو جاتا اور اہلِ خانہ بلکہ پوری بستی کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔

بھوت تو بھوت، مردے کا نام بھی اس قدر خوفناک خیال کیا جاتا کہ بھول کر بھی زبان پر نہ لایا جاتا۔ جو شخص مردے کا نام لیتا اس کی سزا وہی تھی جو قاتل کی تھی۔ اسی لئے لوگ مرنے والے کا نام ہی بدل دیتے اور پھر بڑی بے تکلفی سے اسے نئے نام سے پکارتے بعض جگہ ''ٹیبو آرڈی ننس'' اتنا شدید تھا کہ مردے کے ساتھ اس کے زندہ رشتہ دار بھی اپنے نام بدل لیتے اور یوں عزیز داری اور تعلقات کا نئے انداز سے آغاز ہوتا۔ نام بدلنے سے رشتوں کی تجدید ہو جاتی۔ نام بدلنے اور نئے نام رکھنے کا کام جادوگر کے سپرد ہوتا۔ اس سلسلے میں ایک بڑی دشواری پیش آتی۔ ایسی صورت میں کہ مردے کا نام کسی ''ٹوٹم'' (مقدس قبائلی جانور یا پیڑ) پر ہوتا تو پھر اس ٹوٹم کا نام بھی بدل دیا جاتا اور یوں عمر بھر یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ جہاں کوئی مراد ہیں اسمائے معرفہ میں وسیع پیمانے پر تبدیلی آ گئی۔

مردوں کے ناموں سے رُجوع کرنے اور انہیں دوبارہ رواج دینے کی ایک ہی صورت تھی۔ مدتوں ماتم کرنے کے بعد جادوگر کنبے کے نئے بچوں کو مردوں کے متروک نام دیتا۔ یوں ناموں پر سے ٹیبو دور ہو جاتا۔ بچوں کو مردوں کا اوتار مانا جاتا۔ اوتار کو حق پہنچتا کہ مردے کا نام اختیار کر لے۔ جادو پرستوں کے نزدیک نام آدمی کی ذات کا جزو لاینفک ہوتا۔ نام کو وہ ہاتھ پاؤں، سر دھڑ جیسی شے سمجھتے اور اسے کسی طور آدمی کے جسم وجاں سے الگ نہ کیا جا سکتا۔ نام لیتے ہی مردے کی پوری ہستی، پوری زندگی، پوری شخصیت سامنے آ جاتی۔ نام میں بڑا جادو تھا۔ نام سے مردہ جی اٹھتا۔ اس کے سارے رویے زندہ ہو جاتے۔

جادوگر، ساحر، طبیب، سردارِ قبیلہ، مردے اور اس کے بھوت کے علاوہ حائضہ (حیض والی) عورت بھی معاشرے میں بڑا درجہ رکھتی تھی۔ وہ بھی ٹیبو زدہ ہوتی تھی۔ سحرور بھی مانی جاتی تھی۔ اہلِ قبیلہ اس کی سحری قوت سے آگاہ تھے اور اس سے فائدہ یا نقصان اٹھاتے تھے۔ پاپوا قبیلے کو کوئی آدمی خواب میں اگر مافوق الفطرت شے آبی جانور کی شکل میں دیکھ لیتا تو فوراً حائضہ کی مدد کا طلب گار ہوتا۔ اگر اسے مدد نہ ملتی تو مافوق الفطرت جانور کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ حائضہ اس صورت

میں مدد کرتی کہ اسے اپنے لہو سے داغی کئے ہوئے پتوں کو پانی میں ڈبو کر پلاتی۔ دوسرا نسخہ یہ تھا کہ وہ بند مٹھی سے آدمی کا سینہ سہلاتی۔ آدمی اس اثناء میں اپنا دایاں ہاتھ اونچا رکھتا تا کہ وہ بچوں کو کھلانے کے لئے شکار کرنے کی صلاحیت برقرار رکھ سکے۔ چونکہ حائضہ ٹیبو زدہ ہوتی اور اس کی سحری قوت خطرناک تسلیم کی جاتی اس لئے اسے چھوا نہ جاتا۔ متاثرہ آدمی اس لئے اپنا شکار کرنے والا ہاتھ بچا لیتا۔ اگر کسی آدمی پر کالے جادو کا اثر ہوتا تو اسے زائل کرنے کے لئے بھی حائضہ یہ عمل کرتی۔

جاپان کے آئینو قبیلے کے لوگ بھی حائضہ کے خون کی طلسماتی خوبی کے قائل تھے۔ اس قبیلے کا کوئی فرد زمین پر ایک بوند بھی پڑی دیکھتا تو جھٹ اٹھا کر سینے پر مل لیتا۔ وہ تو بلکہ عورت سے خون آلود کپڑا بھی طلب کر لیتا۔

حائضہ کی سحری قوت باعثِ خیر و برکت سمجھی جاتی۔ اس میں زرخیزی کی قوت پنہاں ہوتی۔ ایک ایسا بھی قبیلہ تھا جس میں لڑکی پہلی بار حائضہ ہوتی تو اسے گاؤں بھر میں پھرایا جاتا۔ وہ باڑے کے اندر جا کر ایک ایک مینڈھے اور بکرے کو ہاتھ لگاتی تا کہ اس کی قوت بڑھے۔ گھر گھر جا کر دودھ کے برتنوں کو ہاتھ سے چھوتی۔

لوگ جہاں حائضہ سے ڈرتے وہاں اس کی ''مانا'' (سحری مخفی طاقت) کو مفید طریقے سے کام میں بھی لاتے۔ چنانچہ ہریرد قبیلے کے لوگ ہر صبح گاؤں بھر کی گائیوں کا دودھ جمع کر کے اس کے پاس لاتے۔ وہ برتنوں پر ہونٹ رکھ دیتی۔ شمالی رہوڈیشیا کی حائضہ عورتیں مکھیوں کو بھگانے کیلئے ان کے درمیان بیٹھ جاتیں اور وہ بھاگ جاتیں۔

ٹرانسوال کے لوگ حیض کے خون سے سفوف تیار کرتے جو سحری تاثیر رکھتا۔ حائضہ کو گاؤں سے باہر بند رکھتے۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے مرد سفوف کو ہاتھوں اور پاؤں کے تلووں پر ملتا، اس طرح وہ لرزے کے مہلک مرض سے بچ رہتا۔ بیوی گھر آنے کے بعد خاوند کو گلے کا ہار پہناتی اور وہ بیماری سے پوری طرح محفوظ ہو جاتا۔ یہ عمل باقاعدہ ریت اور تقریب کے ذریعے کیا جاتا۔

حائضہ لڑکی کو شہر سے باہر لے جا کر الگ تھلگ اسیری کی حالت میں رکھنے کا دستور عام تھا۔

دنیا بھر میں اوائلی زمانے کے لوگ اس دستور کے پابند تھے۔ دراصل تہذیب کے نچلے درجوں میں اس نوع کی رسوم بکثرت مروج تھیں۔ علمائے بشریات تہذیبی طور سے ان رسوم کی جانچ پرکھ سے ہی فکروعمل اور معاشروں کے ارتقا کا انڈکس مرتب کرتے اور لوگوں کا تہذیبی اور ثقافتی قد ناپتے ہیں۔ پرانے قبائل کا رہن سہن، مذہبی اور معاشرتی رویئے، اوہام واعتقادات، رُسوم اور افکار ان کی ذہنی پرواز کا اندازہ لگانے کے لئے قابلِ مطالعہ ہیں۔

مشرقی افریقہ کے بروندی نوجوان لڑکی کو الگ تھلگ رکھتے اور اس سے دور رہنے کی بجائے اسے گھر گھر پھراتے ہیں۔ وہ جس شے کو چھوتی وہ سحرزدہ ہونے کی بجائے موجبِ خیر وبرکت ہو جاتی ہے۔

الاسکا کے باشندوں کے نزدیک حیض کا خون شفائی تاثیر رکھتا ہے کیونکہ یہ حیات آفرین ہے اور تخلیقی عمل میں کام آتا ہے۔ اگر کسی عورت کے بچے تلف ہو جائیں اور ایک بچہ بچ رہے تو پھر وہ حیض کے خون سے اپنی چڈی داغدار کر کے حفاظتی حربے کے طور پر اسے پہنا دیتی۔ یہ خون آلود چڈی تعویز کا کام دیتی۔ یاد رہے کہ عورت اپنا خون استعمال نہ کرتی بلکہ کسی دوسری عورت کا خون حاصل کرتی۔

اوائلی تہذیبی دور PRIMITIVE CULTURE میں قانونِ ممنوعات کے تحت جو ریتیں رسمیں اور طور طریقے وضع ہوئے وہ جادوگری، قبائلی سرداروں اور دوسرے کرتا دھرتا لوگوں کے تحفظ کی خاطر تھے۔ حائضہ عورتوں کی ناپاکی اور مردوں کے بھوتوں اور بدروحوں کے اثرِ بد سے متعلقہ گھرانے، بستی والوں کو انفرادی اور اجتماعی طور سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی منفی نوع کا قانون بنایا گیا۔ یہی ٹیبوازم ہے۔

• ساحرِی دور اُن رُسوم سے معمور ملے گا۔ بہرحال قدیم زمانوں کے یہی طور طریقے اور یہی ممنوعات تھے۔ یہی بندشیں اور پابندیاں تھیں۔ انہیں بیہودہ اور واہیات کہہ سکتے ہیں لیکن انسانی تہذیب کا بہت بڑا زمانہ جو چھ سات ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ سالوں پر مشتمل ہے انہی

بے ہودگیوں سے آراستہ رہا۔ چودہ سو سال پہلے تک لوگ ایسے ہی عجیب وغریب دستور، ممنوعات کے پابند رہے۔ اسلام کی روشنی جہاں جہاں پہنچی وہاں وہاں سے جہالت اور توہمات کے اندھیرے چھٹے۔ عقل وشعور کی نئی روشنی پھیلی۔

جادو میں مثبت رجحان ملتا ہے۔ اس کے مقابل ______ ممنوعات کا قانون منفی رویوں کا حال ہے۔

●

ہندسوں کی جادوگری

⌘

تہذیب کی کہانی، ہندسوں کی زبانی ـــــــ اعداد و شمار کا گورکھ دھندا
دین کے انداز میں جادو کا تصور ـــــــ
پیٹ کی ضرورت سے اعداد و شمار کا شعور ـــــــ

یہ تصور اور یہ شعور آدمی کی پیدائش کے ساتھ ہی بروئے کار آئے اور رفتہ رفتہ پروان چڑھے۔

آدمی نے سب سے پہلے اپنے لئے معبود بنائے کہ عبدیت اس کی فطرت ہے۔ پہلے پہلے اس نے معبودوں کو نام نہیں دیئے کیونکہ ابھی اس کے پاس کوئی لمبی چوڑی لغت تھی نہ اسمائے معرفہ کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا۔ وہ اپنے معبود کو ''وہ'' یا ''تو'' کہہ کر پکارتا۔ وہ مدتوں بے نام خداؤں سے کام چلاتا رہا۔

زمین، سورج، پانی، بجلی کی گرج چمک، سیلاب، زلزلہ اور دوسرے قدرتی مظاہر دیکھتے ہی اس نے اپنے معبود بنا لئے۔ گرمی، سردی، دھوپ، موجِ ہوا، نمی کے لمسیاتی تجربے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ خالق سے تعلق قائم کیا ـــــــ اس تعلق نے بڑا افساد ڈالا۔ اسی تعلق کی فلسفیانہ موشگافیوں کی مدد سے ویدانت میں اوتار (بھگوان بہ شکل انسان) اور حلولی مسلک کو فروغ دیا۔ یہی ایک خاص شکل میں اناالحق، من تو شدم تو من شدی، آپے رانجھا ہوئی اور اسی نوع کے نظریات میں ڈھل گیا۔

صبح تہذیب کے پروہت (ساحر) کے لئے ممکن نہ تھا کہ خالق جزو کل کو اکائی کی

صورت میں سمجھتا۔ زرعی تہذیب کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں ۱۴ صدی قبلِ مسیح میں فرعون آخین عطون پہلا مفکر تھا جس نے واحدانیت کا نظریہ پیش کیا (بشریات کے نامور عالم اور مصریات کے ماہر جے۔ ایچ۔ بریسٹیڈ کے نزدیک حضرت موسیٰ اسی کے دور میں گزرے ہیں اور انہوں نے آخین عطون کی موت کے بعد وحدانیت کا پرچم بلند کیا)۔ ساحر پروہت نے کائنات کو تعمیری اور تخریبی قوتوں کے حوالے سے معبودوں کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کیا۔ دینِ ساحری (دیومالا کی شکل میں) اسی ابتدائی سوچ کا خام مال اور مصالحے سے تیار ہوا۔ شاعر پروہت نے شعری صداقتیں گھڑیں اور پھر ان کی شیرازہ بندی اور تانوں بانوں سے انتہائی دلفریب افسانوی ایوان کھڑا کیا۔

اعداد و شمار کا تصور روزمرہ کی سیکولر سرگرمیوں میں پیدا ہوا۔ بعد ازاں جادو کی لپیٹ میں آیا اور اس طرح اعداد و شمار تقدس کا سمبل بن گئے۔

آج سے ہزاروں سال پہلے لوگ میَمتھ کا شکار کرتے تھے جو ہاتھی کی نوع کا جانور تھا لیکن اس سے کہیں بڑا درندہ تھا۔ ابرہہ الاشرم جس عظیم الجثہ ہاتھی پر بیٹھ کر کعبے کو ڈھانے آیا تھا اور قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کے بقول میَمتھ تھا، انہوں نے اسے محمود کے نام سے معرّب کیا ہے۔ جب ایک بہت بڑے قبیلے یا دو تین چھوٹے قبیلوں نے مل کر بڑے بڑے پتھروں اور پیڑوں کے تنوں سے لمبے لمبے بالوں والے اس خونخوار جانور کو مارا تو انہوں نے اس کے چار پاؤں، ایک سونڈ اور باقی جسم کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہوگا اور پھر الگ الگ قبیلوں کے ارکان کی گنتی بھی کی ہوگی...... یہ گنتی انہوں نے شعور کی پختگی کے بعد انگلیوں کی مدد سے کی ہوگی۔ نہ جانے اس سلسلے میں انہیں کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔۔ بہر حال اعداد و شمار کے شعور کا آغاز کچھ اسی انداز سے ہوا ہوگا۔ کچے گوشت اور پھلوں کی ڈھیریاں لگانے اور بانٹنے میں بھی گنتی کا شعور درکار ہوتا تھا۔ پھر جب قبیلے کی زندگی نے ترقی کی تو گنتی کا شعور بھی بڑھا اور اس کے بعد جب آدمی نے غار اور جنگل کو خیر باد کر کے ایگری کلچر (زرعی کلچر) اپنایا، خودرو پیڑ، پودوں کی بجائے اپنی اگائی ہوئی فصلوں پر تکیہ کیا، جنگلی جانوروں کو پالتو بنایا اور لین دین کے لئے جنس برائے جنس کا طریقہ اختیار کیا تو اعداد و شمار لامحالہ روزمرہ کا معمول بن گئے۔

زرعی تہذیب کے آنے سے دینِ ساحری کی شیرازہ بندی زیادہ سائنسی طریقے سے

کی گئی اور یہ باقاعدہ مسلک اور موثر ترحربے کی صورت اختیار کر گیا۔ جوں جوں زمین سے آدمی کا رشتہ مضبوط ہوا توں توں دینِ ساحری کی جڑیں (زمین اور دل میں) مستحکم ہوئیں۔ آدمی اور زمین میں قرب بڑھا اور وصال کی حد تک جا پہنچا۔ غار اور جنگل کی زندگی کے بعد زمین کی قدر و منزلت سواء ہوئی اور اس کے احترام و تقدس میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ دھوپ، پانی اور مٹی ۳ مسلمہ اکائیاں تھیں۔ ان ۳ اکائیوں نے مل کر توانائی کی ایک نئی تخلیقی اکائی کو جنم دیا۔ یہ کاشتکار کی سیدھی سادی اکائی تھی جسے ساحر (شاعر) نے اپنے تصرف میں لے لیا۔ درحقیقت زمین کی تخلیقی کرشمہ کاری سے شاعر کو خیال، سوچ اور قیاسات کی نئی حسین دنیا مل گئی۔ نئی دیومالا نے جنم لیا جو غار اور شکار کی زندگی کے بعد نیا ارتقائی اقدام تھا۔ نیا معاشرہ مرتب ہوا۔ نئی سرگرمیوں نے راہ پائی، فکر و عمل کے نئے زاویے پیدا ہوئے۔ شاعری کو نیا حسن، نیا روپ ملا، نئی ترتیب ملی۔

اعداد و شمار میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ واضح طور پر تقدس کا لبادہ اوڑھایا گیا۔ دینی پیرائے میں اعداد و شمار کو نئی معنویت ملی۔

زرعی تہذیب سے قبل سورج ہی سب کچھ تھا لیکن اب زمین اور گرجنے برسنے والے بادل نے آدمی کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

زمین نے آدمی کی ماں اور پالن ہاری کا روپ دھار لیا۔ زمین کی کوکھ سے اناج اور پھل پھول اگتے، مرنے کے بعد زمین آدمی کو اپنی گود میں چھپا لیتی۔ انہی اوصاف اور احسانات کی وجہ سے آدمی زمین کو پوجنے لگا۔ معبود کوئی ہو... خدا ہو یا بت، آدمی میں بہر حال عبودیت کا جذبہ داخلِ فطرت ہے۔ اس طرح دھرتی دیوی کو ہر اس ملک کی دیومالا میں پہلا درجہ ملا جس کا دارومدار کاشتکاری پر تھا۔ وادی نیل، دوآبہ فرات و دجلہ (میسوپوٹیمیا) اور وادی سندھ میں یہی صورت پیدا ہوئی۔

دھرتی دیوی سے اکائی اور دُوج (دُوئی یا ثنویت) کا تصور ابھرا اور مقدس ہو گیا۔ دینِ ساحری کے یہ دو قدیم ترین مقدس ہندسے تھے۔ اسی دور میں رقص اور شاعری نے عروج پایا...... چونکہ رقص اور شاعری نے جڑواں بچوں کی طرح جنم لیا اور ریت کے شعبے میں گھل مل کر رہے، اس لئے سائنسی اور حسابی لحاظ سے سُر تال اور لے کے ذریعے زیادہ صحت سے ہندسوں کی اکائیاں ذہائیاں معرضِ وجود میں آئیں۔ ڈھول کی گت اور رقاصہ کے پاؤں کی ضربوں اور شعر کے

پیانوں میں کامل آہنگی ہوتی۔ یاد رہے کہ رقاصہ کا پاؤں اور شعر کا پیانہ ''فٹ'' ہی کہلاتے ہیں۔ اسی اثناء میں موسیقی نے بھی جنم لیا اور ان تینوں فنون لطیفہ سے ریت کو ترتیب اور جلا ملی۔ تینوں ہی ریت (دینِ ساحری کے دور کی عبادت) کے اجزائے ترکیبی تھے۔

ایک اور دو کے ہندسے زرعی ضمنیات میں اہم ترین اور اساسی مقام رکھتے ہیں...... اور دھرتی دیوی کی بدولت مقدس ہیں۔ بشریات وسحریات کے باوا آدم سر جیمز فریزر نے یونان کی دھرتی دیوی دیمی تر کے حوالے سے ان ابتدائی اساسی ہندسوں کی وضاحت کی ہے۔

اسی دیوی (دِیمی تر) نے یونان میں سِرّیت اور پراسرار سحری رُسوم کو جنم دیا۔ یہ دیوی قدیم شام کی عیسطارطی (افرودائتی)، فریجیا کی سائیبلی اور مصر کی آئی سِس کے مماثل تھی۔ دِیمی تر زمین کی عام دیوی نہیں بلکہ خاص دیوی تھی اور صرف زرعی تہذیب کے ترقی یافتہ عہد کی نہایت شائستہ اور مہذب دیوی تھی۔

دِیمی تر اور اس کے مماثل دوسری دیویاں زرخیزی اور ہریالی کی انسانی شکلیں تھیں۔ دھرتی دیوی ''جی آ'' جس سے جیوگرانی، جیوفزکس، جیومیٹری اور زمین سے تعلق رکھنے والے دیگر علوم کو نام ملے، دیمی تر سے زیادہ پرانی ہے۔ یونانی ریاست اے تیکا کے شہر اَیلیوسس میں دیمی تر کی انتہائی مخفی رُسوم ڈرامائی انداز میں ادا کی جاتی تھیں۔ آج تک علمائے بشریات ہزار کوشش کے باوصف ان مخفی رُسوم کی تفصیلات سے محروم ہیں۔ یونانی پروہتوں نے ہند کے وید منتروں کے رکھوالے برہموں سے کہیں زیادہ ان رُسوم کی حفاظت کی اور ان کا راز فاش نہ ہونے دیا۔ اس راز کو فاش کرنے کی سزا موت تھی۔ دراصل ان کا راز فاش کر کے پروہت ان کی سحری تاثیر اور اہمیت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دیمی تر دیوی کی پوجا کا مرکز ـــــــ ایلوسس بذاتہٖ چھوٹی سی خودمختار ریاست تھی (جیسے آج کل اطالیہ میں پوپ نگر ـــــ ویٹیکن ہے)۔ اَیلیوسس میں اناج (جو) اگتا تھا۔ دوسری جانب علم وفضل کی سرزمین میں سُقراط، افلاطون، اَیسکی لس، یُوری پیدیز اور سَوفوکلیز ایسے ہنر مندوں کا گہوارہ ـــــ اَیتھنز (اَیتھنی دیوی کا شہر) تھا جس کے میدان زیتون کے پیڑوں سے ڈھکے رہتے تھے۔ دیوی کے تہوار پر جلوس نکالے جاتے، گیت گائے جاتے۔ دیوی دیمی تر

درحقیقت حیوانی ونباتاتی زندگی اور تخلیقی عمل کی علامت نیز موسمی تبدیلیوں کی اشاراتی چھڑی تھی۔

دیومالا کی کہانی کے مطابق دیمی تر کی زندگی میں جب بُری گھڑی آئی تو پاتال دیو پلوطو (جو ہیدیز بھی کہلاتا تھا) اپنے سنہری رتھ میں سوار سطحِ زمین پر نمودار ہوا اور دِیمی تر کی کنواری بیٹی ــــــ پرسیف اونی کو اٹھا کر اپنے ساتھ زمین تلے لے گیا۔

یہاں بر سبیل یہ بتا دیا جائے کہ پرانے زمانے کے لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اپنے خدا ہی وضع نہیں کیے، انہیں اپنی شکلیں ہی نہیں دیں بلکہ اپنے بھلے برے اَوصاف بھی دیئے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے تراشے ہوئے خدا انہی کی طرح اغواء اور آبروریزی کی وارداتیں کرتے پھرتے اور برے بھی نہ بنتے۔ ان خداؤں کا نظامِ اخلاق اور نظامِ زندگی ان کے پجاریوں کے نظامِ اخلاق اور نظامِ زندگی سے مختلف نہ تھا چنانچہ جب سُقراط نے ان بدکار خداؤں کا محاسبہ کیا اور انہیں برا بھلا کہا تو بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا، جس نے یونان میں چوتھی ــــــ پانچویں صدی قبلِ مسیح میں اخلاقی اور فلسفیانہ انقلاب برپا کیا۔ اس کے ساتھ دیومالا کا دور تمام ہوا اور یونان میں فلسفے کے دور کا آغاز ہوا۔

سنہری بالوں والی دھرتی دیوی دیمی تر اپنی بیٹی کی گمشدگی پر غمزدہ بھی ہوئی اور برافروختہ بھی۔ ماتمی لباس پہن کر وہ اسے بحر و بر میں ڈھونڈنے نکلی۔ دیوی کا یارانہ سورج دیوتا سے بھی تھا اور پاتال دیو سے بھی، چنانچہ ربّ الشمس اپالو نے اسے پرسیف اونی کے اغواء کا حال بتا دیا۔ یہ جان کر دیمی تر نے سرزمینِ اَیلیوسس میں ڈیرہ جمایا جہاں اناج (جو) اگتا تھا۔ وہ "کنواری کے کنویں" کے پاس زیتون کے پیڑ تلے بیٹھ گئی۔ شاہ اَیلیوسس کی بیٹیاں برنجی گھڑے لئے "کنواری کے کنویں" پر پانی بھرنے آئیں تو وہ دیمی تر کو خاطر میں نہ لائیں جو اپنی پیاری بیٹی کی موت پر غمگسار تھی اور بڑھیا کا بھیس بدلے ہوئے تھی۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک اسے پرسیف اونی نہیں ملتی وہ اناج کے دانے زمین تلے چھپائے رہے گی اور اسے اُگنے نہ دے گی۔ یہی نہیں بلکہ وہ اُلمپس پر خداؤں کی قابلِ رشک اور بے نظیر بستی کا رخ بھی نہیں کرے گی۔

دیوتا اس کی بے اعتنائی سے سخت پریشان ہوئے۔

کسان بیلوں کو لئے کھیتوں میں ہل چلاتے رہے اور جو کے دانے بکھیرتے رہے

لیکن دھوپ سے جلی بھُنی زمین کی کوکھ سے کچھ نہ اگتا۔

دیوتا ان قربانیوں سے محروم ہو گئے جو زرعی میلوں پر دی جاتی تھیں۔ آخر بڑے دیوتا (ربّ برشگال...... میگھ دیوتا زیوس) نے اس بھیانک صورتحال پر توجہ دی جس سے قحط کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس نے آقائے رفتگاں پلوطو کو حکم دیا کہ پرسیف اونی کو رہا کر دے۔ پلوطو نے سرِ تسلیم خم کیا اور پرسیف اونی کو رہا کر دیا۔ اس کے آتے ہی اناج پھوٹ پڑا۔ پودے زمین سے باہر نکل آئے اور مردہ کھیتوں میں جان پڑ گئی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پروہت نے کس طرح قحط سالی، خشک سالی، زمینی تخلیقی عمل کو داستان میں ڈھال دیا۔ دیومالا ایسی ہی داستانوں کا مجموعہ ہے۔

ماں بیٹی ـــــ دھرتی دیوی دیمی تر اور کنواری پرسیف اونی کا یہ قصہ دراصل ایک اور دو یا ایک میں دو اور دو میں ایک کا گورکھ دھندا ہے۔ وہی ماں ہے، وہی بیٹی ہے ـــــ ایک ہی کے دو روپ ہیں۔

ان ہندسوں ہی میں زرعی سائنس کی حقیقتیں ملیں گی جنہیں ساحر پروہت نے دیومالا کی زبان میں بیان کیا۔ ہل سے زمین میں نالیاں بنانا، ان میں بیج گاڑنا، کھیت کو پانی دینا، بیج کا ایک معینہ مدت تک مٹی تلے پراسرار طریقے سے پڑے رہنا اور جڑ پکڑنا، پھر ایک صبح نمودار ہونا، پروان چڑھنا اور پک کر تیار ہونا، فصل کا کٹنا اور پھر کئی مہینوں تک زمین کا افسردہ اور برباد رہنا ـــــ یہ سب کچھ صبحِ تہذیب کے انسان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ حیران و پریشان تھا۔ حیرانی اور پریشانی کے روگ سے چھٹکارا پانے کیلئے اسے شاعرانہ پیرائے میں سمجھا اور سمجھایا اور نہ صرف انسان بلکہ زمین کے تخلیقی عمل کو دیومالا بنا دیا۔

ایلیوسس کی شہزادیاں ہرے بھرے کھیت دیکھ کر خوش ہوئیں، انہوں نے دیوی کیلئے معبد بنایا اور دیوداسیاں بن کر اسے پوجنے لگیں۔

یوں ۲۰ کا ہندسہ زرعی تہذیب میں زرخیزی و شادابی اور زندگی کی علامت بن گیا۔ سال ۲ حصوں میں بٹ گیا ـــــ پرسیف اونی زمین پر ماں کے ساتھ ۲/۳ حصہ گزارتی اور ایک تہائی زمین تلے (جب بیج مٹی میں جا چھپتا) پاتال دیو پلوطو کے ساتھ گزارتی۔ ان ۲ حصوں

میں ۱/۳ اور ۲/۳ کا تصور موجود ہے۔ اس لحاظ سے ایک، ۲ اور ۳ معنی خیز ہیں۔

۲ دیویوں کا نظریہ زرعی تہذیب کی پیداوار ہے اور اناج (دانۂ گندم یا دانۂ جو) کہ انسانی شکل میں متصوّر کیا گیا ہے، یہ بے شوہر کی ماں اور بیٹی کا تصور ہے، ماضی اور حال کا تصور ہے۔ ماں بیٹی کو جنم دیتی ہے، بیٹی ماں کی جگہ لے لیتی ہے اور وقت کے دھارے پر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اس ماضی اور حال کے بعد مستقبل بھی ہے لیکن حقیقت صرف حال ہے۔ مستقبل حال میں منتقل ہو جاتا ہے۔ حال سے گزر کر ماضی بن جاتا ہے۔ حال بہر حال برقرار رہتا ہے۔ ایک ہی اکائی وقت کے سانچے میں ڈھل کر ۳ روپ اختیار کر لیتی ہے۔ ''دیوی (بیٹی) ۳ اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۶ ماہ زمین تلے مردوں کے ساتھ گزارتی ہے، اس دوران میں جو کا بیج مٹی میں چھپا رہتا ہے۔ جب وہ واپس آتی ہے تو بیج پھوٹتا ہے۔ یہ دیوی سرسبزی اور ہریالی کی صنمیاتی شکل کے سواء کچھ نہیں جو موسم بہار میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔

صنمیاتی دور کے بوجھ بجھکڑوں نے ایک اور ۲ کا فرق یوں بیان کیا کہ بقول فریزر پچھلے سال کے اناج کو ماں اور نئے سال کے اناج کو بیٹی کر دیا۔ بھرے دانوں میں کنوار پن کی شادابی تھی۔ پرانے دانوں میں ماں کا باسی پن تھا۔ عملی شکل یہ تھی کہ پچھلی فصل کے دانے بیج کے طور پر بوئے جاتے جن سے نئے دانے پیدا ہوتے۔ زمین کو ماں کہنے والے (دھرتی پجاری) اس فطری تخلیقی عمل کو حیوانی جنسی عمل ہی کے مماثل قرار دیتے۔ اسی طرح زندگی گردش میں سالِ رواں کی پرسیفونی ـــــ دوشیزہ (نئی فصل) اگلے سال ماں ـــــ دیمی تر (بیج) بن جاتی۔

اگر ان صنمیاتی گرہوں کو کھولیں اور انہیں جسمانی سطح پر پرکھیں تو واضح ہو گا کہ ان میں زندگی کے عروج و زوال کی کہانی ہی بیان کی گئی ہے۔ جسمانی سطح پر زندگی عروج و زوال کے ۲ حصوں پر مشتمل ہے: ایک تخلیقی اور دوسرا غیر تخلیقی اور رب العزت نے زندگی کو یہی انداز بخشا ہے ـــــ دیومالا کے تصورات ہزاروں سال پرانے ہیں۔ چھ سات ہزار سال قبل تک ہمیں ان کے آثار ملتے ہیں۔ ان تصوّرات کو رو سے ایک ہی سال میں نمود، پیدائش کا عمل اور موت کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچتا۔ یونانی تقویم کا آغاز خزاں (ستمبر) سے ہوتا اور موسمِ بہار سے گزرنے کے بعد خزاں پر جا کر سال تمام ہو جاتا۔

کے دھرتی دیولا فانی تھے یا یوں کہیئے کہ فصل کٹنے کے بعد یہ دیوی دیوتا مرجاتے تو حیوانی زندگی برقرار رکھنے، نباتات ــــ ہر قسم کی ہریالی، شادابی اور زرخیزی کو واپس لانے کیلئے انہیں دوبارہ زندہ کرنا ضروری تھا۔ بہار کے بعد ان کے مرنے ہی سے خزاں آتی، حیوانی زندگی کی تازگی ماند پڑجاتی اور ہریالی نہ رہتی۔ اسی لئے ان دیوی دیوتا کے لئے انسانی قربانی دی جاتی۔ غلام اور دوشیزائیں قربان کی جاتیں، حیوانی قربانی بعد کی چیز ہے۔ مصر، میسوپوٹیمیا (دوآبے)، یونان اور ہر کہیں قربانی کے خون سے دیوتا کو مرنے کے بعد دوبارہ جلایا جاتا۔

اس ساری گفتگو کو ۲ کے ہندسے تک محدود رکھنے کا سبب یہ ہے کہ زرعی تہذیب کا ابتدائی دور میں تریاراج بروئے کار آیا تو جنسی عمل میں آدمی کے کردار کا ادراک نہ کیا جاسکا۔

بشریات بالخصوص یونان کے عہد جاہلیت کی محققہ ـــــ مس جین ایلین ہیری سن کا یہ بیان اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے ـــــ

> ''دورِ حاضرہ کے شعور مندوں کو یہ جان کو تعجب ہوتا ہے کہ دورِ ساحری میں کھیتی باڑی کا بیشتر کام عورتیں کرتی تھیں، وہی دیویوں کی شکل میں جلوہ گر ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں جب مرد شکار اور لڑائی بھڑائی سے وابستہ رہتا تھا تو قدرتی طور پر کھیتی باڑی اور متعلقہ ریتیں عورتوں کو سونپی جاتیں۔ مزید برآں معاشرتی ضرورت میں ایسے وہم کو شامل کیا گیا جس کی جڑیں بڑی گہری تھیں۔ آج بھی اوائلی عہد کی طرزِ زندگی رکھنے والا مرد کھیتی باڑی میں دخل دینے سے باز رہتا ہے۔ سحری لحاظ سے وہ زرعی شعبے کی کامیابی کا سہرا عورت کے سر باندھتا اور اس کی تولیدی ہنرمندی کو اس کا موجب قرار دیتا ہے۔ جب عورتیں مکا (مکئی) بوتیں تو اس کا تنا دو دو تین بالیں لاتا۔ یہ کیوں؟ یوں کہ عورتیں بچے پیدا کرنا جانتیں۔ وہ اس کام کو مردوں سے بہتر جانتیں اور کرتیں۔''

۲ کا ہندسہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے ـــــ خزاں میں کاشت کاری

(بیج بونے) سے بہار (اپریل، مئی) میں فصل کاٹنے تک پھیلا تھا اور قدیم تر (زرعی دنیا کے عہدِ جاہلیت) میں عورت سے عورت تک محدود تھا۔ دھرتی دیو بعد کی چیز ہے۔ جب مرد کے تخلیقی کردار کا شعور پیدا ہوا، مرد نے ہل کی ہتھی تھامی، کھیتی باڑی میں اس کی کامیابی عیاں ہوئی اور اپنی قوت کا لوہا منوایا، تریا راج کا طلسم توڑ کر برسرِ اقتدار آیا تو دھرتی دیو معرضِ وجود میں آیا۔ ۲ میں ایک اور شامل ہوا، یوں ۳ کا ہندسہ ابھرا۔

۳ کے اس انقلاب نے مرد کو نیا تشخص بخشا، عورت کا زیردستی نہ رہا اور اس نے اس نظریے کا بطلان کیا کہ صرف عورت اپنے جنسی تخلیقی وصف کے باعث کھیتی باڑی کرنے کی اہل ہے اور اسی کے دم قدم سے بزمِ ہستی کی رونقیں قائم ہیں ــــــ وہ کھیت میں پاؤں نہ دھرے اور ہل نہ چلائے تو فصل ہی نہ اُگے۔ مرد کو اچانک تجربہ ہوا کہ وہ بھی فصل اگا سکتا ہے تو وہ شیر ہوا اور اس نے زندگی کے اُمور و معاملات کی باگ ڈور عورت سے لے کر خود سنبھال لی۔ مادری نظام کو رخصت کیا اور پدری نظام کو رواج دیا۔

۳ کا ہندسہ دراصل زرعی تہذیب میں انقلاب کی نشاندہی کرتا ہے ــــــ مادری نظام (تریا راج) پر پدری نظام کا غلبہ پانا ایک انقلابی اقدام تھا۔ معاشرے نے زنانہ کینچلی اتار کر مردانہ پہن لی۔ قبیلے کی قیادت، املاک و اموال کی ملکیت اولاد کی نسبت اور شناخت میں مرد کا عمل دخل ہو گیا۔ اب باپ کے مرنے پر اس کی بیویاں بیٹے کے تصرف میں آتیں۔ عورتوں کا اثر و رسوخ پہلا سا نہ رہا۔ سرگرمیوں کا رخ بدل گیا۔ شو اور پاربتی کے مندروں، افرودائتی اور عشطار (سامیوں کی دیوی) کے معبدوں، کہانت گاہوں (جن میں عربوں کے عہدِ جاہلیت کی کہانت گاہیں شامل ہیں) اور لنگم پوجا ــــــ اور دیوداسیوں کے روپ میں عورتوں کا عمل دخل تو رہا لیکن مرد نے ہر کہیں اپنی خواہش اور جذبۂ برتری کی تسکین کا اہتمام کیا۔ اس نے سیاہ و سفید بن کر عورت کو اپنی آرزوؤں کی قربان گاہ اپنی پراسرار اندرونی تپش کی جوالا مکھی کے سپرد کیا۔

مادری نظام MATRIARCHY میں عورت نہایت پروقار اور مقدس مقام رکھتی تھی۔ آج کا قاری اس مقام کا صحیح تصور نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تعلق اس سحری دور اور سحریاتی ماحول سے تھا جو اب معدوم ہے۔ یہ مقام عاشقِ صادق اور شفیق ماں کے درمیان تھا۔ ماں / عورت اپنے

آدمی کی محافظ بھی تھی، چاہنے والی بھی تھی ۔ وہ اسے مہم جوئی پر تیار اور مامور بھی کرتی، وہ خود بھی لڑتی ۔ یونان کی ریاست سپارتا کی ایمیزن (لڑاکا خواتین) نے بڑا نام پیدا کیا۔ عورت سرپرست تھی ۔ اس کی ذات باعثِ برکت تھی ۔ جیسن، ہیراکلیز وغیرہ ایسے زعیم مادری نظام کی عورتوں (دیویوں) کی سرپرستی اور معاونت سے فائدہ اٹھا کر حیرت خیز کارنامے سرانجام دے سکے (مس ہیری سن کی تالیف ''پرولیگومینا'' ص ۲۷۳)

دھرتی دیوی اور دھرتی دیو کے ساتھ اناج کی روح CORN-SPIRIT کا تصور بھی عیاں ہوا جسے اناج سے ماوراء ایک بیرونی قوت مانا گیا۔ فریزر کے نزدیک روحیں ہی کائنات میں جان ڈالتیں ۔ روح پرستی ANIMISM دیوی دیوتاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے بھی دنیا میں مروّج تھی ۔ نظریہ یہ تھا کہ کائنات نیک اور بدارواح سے بھرپور ہے۔ دیوی دیوتا تو اس وقت پیدا ہوئے جب زعیموں (ہیروز) نے غیر معمولی کاموں اور فتوحات سے اپنا سکہ جمایا۔ یہی زعیم مرنے کے بعد دیوی دیوتا بن گئے ۔ فرعون اوسائی رس جس نے دنیا میں پہلی بار خودرو گندم کی بجائے اپنے ہاتھ سے کھیتوں میں گندم اگائی، اپنی حیرت خیز ایجاد اور کاوش کی وجہ سے دیوتا بن گیا۔

۳ کے ہندسے کے عمل دخل سے مردوں اور عورتوں کے درمیان نئے سرے سے امور و فرائض کی تقسیم ہوئی ۔ اس بٹوارے سے دیوی کو زنانہ اوصاف اور دیوتا کو مردانہ اوصاف دیئے گئے ۔ دیوتا کو پہلی حیثیت اور دیوی کو دوسری حیثیت ملی ۔

عورت اقتدار سے محروم تو ہوئی لیکن اس کے اختیار کی صورتیں مٹ نہ سکیں ۔ وہ گاڑی کا مضبوط پہیہ بنی رہی ۔

۳ کا ہندسہ نئی تہذیبی علامت بن گیا۔ دیمی تر (دھرتی دیوی) نے بڑے دیوتا زیوس سے بیاہ رچایا اور ان کے یہاں پرسیفونی پیدا ہوئی ۔ اس تثلیث نے دیومالا کو نیا رنگ دیا۔ دھرتی دھرم کے ساتھ دینِ شمسی اور فلکی صنمیات کا چلن ہوا۔ ارضی خدا اپنی جگہ پر تو رہا لیکن ان کی اجارہ داری ٹوٹ گئی، فلکی خدا بھی آن ٹپکے ۔ انہوں نے فاتحین کی قوت سے اپنے لئے جگہ بنائی اور بہت اونچی بنائی ۔ یہ اُلمپس پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے اور انہوں نے اپنے لئے دلآویز ایوان بنائے جن کے چمکتے دمکتے در و دیوار پر دکھائی نہ دینے والے پردے تنے رہے اور دنیا بھر کو روشنی سے زیر

کرنے والے سورج کے ساتھ ساتھ دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے بناتے رہے۔ چونکہ زمین پرست کھیتی باڑی کے باعث ایک جگہ پر قیام کرتے، اپنی زمینیں نہ چھوڑتے، اپنے کھیتوں کی مٹی سے چپٹے رہتے اس لئے وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ ہند کے باشندے دراوڑ اور یونان کے زمین پرست پیلازجی اسی سبب سے بیرونی حملہ آوروں (شمس پرست آریاؤں اور آکیاؤں) کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ صرف مصر وہ خطہ ارض تھا جہاں لوگ بیک وقت زمین پرست اور شمس پرست تھے۔ یہ خود ہی اپنے ملک پر حکمران رہا۔ تھوڑا سا زمانہ ضرور آیا جب بیرون ملک سے ''ہِک سوس'' (گڈریا حکمران) آئے اور بنی اسرائیل کو ساتھ لائے۔

''اولمپس پہاڑ ۳x۴ (۱۲) دیوتاؤں کا مسکن بن گیا۔ یہ اکائی کے روپ ہیں اسی سے ثنویت اور تثلیث نے راہ پائی۔

۳ کا ہندسہ رائج ہوا تو دیو مالا میں نئی ترتیب در آئی۔ انتقام کی دیویاں (ایری ای نیز) جو ایک خاص واقعے کے بعد رحم و کرم کی دیویاں بنائی گئیں، ۳ تھیں۔ یہ کالی، چنڈی اور دُرگا سے مختلف تھیں۔ مشرکین یثرب کی خونی دیوی ـــــــ منات کے بھی مماثل نہ تھیں۔ ان دیویوں کی عبادت گاہ میں ان کی جو مورتیاں رکھی گئی وہ کسی طور ڈراؤنی نہ تھیں، انہیں پریوں کی طرح پر لگے تھے۔ یہ عبادت گاہ ایتھنز میں اس عدالت (ایری او پاگس) کی بغل میں واقع تھی جہاں مشہور تاریخی اور رزمیہ شاعری کی شخصیت اور اپنے عہد کی حسین ترین عورت ـــــــ ہیلن کی بہن کلائی تیم نیسترا کے قاتل بیٹے کے خلاف مقدمہ چلا تھا۔ اسے سزا نہ دی گئی جس کا سبب زمین پرستی اور فلک پرستی کا باہمی تنازعہ تھا۔ ہیلن اور کلائی تیم نیسترا دونوں بہنیں زمین پرستوں کے معزز خاندان سے تھیں۔ انہیں حملہ آور اور فاتح فلک پرستوں نے جبراً اپنے گھروں میں ڈال لیا۔ ہیلن اپنے زمین پرست منگیتر پیرس کے ساتھ بھاگ گئی۔ پیرس جزیرہ طروئے (ایلی اون) کا شہزادہ تھا۔ طروئے فلک پرستوں کا مخالف، زمین پرستوں کا دیس تھا۔ درحقیقت یونان اور طروئے کی جنگ اس مذہبی اختلاف کے باعث ہوئی۔ یہ زمین اور آسمان کے مابین لڑی گئی۔ ہیلن بہانہ بن گئی۔ اس کی بہن کلائی تیم نیسترا نے اپنے فلک پرست شوہر کو بیٹی کی قربانی دینے پر قتل کیا۔ کلائی تیم نیسترا کو اس کے بیٹے نے قتل کیا۔ یہ قتل دھرتی دیوی کا تھا۔ فلک پرستوں نے اسے

اہمیت نہ دی اور قاتل کو معاف کر دیا۔ انتقام کی دیویاں (جو دھرتی دیویاں تھیں) بہت سٹپٹائیں تو انہیں رحم و کرم کی دیویاں بنا دیا گیا۔ دونوں حالتوں میں تعداد ۳ ہی رہی۔

ہومر جو فلک پرست فاتحین کا شاعر تھا قدیم باشندوں ـــــ پیلازجیوں[1] کی تہذیب اور زمین پرستی کے مسلک کا بیری تھا۔ اس نے ہیلن کو خوب بدنام کیا کیونکہ وہ دھرتی دیوی تھی۔ ہومر دھرتی دھرم کو مٹا کر فلک پرستی کو ترقی اور زرعی تہذیب (زمین پرستی) کی بجائے شمسی تہذیب کو برتر جگہ دینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں یونان اور طروئے کی وہ ہستیاں اس کی عصبیت کا شکار ہوئیں جو دھرتی دھرم سے نسبت رکھتی تھیں۔

یونان میں ۲ کا ہندسہ جو دیمی ترا اور پرسیفونی سے تعلق رکھتا تھا دھرتی دھرم کی علامت تھا۔ رفتہ رفتہ ماند پڑ گیا۔ ہومر اور اس کے معاصرین کی کاوش سے پرانی علامتیں مٹنے لگیں لیکن دھرتی دھرم جس کی جڑیں بے حد گہری تھیں، مٹائے نہ مٹیں البتہ دھرتی دیویاں اقتدار سے محروم ہوئیں فلکی دیوتا کئی دھرتی دیویوں ـــــ ہیرا، اتھنی، افرودائتی کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے اور وہ المپس کے ایوانوں میں رہنے لگیں جہاں ان کی رسوائی کا سامان کیا گیا۔ سنہری سیب کا افسانہ خاص طور پر مشہور ہے۔

●

---

1. قدیم یونانی باشندے پیلازجی زمین پرست انسانوں اور حیوانوں کو ان خداؤں کے نام پر قربان کرتے جنہیں ان کے ذہن مگر گمراہ پروہتوں نے گھڑا تھا۔ یہ خدا بے نام تھے اور سب کے لیے ایک ہی یونانی نام THCOI یعنی کارساز تھا۔ یہی کاج سنوارتے اور شیرازہ بندی کرتے۔ مدتوں کے بعد مصر سے ان کے نام درآمد کئے گئے۔ ان ناموں کی آمد پر دودونا کی قدیم کہانت گاہ سے رجوع کیا گیا۔ کاہنہ نے انہیں بدیسی نام استعمال کرنے کی اجازت دی اس سے کاہنہ کی فراخدلی اور روشن خیالی عیاں ہے۔
اب پیلازجیوں نے قربانی کی ریت ادا کرتے وقت دیوتاؤں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔ بعد ازاں یونانی شاعروں ہی سیود اور ہومر نے خداؤں کی پیدائش کا حال سنایا اور ان کا شجرہ نسب مرتب کیا۔ ان کے منصب، امور و فرائض اور اختیارات متعین کئے۔ انہی نے مصری علم و فن کی روشنی میں اپنے اہل وطن کی دینی ضرورت پوری کرنے کے لئے دیومالا تراشی۔ ہیرودوطس، ہسٹریز ۱۲۳، ۱۲۴۔

جادوگری کے شعبے

⌘

جادوزدہ اور جادو پرست اقوام وقبائل کے شاعروں (پروہتوں) نے سائنسی معلومات کی کمی یا فقدان، اسباب وعلل اور نتائج کے منطقی تعلق کی لاعلمی اور ناکافی تجربے کے باعث تجسّس پسند طبع انسانی کو مطمئن کرنے کے لئے اور ازل سے ابد تک پھیلے ہوئے استفہام کا جواب دینے کی غرض سے جو سعی کی اپج دکھائی اور تخلیقی صلاحیتوں سے کام لے کر جس جادونگری کو آباد کیا وہ خیروشر کا اکھاڑا بن گئی۔ پھر اس اکھاڑے میں غلامی کی ایسی رسم پڑی کہ ہزاروں سال کے بعد جا کر ختم ہوئی۔ لاکھوں انسان ایک فرعون کو ہمیشہ کی زندگی دلانے کیلئے اس کے مقبرے کو تیار کرنے والے مصالحے میں مرکھپ گئے۔ صاف ستھرا ماحول برباد ہوا۔ شر کی طاقتیں کھُل کھیلنے لگیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات اصولِ فطرت کے مطابق سیدھے سادھے نہ رہ سکے۔ جادوگر پروہت کی نیت میں فتور آیا۔ وہ لنگم پوجا جو دھرتی دھرم (زمین پرستی ورسومِ زرخیزی) کے تحت انسان کی تخلیقی قوت بیدار کرنے کیلئے رائج کی گئی تھی، ہند میں آکر جنسی بے راہروی، عیاشی اور بدکاری میں تبدیل ہوگئی۔ سلطان محمود غزنوی نے سومنات کے شِو مندر میں بقول ـــــــ (مولّف فیلک ورشپ) جو انتہائی کریہہ، بدوضع اور بہت ہی بڑا لٹھ دیکھا وہ یقیناً کوئی بت نہ تھا۔ اس بھونڈے اور بیہودہ پیکر (لنگم) میں کوئی فنی خوبی کوئی حسن نہ تھا۔ محمود غزنوی جیسے عظیم مہذب انسان، صاحبِ ذوق، علم دوست اور تہذیب کے مربّی اعظم کا جمالیاتی ذوق اس بری طرح مجروح ہوا کہ اس نے اسے توڑ دیا۔ اس کے دور میں اس قسم کے واہیات اور ہر نفاست پسند کی طبع پر گراں

گزرنے والے پیکر ہند کے طول وعرض میں درجن بھر تھے۔ یہ معبد داسیوں سے بھرے رہتے اور خواتین بہ تعدادِ کثیر یہاں آتیں۔ ان کے تہہ خانے جہاں شِو دیوتا کے اوتار (پروہت) وارد ہوتے، سادہ لوح خواتین کی آبروریزی کے مرکز بن گئے۔

پانچ ہزار سال تک وڈیرہ شاہی اور ملوکیت نے اس جادوگری کو نہایت آب و تاب اور گلیمر کے ساتھ برقرار رکھا لیکن پھر سیاسی نظام کے انسانیت سوز معاشرتی کردار، بدوضع رویوں اور ان کے ساتھ جادوگر کی خوفناک قوت، اس کی خونخوار اجارہ داری اور سحری رسوم میں جذبات کے عدم توازن، شرانگیزیوں اور جنسی تباہ کاریوں نے اس کا پڑا کردیا ـــــ اسلام نئی توانائی، صحیح فکروعمل، فطری سادگی، بلند خیالی، بلند کرداری اور ان کے ساتھ اُخوت و مساوات کے ذریعے معاشرے میں انسانوں کی شیرازہ بندی کا نیا ہنرلایا تو پچاس صدیوں کی پرانی غلاظتیں دور ہوگئیں۔

بشریات کے طالب علم کے ذہن میں بارہا یہ سوال ابھرتا ہے ـــــ جب دینِ ساحری غلط سوچ کا نتیجہ تھا، غلط کاریوں کا مسلک تھا پھر یہ کیوں کہ اتنی مدت تک دنیا میں رواں دواں رہا؟ اس کا جواب چنداں مشکل نہیں۔ جیٹ طیاروں اور ستاروں پر کمندیں پھینکنے والے فلک شگاف خلائی جہازوں کی پرواز کے اس دور کے انسان قدیم عہد کے انسان کی رفتارِکار، رفتارِفکر اور فکر کی محدود رسائی کا اندازہ کرنے میں غلطی کھاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان جناتی لوگوں نے ہرمِ اکبر جیسی عظیم الشان اور عجیب وغریب تعمیر دس سال کی انتہائی قلیل مدت میں ہاتھوں کی مدد سے مکمل کی اور آج کے برقی میکانکی دور کے انجینئر اور سائنس دان جدید ترین آلات اور تکنیک کی مدد سے اسے دس گنا مدت میں بھی تیار نہیں کرسکتے لیکن ماضی کی بڑی بڑی تہذیبیں بہرحال ہمارے مقابل انتہائی سست رو تھیں اور انہیں بدلنے کیلئے جس فکروعمل کے اثاثے کی ضرورت تھی وہ کم وبیش اتنی ہی مدت میں جمع ہوا۔ جادو کا آخری تہذیبی گڑھ جہاں مصر کے پروہتوں کی دانش کے خزانے صرف ہوئے، یونان تھا۔ یہاں پانچویں صدی قبلِ مسیح میں سقراط کی آمد سے ربُّ البرق والرعد "زیوس" کی دیومالا کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوا۔ اس کے بعد اس کی معنوی اولادوں، افلاطون وارسطو اور دوسرے مفکروں نے فلسفے کے تیشے سے اس کی جڑیں کاٹیں۔ پھر جب ساتویں صدی کے نصف اوّل میں تہذیب کے افق پر اسلام طلوع

ہوا تو فلکی دیو مالا اور ارض پرستی کے تمام باقیات پامال ہوئے، جادوگری کھنڈر ہوئی۔ کعبے کی تطہیر کے بعد جہاں جہاں مسلمان پہنچے انہوں نے بت کدے کی تطہیر کا کام اپنے ذمے لیا۔ ساتویں صدی عیسوی تک کی داستان فکری و علمی کج روی کے خلاف جہاد کی ناقابلِ فراموش تاریخ ہے۔ آخری جہاد حضرت احمد سرہندی مجدّد الف ثانی نے دینِ اکبر کے خلاف کیا اور کفر والحاد کا گڑھ ڈھایا۔ الغرض اسلام کے تعمیری و تطہیری فکر و عمل سے پرانے پیکر یکسر بدل گئے۔ علامہ اقبال نے اسلام کے چہرے سے جو گرد دور کی اور غلط تاثرات رفع کئے، وہ بھی ایک طرح سے مجدّدانہ کارنامہ ہے۔

جادوگر نے پانچ ہزار سال میں جو علمی و فنی شعبے قائم کئے وہ اپنی تہذیبی سرگرمیوں کے اعتبار سے کمال کی آخری حد تک پہنچے۔ آج ہمیں شاعری، رقص، موسیقی، افسانہ و داستان، ڈرامے، سنگتراشی، کوزہ گری، فنِ تعمیر، کیمیاء، علمِ ہندسہ، نجوم اور بعض دوسری علمی و فنی سرگرمیوں میں جو رونق دکھائی دیتی ہے وہ جادو ہی کا کارنامہ ہے۔ ابتداء میں جب چھوٹے چھوٹے قبیلے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں تو ایک ہی شخص سب کچھ کر لیتا۔ وہ ہی بیک وقت سردارِ قبیلہ، سپاہ سالار، طبیب اور جادوگر ہوتا لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ جب کام میں ترقی ہوئی، الگ الگ شعبے بنے، کاروبار بڑھا تو نظم و نسق کا دائرہ بھی پھیلا اور تقسیم کار کی رو سے پروہتی نظام کے کارکنوں، اعلیٰ و ادنی کارکنوں کو تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ ایک بڑی حکومت بڑی قوم اور بڑی ریاست پر کنٹرول کرنا سہل نہ تھا، اس کے لئے بے انتہا مستعدی، ہوشیاری اور ذہانت کی ضرورت تھی، یہ کام عملے کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔

پانچ ہزار سال میں ذیل کے تہذیبی شعبے بروئے کار آئے۔

دیو مالا یہ خدا سازی، داستان تراشی اور داستان سرائی کا شعبہ تھا۔ پروہت (شاعر) قومی زعیموں (ہیروز) کو خدا بناتے۔ انہی نے مصر کے باوا آدم فرعون اوسائی رس کو خدا بنایا اور پاتال کی دنیا اس کے حوالے کی۔ اس کی بہن (بیوی اور محبوبہ) آئی سس کو دیوی بنایا، یہ دھرتی دیوی تھی۔ اسی طرز پر یونانیوں (ہی سیود، ہومر اور دیگر شعرا) نے ہیرا، ہیلن، ایتھنی، افرودائتی (عربوں کی عشطار) کو دیوی بنایا۔ رومنوں کی وینس (زہرہ) اور ویانا (ناہید) کو بھی دھرتی دیویوں کا درجہ ملا۔ یونانیوں نے اپنے قومی ہیرو اور اولمپک کھیلوں کے بانی ہیراکلیز کو آسمان پر ہیرا دیوی کے پاس پہنچایا اور اسے عالی مقام بنایا۔

ہر فرعون کو پہلے ربُ الشمس کا اوتار اور ارضی خدا بنایا پھر مرنے کے بعد اسے آسمان پر پہنچا کر ربُ الشمس بنایا۔

مسِ جین ایلن ہیری سن کے خیال میں آدمی نے اپنی شکل وصورت پر اپنے لئے خدا تراشے، ان خداؤں کو اپنے اوصاف اپنی اچھائیاں اور برائیاں دیں۔ فطرت کی طاقتوں اور قدرت کے مظاہر کو بھی خداؤں کا روپ دیا چنانچہ یونانی دیو مالا میں پرانے اور نئے خداؤں کی دو سالہ جنگ درحقیقت فطری طاقتوں کی باہمی کشمکش تھی جس کا بنیادی مقصد پرانی پیلازجی تہذیب کو شکست دے کر نئی شمسی تہذیب کو بروئے کار لانا تھا۔

زعیموں اور خداؤں سے جو داستانیں منسوب کی جاتیں بسا اوقات وہ دوسرے غیر معروف زعیموں اور ادھر ادھر بکھری ہوئی لوک کہانیوں کی شیرازہ بندی سے تیار کی جاتیں مثلاً ہیراکلیز کے بعض کارنامے دوسروں نے سرانجام دیئے لیکن اسے قدآور بنانے کے لئے اس سے منسوب کر دیے گئے۔

یہ کام جب وقت کے ساتھ ساتھ بڑھا اور ایک آدمی کے بس کا نہ رہا تو بقول مس ہیری سن اس میں دیوداسیوں اور چھوٹے پروہتوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ضمیاتی فلسفے کی تراش خراش اور ترمیم واضافہ کا کام اسی شعبے میں ہوتا۔

کلام داستان گوئی اور داستان سرائی کے پہلو بہ پہلو ایک اور اہم کام شبدوں اور منتروں کی گھڑائی تھا۔ عملی سحر میں کلام کو منزلِ مراد تک پہنچنے کا کلیدی ذریعہ سمجھا جاتا۔ سفلی عمل ہوتا یا علوی عمل، بالشل ہوتا یا لمسی، بہرحال کلام کا استعمال ناگزیر تھا۔ ہمارے خیال میں خالص منتروں کی سب سے بڑی اور سب سے اہم کتاب مصری پروہتوں کی ''کتابِ رفتگاں'' (بک آف دی ڈیڈ) ہے جو کئی صدیوں میں جا کر تیار ہوئی۔ اس کے منتر پروہتوں نے گھڑے، وہی ان کی دھنیں باندھتے اور نغمہ سرا ہوتے۔ بڑے بڑے تہذیبی مرکزوں میں مہامہنت اور اس کے تربیت یافتہ سپوت یہ کام کرتے۔ یہ نہایت ہی مخفی علم تھا جسے کام اور مطلوبہ شخص کے درجے کے مطابق اس کے ہم پایہ پروہت ہی استعمال کرتے۔ مثلاً فرعون کا پروہت معمولی آدمیوں کیلئے نہیں تھا۔ ان کے لئے نچلے درجے کے پروہت تھے۔ معاوضہ گاہک کی مالی حیثیت کے مطابق ہوتا۔ فرعون کی عزائی

رسوم ادا کرنے، تابوت میں رکھنے کی غرض سے ''کتابِ رفتگان'' کے نسخے تیار کرنے اور اس کے منتر پڑھنے والے جو معاوضہ وصول کرتے وہ کبھی کبھی فرعون کی دولت و ثروت کو بھی شرماتے۔ یہ عالی قدر پروہت صحیح رسوم ادا کرتے، صحیح منتر پڑھتے اور فرعون کی (روح) کو ربُّ الشمس تک پہنچاتے اور اسے ربُّ الشمس بناتے۔ وہ اہرام کے تحفظ اور اس کی سلامتی کے بھی ذمہ دار ہوتے۔

کلام گوئی اصلاً نغمہ سرائی تھی اور اسی سے موسیقی اور شاعری نے جنم لیا۔ رقص پہلے سے موجود تھا۔ یہ فن اعضاء کی موزوں و متناسب اور خیال افروز حرکات کی ترتیب و ترکیب کا نام ہے اور شیلڈن چینے نے اپنی کتاب ''تھیٹر'' میں اسے امّ الفنون قرار دیا ہے۔ شاعری کا اس سے گہرا تعلق تھا۔ موصوف نے اس تعلق کی یوں مثال دی ہے کہ رقاصہ فٹ ورک سے کام لیتی اور تال کا نظام قائم کرتی ہے۔ شعر کے پیمانے کو انگریزی میں فٹ ہی کہتے ہیں۔

ہند میں موسیقی کا آغاز رگ وید سے ہوا لیکن وادی سندھ میں یہ بہت پہلے سے معمولِ حیات تھی ـــــ شعر، رقص اور موسیقی سے منتروں میں اثر انگیزی آتی۔ دیوتا کو رام کرنے اور حکماً اس سے کام لینا ممکن اور سہل ہو جاتا۔

وہنِ ساحری میں کلام کی مدد سے پروہت خداؤں کو تابع کو لیتے۔ ظاہر ہے خدا کیوں تابع نہ ہوتے؟ خود انہی نے تو انہیں گھڑا تھا۔ وہ اپنی مخلوق سے ایسا سلوک کیوں نہ کرتے۔ سورج تو پہلے سے موجود تھا لیکن ربُّ الشمس ان کا من گھڑت تھا۔ زمین موجود تھی لیکن ربُّ الارض (دھرتی دیو) ان کی دریافت یا ایجاد تھی۔

خدا سے کام لینے کیلئے جو منتر بنائے گئے ان کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے۔ ''کتابِ رفتگان'' (جلد دوم، ص ۱۹۶) سے ایک منتر کا کچھ حصہ درج ذیل ہے ـــــ

''اے مقدس خدا، اے رع! تو آپ ہی پیدا ہوا۔ تجھی سے سب کچھ پیدا ہوا۔
تیرے لئے سر تسلیم خم ہے۔''

''جہاں تک تیری دو آنکھیں دیکھتی ہیں وہاں تک تو نے افلاک برپا کئے۔''

''دیوی یوری اس نے تیرے بیریوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔
تُو حسین ہے۔''

''جب تو اپنی پر عظمت روشنی بھیجتا ہے تو پاتال کے اصحاب مسرور ہو جاتے ہیں۔
ان کی دونوں آنکھیں تیری جانب ہو جاتی ہیں۔''

''وہ جو تابوت میں پڑے ہیں تو ان کی صدا سنتا ہے۔
ان کی بے بسی دور کرتا اور ان کے آس پاس سے ان کے بیریوں کو بھگا دیتا ہے۔ تو ان کے نتھنوں میں سانس ڈالتا ہے۔''

یہاں ایک بات قابلِ توجہ ہے۔ اس سحری منتر میں ایک سائنس کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے ——— گو وہ آج کی تحقیق سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اس منتر میں سورج کو ہر شے کا خالق بتایا گیا ہے۔ مُؤحّدِ فرعون آخن عطون نے اپنے ربُّ الشمس کیلئے جو طویل حمد لکھی اس میں بھی عَطُون (سورج دیوتا) کو زندگی کا خالق قرار دیا ہے۔ خلاف ازیں قرآنی حکمت کے بموجب پانی سرچشمہ حیات ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَجَعَلنا مِنَ الماءِ کُلَّ شَئ حَیّ۔

جدید ترین تحقیق سے ثابت ہوا کہ آج سے چند ارب سال قبل جب ''یک خلیہ زندگی'' نمودار ہوئی تو اس کے بروئے کار آنے اور تابکاری کی بوچھاڑ کے بعد مزید خلیے اور بالآخر ''زوپلانکٹن'' کے حیاتی ذرّوں سے جانداروں کی پیدائش کا جو طویل عمل ——— کروڑوں سال تک ہوا اس کا محل وقوع پانی تھا۔ پانی ہی میں حیاتیاتی ملغوبہ تیار ہوا تھا۔

فنِ تعمیر اور سنگ تراشی، انجینئر نگ کا یہ شعبہ ہزاروں سال قبل کے ساحروں کے فکر و عمل کی طویل جدوجہد کا حاصل ہے۔ اس نے معمولی سی خشتی قبروں اور ننھے منے مقبروں سے بڑھ پھیل کر اہرام ایسے جناتی مقبروں کی شکل اختیار کر لی جس کے معمار سلوں کی تعمیر، تراش خراش اور انہیں ایک دوسرے پر جمانے میں ایسے ماہر تھے کہ پچیس پچیس اور پینتیس پینتیس ٹن کی سلوں کے طول و عرض میں بال بھر فرق نہ ہوتا۔ یہ معمار ریاضی کے موجد بھی تھے اور فنِ تعمیر میں اس کے استعمال میں یکتا بھی تھے۔ یہی نہیں بلکہ علم آبِ رواں اور علم النجوم میں بھی یکتا تھے۔ دریائے نیل کے سیلابوں کو زراعت میں بحسن و خوبی کام میں لاتے۔

معبدوں اور بتوں کے بنانے کا کام بھی یہی لوگ کرتے۔

انہی میں مصور ہوتے اور ہائرو گلیفکس کے ماہر بھی جو فرماں رواں کے کارنامے

تصویروں میں منتقل کرتے اور ان کی عبارتیں پتھروں پر کندہ کرتے، ان کے بنائے ہوئے مجسمے، مخطوطے، الواح اور منقش ظروف علمائے بشریات کے لئے بصیرت کا سامان رکھتے ہیں۔

ریت عبادات کا یہ شعبہ جادوگردوں کی بہت بڑی ایجاد ہے۔ بعض ریتیں اتنی خفیہ اور پراسرار تھیں کہ ان کی پوری تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ اس دور میں ان کا ذکر کسی کی زبان پر نہ آتا۔ دھرتی دھرم جسے سحر بالشل کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیں گے رتیوں ہی کا مجموعہ تھا۔ تصوف (خصوصاً عجمی تصوف) اور سریت کا مبدا بھی یہی ہے۔

قربانی کی ریت، شامل قبیلہ کرنے کی ریت اور مردے کی ریت کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی۔ بعض ریتیں اجتماعی شکل میں ادا کی جاتیں۔ جلوس نکالے جاتے، عزائی گیت گائے جاتے۔

اس ریت ہی نے ہمیں رقص، موسیقی اور ڈراما دیا۔

طبِ ساحری یہ شعبہ بھی بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔ آدمی کے ساتھ ہی موت اور بیماری آزاری نے بھی سر اٹھایا۔ چوٹ بھی ضرور لگتی ہے۔ فرعون عمون رع کی لاش کے ایکسرے اور دوسرے تجربے کرنے سے کئی بیماریوں کا پتہ چلا ہے جن میں وہ مبتلا ہوا اور جو اس کے دور میں پائی جاتی تھیں۔ جادوگر طبیب نے دواؤں کے ذریعے علاج کا طریقہ تو معلوم کیا لیکن طب کا شعبہ براہ راست جادو سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر جڑی بوٹی اور ہر شے جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی اپنے اندر سحری تاخیر اور مخفی طاقت رکھتی جسے ''مانا'' کا نام دیا گیا۔ دوا کے ساتھ منتر اور گنڈے تعویز کا بھی چلن رہا۔ دنیا بھر کا علمِ طب اسی طبِ سحری کے کمالات اور تجربات سے حاصل ہوا۔ سائنسی طور پر اسے حضرت عیسیٰؑ سے چند صدی قبل یونان میں بقراط اور جالینوس ایسے جَیّد اطباء نے رائج کیا اور دہنِ ساحری سے الگ کیا۔

کہانت، کاہن اور ساحر کہانت، کاہن اور ساحر ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ کہانت گاہ اور معبد میں تکنیکی طور پر فرق ضرور ہے لیکن یہ دہنِ ساحری ہی سے براہِ راست متعلق ہے۔ اسے جادوگر کا دفترِ خارجہ اور پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ڈیلفی کی کہانت گاہ یونان کا عظیم القدر اعصابی مرکز تھا اور ملک کے لئے سیاسی بصیرت کا ذریعہ تھا۔ شہزادہ اِیڈی پس کو اپنے ماں باپ کا کھوج لگانے کے لئے یہیں آنا اور کاہنہ سے رُجوع کرنا پڑا جس نے پیشگوئی کی کہ وہ باپ

کو ہلاک کرے گا اور ماں سے بیاہ کرے گا۔ اسی طرح عرب میں بھی کہانت گاہیں تھیں جو مشکل کے وقت لوگوں کے آڑے آتیں۔ جب عبدالمطلب کے دس لڑکے ہوئے اور انہیں اپنا عہد یاد آیا کہ دس لڑکے ہونے پر وہ ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے تو انہوں نے کعبے کے پروہت سے عُزّیٰ کے بت کے قریب رکھے ہوئے تیروں کے ذریعے فال نکلوائی جو عبداللہ کے نام نکلی اور وہ اس کی قربانی پر تیار ہو گئے۔ بالآخر لوگوں کے منع کرنے پر انہوں نے فال ہی کے ذریعے بیٹے کی قربانی کی بجائے سو اونٹوں کی قربانی قبول کی اور عرب کی کاہنہ سے توثیق کروائی۔

سائنس یہ شعبہ دینِ ساحری کا جزوِ لاینفک تھا اور علاحدہ کوئی حیثیت نہ رکھتا۔ کئی جگہ ساحر ہی کو ''میڈیسن مین'' کہتے ہیں جو معاشرے میں نہایت وقیع مقام رکھتا۔ ساحر طبیب ہی نے سائنسی رجحان پیدا کیا۔ طب کے علاوہ سائنس کے کتنے ہی دوسرے شعبے، دینِ ساحری کے زیرِ سایہ معرضِ وجود میں آئے۔ علم النجوم، اُقلید، حساب، حساب و ہندسہ، انجنیر، علم آبِ رواں (ہائیڈرالکس)، آبیات (ہائیڈرولوجی)، علمِ زراعت اور کیمیاء نے بڑا عروج پایا۔

عہدِ ماضی کی پچاس تہذیبی صدیوں میں جادو کو بڑا عروج ملا۔ آدمی کی فطرت میں ڈر خوف اور شک کا جو عنصر شامل ہے۔ جس نے لاتعداد غیر یقینی کیفیتیں اور اَوہام و وساوِس پیدا کیے انہی کی شیرازی بندی سے جادوگر نے اپنے علم و فن کو جنم دیا۔ اسی نے قبائلی نظام سے نکل کر بڑے پیانے پر وڈیرہ شاہی قائم کی۔ اسی لئے جادو نے مُلوکیت کو سہارا دیا اور اس کے لیے سہارا بنا۔

اسلام کے تطہیری اور انقلابی عمل سے جادو کے تانے بانے بکھر گئے اور تمام علُوم و فنون کو طلسم خانہ اوہام و وساوس اور قیاسات کی دنیا سے نکال لیا گیا۔

معدُوم تہذیبی قدر

(ایک معدوم تہذیبی قدر جس میں صدیوں انسان مبتلائے فریب رہا)

⌘

دستِ ساحری جسے بشریات دان جادو کے نام سے پکارتے ہیں دنیا کے ذہین ترین شاعروں کی فریب آفرین ایجاد ہے۔ یہ لوگ قوم کی جملہ معاشرتی اور تہذیبی ضروریات پوری کرنے پر مامور ہوئے۔ یہ اعلیٰ ترین منصب انہوں نے اپنی قابلیت اور زور بازو سے حاصل کیا۔ پھر ارضی خداؤں ـــــ فرعونوں اور نمرودوں کو اپنی بھول بھلیاں میں پھینک کر انہیں اپنی کٹھ پتلیاں بنالیا۔ ان کے خیالوں کی غلام گردشوں میں بھٹکنے اور پھر انہی میں دم توڑنے والے لافانی ارضی اور سماوی خداؤں کی مدد سے انہوں نے اتنی طاقت پکڑ لی اور ایسی زبردست اجارہ داری بنالی جو ہر نبی اور رسول ﷺ کے لئے دردِ سر بنی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ختم الرسل ﷺ کے سواء کوئی بھی صدیوں پرانی اس PRIESTHOOD (پروہتی اجارہ داری) کے تار و پود بکھیر نہ سکا۔ یہ اتنا بڑا تہذیبی کارنامہ ہے کہ مصری ڈیلٹا کے پروہتوں کی تیار کی ہوئی بارہ مہینے، ۳۶۵ دن کی سب سے پہلی تقویم (۴۲۴۱ ق م) سے لے کر غارِ حرا میں نزولِ وحی (۶۱۰ء) تک اس کی بیخ کنی نہ کی جا سکی۔ اس کی غارت گری کے سلسلے میں ختم الرسل ﷺ کی ۲۳ سالہ انتھک جدوجہد ایک پوری کتاب کا موضوع ہے۔

لوگوں نے جس عاجزی اور بے بسی سے جادوگر (شاعر پروہت) کی طاقت اور اس کی پھیلائی ہوئی گمراہی کو قبول کیا اس کی مثال ارضی خدا فرعون منکورع (ہرم اکبر کے معمار فرعون خوفوع کا بیٹا) ہے جس نے ہرم اکبر کی تعمیر کے بعد باپ کے خالی کئے ہوئے خزانے دے

کرنئی پالیسیاں وضع کیں اور جادوگروں کے مطلق العنان ٹولے کی ناراضگی مول لینے کی حماقت کی۔ بوطوع کے کاہن نے بددعا دی اور اسے کہلا بھیجا کہ وہ مزید چھ سال جئے گا اور ساتویں سال میں مرجائے گا۔ اس نے دیوتا کو برا بھلا کہہ کر کہانت گاہ میں غضب آلود جواب بھیجا کہ اس جیسے پاکباز فرعون کو اتنی جلدی مرنے کا حکم صادر کیا گیا ہے جس نے معیشت کو استحکام بخشا اور عدل کے قیام کیلئے کام کیا، بند معبدوں کو عوام پر دوبارہ کھول دیا۔ اس کے باپ اور چچا فرعون خیف رع نے لمبی عمر پائی جبکہ انہوں نے معبدوں کی تالہ بندی کی اور ڈیڑھ صدی تک لوگوں پر ظلم کیا لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی۔ پروہتوں کے ہاتھوں اپنی قسمت کا دروازہ بند دیکھ کر اس نے ڈھیر ساری مشعلیں بنوائیں اور اپنی راتوں کو دن میں بدل دیا۔ وہ روز و شب جشن منانے لگا۔ رات کو دن میں منتقل کرنے اور اپنی زندگی کے باقی ماندہ چھ سال کو طول دینے سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ کاہن پر جھوٹ کا الزام دھر سکے۔

بہرحال اس ایک مثال سے عیاں ہوتا ہے کہ پروہتی نظام میں جادوگر کی ہیبت کس طرح عوام و خواص کے دلوں پر طاری تھی۔

دینِ ساحری کو ہر بشریات دان نے فریب کہا ہے۔ اس میں بت پرستوں کی دیومالا، ریت (عبادت)، فکری نظام اور عملی طریقے شامل ہیں۔ بابائے بشریات سر جیمز جارج فریزر (موئف GOLDEN BOUGH مورخہ ۱۹۲۲) کے الفاظ میں دینِ ساحری ضابطۂ فطرت کا حرامی بچہ اور انسانی رویے کیلئے غلط کار گائیڈ ہے۔ جھوٹی سائنس اور ادھورا فن ہے۔

ان الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔ جب آدمی نے ہوش سنبھالا اور ابھی فکر و شعور کی سطح پر بھرپور انگڑائی نہیں لی تھی کہ اس کی دنیا اور خود اس کی ذات سوالیہ علامت بن کر سامنے آئی۔ سورج کا طلوع و غروب، موسموں کا تغیر، زمین اور حیوانات کا تخلیقی عمل، بیکراں کائنات، اس کے عجائبات، زندگی اور موت سب کچھ حیران کن پہیلی تھا۔ اس کا علم اتنا نہیں تھا کہ سائنسی سلیقے سے کارخانۂ قدرت کو سمجھ سکتا اور کسی منطقی طریقے سے اسباب و علل اور علت و معلول کا کھوج لگا سکتا لیکن اس کی تجسس آمیز اور اضطراب انگیز فطرت سے یوں صبر بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ حیات و کائنات کے اسرار و رموز جانے اور اپنی معرفتِ ذات کے بغیر ہی زندگی بسر کرے۔ جب عقل آڑے نہ آئی

اور آئی تو بمقدار قلیل آئی تو اس نے وجدان اور جذبات سے رجوع کیا۔ وجدان اور جذبات کی دولت اسے بمقدار کثیر میسر تھی چنانچہ ابتدائی دور میں ضمیاتی فلسفہ تو تراشا نہ جا سکا البتہ عملی شکل میں جادو نے ضرور جنم لیا۔ بستی یا قبیلے کے سب سے قابل آدمی نے غیر معمولی طاقت والی ہر چیز (سورج، سمندر، زمین، سیلاب، طوفان، دریا، زلزلہ، مینہ، موت) کو اپنا آقا مانا اور اسے زیر کرنے کی غرض سے سحری ریتیں (بت پرستوں کی عبادتیں) تراشیں۔ ان ریتوں میں جسمانی حرکتیں (جنہوں نے بعد ازاں رقص کی شکل اختیار کی) شور وغل، چیخ و پکار، مختلف نوع کی اصوات (جن سے موسیقی نے جنم لیا) اور منتر یا شبد (جو ارتقائی منزلیں طے کر کے شاعری بن گئے) سے یہ ریتیں عبارت تھیں۔ بستی یا قبیلے کا یہ قابل آدمی پروہت سردار اور ساحر طبیب بھی ہوتا اور جملہ امور و معاملات کا منصرم اعلیٰ بھی۔ اسی کے سحری عمل، ٹونے ٹوٹکے سے بلائیں بستی سے دور رہتیں۔ لڑائی میں دیوتا قبیلے کی مدد کرتا۔ مینہ پڑتا، زمین اپنی کوکھ سے دولت اگلتی، اس ضمن میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ جادوگر حکما اپنے خداؤں کو اپنی ضرورت اور منشاء کے مطابق کسی کام پر مامور کرتا۔

پھر جوں جوں عقل بڑھی، مشاہدے اور تجربے کی دولت ملی، جادوگر نے ماہیتِ اشیاء جاننے کیلئے وجدان اور جذبات کے ساتھ ساتھ سائنسی طریقہ بھی اختیار کیا لیکن رجحان وہی شاعرانہ رہا۔ کائنات اور خود اس کی اپنی ذات، شاعرانہ صداقت سے آگے نہ بڑھی۔ جو خدا بے نام اور بے صورت تھے، انہیں نام ملے، صورتیں ملیں، یہ ترقی یافتہ زمانے کی اونچی باتیں ہیں۔

ابتدائی عہدِ جاہلیت (قبلِ تاریخ و فلسفہ کے دور) میں آدمی کو اتنی فزیالوجی نہ آتی تھی کہ قدرت کے ودیعت کئے ہوئے جنسی عملِ تخلیق کو سمجھ پاتا۔

آیتِ کریمہ خلق الانسان من علق (ہم نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا) کا مفہوم سمجھنے کا ابھی وقت نہ آیا تھا اور اس کے نزدیک انسانی تخلیقی عمل میں مرد کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ بقول ول ڈیوراں تخلیقی عمل میں مرد کے کردار کی بات غالباً اوّلین انسانی گروہوں کے علم میں بالکل نہیں آئی۔ دنیا کے بعض قبائل تو اب تک اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان کے نزدیک حمل جنسی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ تو عورت کے بطن میں بلوما (بھوت) داخل ہونے سے ہوتا ہے۔ بچوں کے بارے میں پوچھا جائے تو عورتیں کہیں گی، یہ بلوما کی عطاء ہے۔ وحشی دور کا انسان جانتا ہی نہ تھا

کہ بیضۂ حیات اور مادۂ حیات کی کیا ماہیت ہے۔ وہ تو یہی سمجھتا تھا کہ پیٹ میں ارواحیں ہیں۔ وہ حاملہ عورت کو قابلِ پرستش سمجھتا تھا۔ یہ پر اسرار دنیا، قدرت کا مخفی کارخانہ جادوگر کی سوجھ بوجھ سے ماوراء تھا۔ قریب قریب ازمنہ قدیم کے سب لوگ عورت کو پوجتے تھے۔ اسی لئے دیوتا سے پہلے دیوی اور مرد کے راج سے پہلے تریا راج معرضِ عمل میں آیا۔ عورت اپنے تخلیقی عمل کے باعث قابلِ احترام قرار دی گئی۔ یہی سبب ہے کہ ابتداء میں اولاد اسی سے منسوب ہوتی، تمام املاک اس کی تھی، وہی قبیلے کی سردار تھی۔ بشریات کی زبان میں اسے مادری نظام MATRIARCHY کہتے ہیں۔ مرد کو تخلیقی اہلیت سے محروم سمجھ کر اسے کھیت کھلیان کے قریب نہ پھٹکنے دیا مبادا زمین بانجھ ہوجائے اور فصل سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کھیتی باڑی کا کام عورت ہی کرتی۔ اگرچہ بعد ازاں یہ نظریہ برقرار نہ رہا اور مرد نے ہل کی ہتھی تھام لی لیکن آج بھی بعض علاقوں میں عورت کھیتی باڑی کرتی ہے۔

کہانت کا فریضہ بھی عورت ہی ادا کرتی۔ دورِ تہذیب میں بھی اس کا وجود قائم رہا۔ دَیلفی (یونان کی قدیم کوہستانی کہانت گاہ) کی کاہنہ جس نے شہزادہ ایدی پس کے باپ کو ہلاک کرکے ماں سے بیاہ کرنے کی خبر دی تھی محتاجِ تعارف نہیں۔ عرب کے عہدِ جاہلیت میں بھی کاہنہ موجود تھی۔ ابنِ ہشام نے بیان کیا ہے کہ جب عبدالمطلب نے دیوتا کو دیا ہوا یہ عہد پورا کرنا چاہا کہ دس بیٹے ہوئے تو وہ ایک کو قربان کردینگے تو بیٹے کی قربانی کا بدل معلوم کرنے کیلئے خیبر آکر کاہنہ سے رجوع کیا۔

الغرض ابتدائی سحریاتی دور میں حیات و کائنات کے بارے میں جو سوالات اٹھتے ساحر انہیں اپنے قیاس اور تخمینے سے شاعرانہ پیرائے میں حل کرتا تھا۔ اسی لئے فریزر اور دوسرے بشریات دانوں نے دینِ سحری کو گمراہ کن قرار دیا۔

دینِ ساحری کی گمراہی ابتداء سے دمِ آخر قائم رہی۔ جب مادری نظام کی جگہ پدری نظام PATRIARCHY رائج ہوا ــــــ مرد نے کھیتی باڑی اور قبیلے کی سربراہی کا کام سنبھالا، کچی قبروں کی جگہ عالیشان اہرام تعمیر ہونے لگے۔ فرعون کو زمینی خدا بنا دیا گیا۔ مرنے کے بعد اسے ربُّ الشمس بنا کر ابدی زندگی دی گئی۔ فنِ تعمیر، کیمیاء اور ریاضی میں غضب کی ترقی ہوئی تب بھی جادوگر کے انداز اور سوچ میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ آئی۔ وہ خود بھی گمراہ رہا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا رہا۔

اس نے اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ہندوستان میں تو اب تک دینی علم کی کنجی برہمن کے ہاتھ میں ہے۔ منوشاستر کی پابندیاں اب بھی عائد ہیں۔ اب بھی غیر برہمن وید نہیں پڑھ سکتا۔ کبھی یہ عالم تھا کہ شودر کی زبان پر وید کا شبد آجاتا تو زبان کاٹ دی جاتی۔ کان میں پڑ جاتا تو اس میں پگھلایا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔ اب بھی وہ ملیچھ (ناپاک) ہے۔ سنسکرت کا ایک عالم مسلمان وہاں کسی دفتر میں کلرکی کرتا ہے۔ اسے سنسکرت پڑھانے کی اجازت نہیں۔ فرعون ہی کی طرح ہندوستان کے ساحروں نے اوتار (زمینی خدا) تراشے اور ان کی پرستش کو رواج دیا۔ رام اور کرشن زمینی خدا تھے۔ انہی برہموں نے کمال عیاری اور اسلام کی برتری ختم کرنے کیلئے "رام اور رحیم ایک ہے" کا نعرہ لگایا اور بعض مسلمان صوفیاء نے یہ مسلک قبول کیا۔ بلھے شاہ نے کہا۔

گل سمجھ لئی تے رولا کیہ

ایہہ رام، رحیم تے مولا کیہ

بہرحال جادوگروں کی دینی اجارہ داری یعنی پروہتی نظام تادیر قائم رہا اور تہذیب وتمدن کے نہایت خوشنما گل کھلانے کے باوجود اساسی طور پر جادو کی ماہیت نہ بدلی۔ ادب (بالخصوص یونانی ڈرامے اور رزمیے)، رقص، موسیقی، دیومالا، ریت اور دیگر متعلقات میں حیرت خیز ترقی ہوئی۔ سر پال ہاروے نے جادو کے باب میں صحیح کہا ہے ——— "دینِ ساحری جس میں واقعات کے فطری بہاؤ کو شبدوں گنڈوں تعویزوں اور دوسری رُسوم کے ذریعے متاثر کرنے کا دعویٰ کیا جاتا، ہمہ گیر طور پر ابتدائی عہد کے قبیلوں میں رائج تھا۔ علم وفن کے ابتدائی مرحلوں پر قدرتی قوانین کو غلط انداز سے سمجھنے اور ان کے اسباب وعلل جاننے میں دشواری پیدا ہونے کے باعث جادو بروئے کار آیا۔ یہ وہم عام ہوا کہ کائنات ارواحِ نیک و بد سے لبریز ہے اور وہی کاروبارِ حیات میں عمل دخل رکھتی ہیں۔"

سر پال ہاروے کا یہ بھی خیال ہے کہ شروع میں مذہب اور جادو ایک دوسرے میں گھل مل کر رہے۔ بعدازاں ان کے رویے بدلے اور یہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔ یہاں مختصراً ان کا فرق بتایا جاتا ہے۔ جادو نے بت پرستی کو جنم دیا۔ مذہب نے بت شکنی کی، جادو میں آدمی کو خدا اور اوتار کا مرتبہ حاصل ہے، مذہب میں وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے خدا نہیں۔ جادو میں ریت عبودیت کے عنصر سے خالی ہے، اس کا مقصد من گھڑت خداؤں کو جنتر اور کلام کے ذریعے

رام کرنا اوران سے حکماً کام لینا، مذہب میں عبودیت کے بغیر عبادت کا کوئی تصور نہیں۔ بندہ اپنے رب کی عبادت کرتا اور ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے۔ یہ فرق جاننے کے بعد ہی دین ساحری کو ٹھیک سے سمجھا جا سکتا ہے۔ رہا پروہتی اجارہ داری کا مسئلہ تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ فی نفسہٖ معاشرتی مسئلہ ہے، تاہم مذہب بالخصوص اسلام جس نے اپنے تانے بانے کسی فرعون، نمرود یا کسی من گھڑت دیوتا کے گرد نہیں بُنے بالصراحت جمہوری ہے، یہ کسی گروہ کی گرفت یا اجارے میں نہیں۔ ہر شخص پروہت کی محتاجی کے بغیر نظریاتی طور سے بھی اور عملاً بھی اسے اپنا سکتا ہے۔ پروہتی نظام براہِ راست جاگیرداری کی پیداوار تھا۔ جادوگر معاشرے میں سُپر مین تھا اور بے پناہ اختیار رکھتا تھا۔ وہ سائنسدان بالخصوص طبیب ـــــ ساحر طبیب تھا، وہی اپنی شکل وصورت پر خدا تراشتا، ہیرو کو مرنے کے بعد خدا بنا کر معبود کا درجہ دیتا، وہی شبد بانی اور منتر تراشتا اور انہیں جادو اثر بتاتا، وہی شاعر تھا اور علم وفن کا ماہر۔ فرعون کے زمانے میں اس نے اتنی دولت سمیٹ لی تھی کہ اس کے خزانے قابلِ رشک تھے۔ مالی اعتبار سے جادوگری کا پیشہ انتہائی منفعت بخش تھا۔ اختیار واقتدار کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑا حکمران بھی اس کے منہ نہ لگتا اور اس کے جادو سے خائف رہتا۔ تاریخ میں ہمیں فرعون آخین عَطوْن کا ذکر ملتا ہے، جس نے عمّون کے پروہتی نظام کو شکست دی اور اس کے معبد تہس نہس کئے لیکن آخر کار وہ بھی انہی کے ہاتھوں مات کھا گیا۔ یہ شرف ختم المرسلین ﷺ کو ہے کہ انہوں نے پریسٹ ہڈ کا ہزاروں سال پرانا طلسم توڑا اور مذہب کو جمہور کے سپرد کر دیا۔ جادوگر نے عقل کے سارے حربے آزمائے، قیاس کے گھوڑے دوڑائے اور اپنے دائرہ فکر وعمل میں پوری کائنات کو سمو لیا۔ زندگی کے وہ تمام پہلو جو رات دن کا معمول تھے اس نے اپنی گرفت میں اس طرح لئے کہ اس کے بغیر پتہ نہ ہل سکتا، کارخانہ قدرت نہ چل سکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی جہاں اس کی رسائی نہ تھی اور جن کے بارے میں وہ خاک نہ جانتا تھا اس کے بھی اس نے خاکے تیار کر دیئے۔ اس کے بارے میں اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی، سب سے اہم کتاب لکھ ماری۔ دنیا کی کوئی شے جانور، پتھر، پیڑ، جڑی بوٹی، زمین، آسمان، ہوا، اس کی ایجاد کی ہوئی سحری قوت (مانا) سے خالی نہ تھی۔ وہی تھا جو اس مانا سے کام لیتا۔ ہر ایک پر اس کا اختیار چلتا تھا۔

ابتدائی دور میں جادوگر صرف عمل کرتا ـــــ ناچتا، گاتا، شور مچاتا۔ یہی اس کی ریت

تھی اوراس کے ذریعے وہ مسائل حل کرتا۔ بشن مین کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اس کا رقص جو ظاہر ہے سحری تاثیر رکھتا تھا ہر مسئلہ حل کرنے کیلئے تھا۔ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانے اور مکمل طور پر سحری اثر پیدا کرنے کیلئے پورے قبیلے کے قدموں، دوسری جسمانی حرکات اور آوازوں میں اس قدر ہم آہنگ ہوتا جیسے ایک آدمی رقص کرر ہا ہو۔ دن دن بھر، رات رات بھر یکساں جوش وخروش اور صحت کے ساتھ ناچتے۔ اگر شمہ بھر غلطی ہوتی تو نئے سرے سے ناچنا شروع کرتے، صحت ضروری تھی۔ یہی تو اس عمل میں سحری اثر پیدا کرتی۔ عمل کے ساتھ سوچ اور فلسفے کی باری بعد میں آئی۔

انگریزی لفظ "میجک" کے معنی پیر مغاں ـــــ "ماگی" کا علم ہے۔ یہ لوگ زرتشتی دین کے پروہت تھے۔ اہلِ یونان اور ایران میں کسی نہ کسی شکل میں رابطہ رہا ہے۔ تھیبز پر ایرانیوں کے حملے کو بہت شہرت ملی اور یونانی شاعروں نے اس پر تمثیلیں لکھیں۔ یونانی زبان میں جادوگر کیلئے پہلے سے لفظ موجود تھا اس کے معنی تھے ایسا شخص جو منتر جانتا اور چلا چلا کر پڑھتا ہو۔ یونانی ادب میں جادوگرنیوں کے تذکرے ملتے ہیں جنہوں نے آدمیوں کو جانور بنادیا۔ یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ جب اودی سیئس کو جنگلی سور نے زخمی کیا تو ایک سحری نغمے کے ذریعے اس کا جریانِ خون بند کیا گیا۔ جیسن نامی یونانی ہیرو نے جو ناممکن کارنامے سرانجام دیئے تو اس کا سبب میدیا جادوگرنی کے منتر تھے۔

جادوگر ہی تمام رسومات اور تقریبات کی صدارت کرتا۔ یونانی ڈراما جو دراصل سحری ریت سے پیدا ہوا تھا اور دینِ ساحری ہی کا اہم حصہ تھا۔ اس کا سر پرست دایونائی سس دیوتا تھا۔ اسے جس جگہ کھیلا جاتا وہ عبادت گاہ کا درجہ رکھتی۔ جو لوگ کام کرتے، اسے دیکھتے اور کسی دوسری شکل میں اس سے وابستہ ہوتے وہ شریکِ عبادت سمجھے جاتے۔ پروہت (جادوگر) تماشائیوں میں سب سے آگے بیٹھتا اور صدر نشین ہوتا۔

یونان اور اطالیہ میں بقول فریزر جادوگر کو بادشاہ کا لقب ملا تھا۔ اس کی بیوی ملکہ کہلاتی۔ یہ قربانی کا بادشاہ یا مقدس رسوم کا بادشاہ کہلاتا اور سیاسی فرماں روا اس کے کام میں مداخلت نہ کرتا بعض یونانی ریاستوں میں ایک سے زیادہ دینی بادشاہ ہوتے۔ سپارٹا میں بسا اوقات سیاسی حکمران ہی دینی بادشاہ اور دیوتا کا اوتار ہوتا۔ ایشیائے کوچک میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ایک ہی وقت میں ایک شخص کا بادشاہ اور پروہت ہونا کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

جادو جس کے بارے میں ہم نے عرض کیا کہ گمراہی کے سوا کچھ نہ تھا دو شاخوں میں تقسیم تھا۔ یہ دونوں شاخیں تالیفی سحر کی تھیں ایک کو سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میجک) کہتے، دوسری کو لمسیاتی سحر (چھوت کا جادو) کہتے۔ دونوں کی بنیاد غلط تھی۔ سحر بالمثل میں جو عمل کئے جاتے وہ ایک جیسے خیالات پر منحصر ہوتے۔ یہ بات سرے ہی سے غلط تھی کہ یکساں خیالات نتائج پیدا کرتے ہیں اور لمسیاتی سحر کا یہ قانون بھی غلط تھا کہ ایک بار جب کوئی چیز کسی سے چھو جائے تو پھر اس کا لمس دائماً برقرار رہتا ہے۔ آج بھی یہ وہم قائم ہے۔ عورتیں اپنے بدن کا کپڑا، اپنے بال وغیرہ دوسروں کو تحویل میں نہیں جانے دیتیں مبادا کوئی ٹونا ٹوٹکہ کردے۔

ہزاروں سال تک وادیِ فرات و دجلہ، مصر، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے جادوگر سحر بالمثل کی رو سے کسی کے دشمن کو غارت کرنے کیلئے اس کا پتلا بناتے، پھر اسے سوئیاں چبھوتے، اس کی گردن مروڑتے، اسے جلاتے۔ افریقہ میں جادو کی یہ قسم عام تھی۔

جادو کی یہ شکلیں ادنیٰ درجوں کی ہیں۔ اس جادو سے اس کا مقابلہ نہیں جس نے تہذیب وتمدن کو جنم دیا لیکن سحر بالمثل کا عمل دخل مہذب ومتمدّن معاشروں میں بھی رہا۔ دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے یدھ ناچ ناچا جاتا، منتر اور گنڈے تعویز جو آج تک رائج ہیں اسی اصول کے مطابق ہیں۔

جادو سے قطعِ نظر ذہنِ انسانی بعض اثرات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح تعویز اثر کرتا ہے۔ یہ مسئلہ نفسیاتی ہے اور اسی سے ہنرمند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آواز کشا پر پھونکیں مار کر پانی دم کرنا اور اس سے شفایاب ہونا کسی سائنسی اصول سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ ذہنی کیفیت کا معاملہ ہے جس سے کوئی اثر قبول کرنے کی آمادگی اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے باور کروانے اور باور کر لینے ہی سے بات بن سکتی ہے۔ فرعون مَنْقُورع کو پروہت نے باور کروایا اور اس نے باور کر لیا کہ چھ سال کے بعد اس کا چراغِ زندگی بجھ جائے گا۔

یہ خیال جادو ہے جو لوگوں کی نفسیاتی کمزوریوں، ضعفِ ایمانی، اوہام ووساوس اور بے یقینی سے پنپتا ہے۔

جب کوئی مریض طبیبوں اور ڈاکٹروں سے مایوس ہو جاتا ہے تو بالعموم ٹونوں ٹوٹکوں پر آ جاتا ہے ـــــ مایوسی کے عالم میں ایک اور علاج بھی ہے لیکن اس کا تعلق جادو سے نہیں۔

یہ دعا ہے جو آدمی کی قوت مدافعت بڑھاتی اور اس کے یقین کو محکم کرتی ہے یہ عبودیت کا مظہر ہے۔

جوں جوں سلت و معلول کے ضمن میں سائنسی معلومات بڑھتی گئیں توں توں آدمی جادو کی گرہیں کھولتا اور اس سے پیچھا چھڑاتا گیا۔ طِبُّ السحر جیسی مفید سائنس ساحر طبیب ہی نے ہمیں دی ہے۔ کتنے ہی علوم و فنون جنہیں اس نے جادو کی گرفت میں لے رکھا تھا بعض از اں سیکولر شکل اختیار کر گئے یا پھر ان پر مذہب کا رنگ چڑھ گیا۔

ابتدائی تہذیبی قدر اور علم و فن کا سرچشمہ جادو ہے جسے بالاتفاق علمائے بشریات نے گمراہ کن قرار دیا ہے۔

قدیم ایام میں عاملِ جنات کی طرح عاملِ ارواح پائے جاتے تھے۔ یہ نیک و بد روحوں کا کاروبار کرتے تھے۔ اچھی بری روحیں اچھے برے آدمیوں کی ہوتیں۔ وہ سحر بالمثل کے اصول کے مطابق اچھی روحوں سے اچھا کام اور بری روحوں سے برا کام لیتے۔

جادوگر ایک بات کا اقرار کرتا کہ وہ غیر محدود طاقت کا مالک نہیں۔ وہ جو بھی عمل کرتا ہے منتر پڑھتا ہے ان کا اثر اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ عمل میں گڑبڑ نہ ہو، منتر صحیح ہوں۔ ان میں خرابی آئے گی تو مطلوبہ نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ جیسے لوگ ویسے ان کے جادوگر، وہ جو کہتے، جو کرتے لوگ اسے مان لیتے کیونکہ ذہنی اور فکری خلاء پُر کرنے کیلئے اس وقت یہی کچھ تھا۔ سائنس آج کی طرح دڑنگے نہیں لگا رہی تھی۔ چیونٹی کی چال نہیں چل رہی تھی کیونکہ چیونٹی بہت تیز رفتار ہوئی ہے بس یہ تو بہت ہی دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھی۔ پھر ذہنِ انسانی میں جھوٹ کا مان لینے اور فریب کھا لینے کی صلاحیت فی نفسہٖ موجود ہے۔ آج بھی شیطان اسے وسوسوں میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

جس دور کی ہم بات کرتے ہیں اس دور میں جادوگر نے پورے ماحول میں اپنے فکر و عمل کو یوں پھیلا دیا اور ہمہ گیر کر دیا تھا کہ اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ ایسی دنیا تھی جس میں سوچ، ریتیں رسمیں، انسانی رویے اور عمل کے تانے بانے جادوگر نے بکھیرے تھے۔ اس نے ان میں رنگ بکھیرا تھا۔ پھر اس کا طریقِ کار ایسا تھا جو قابلِ فہم اور قابلِ تسلیم تھا۔ سوئیاں چبھونے، بدن کے کپڑوں سے ٹونا ٹوٹکا کرنے، منتر اور گنڈے تعویز سے کام لینے میں لوگوں کو کوئی

خرابی نظر نہ آئی۔ یوں جادوگر اور عوام کے درمیان مفاہمت قائم تھی۔ مفاہمت اور قبولیت کی صلاحیت جادوگر کو کامیاب کرواتی اور اس کے اَحکام کو صحیح گردانتی۔

جادو کو گمراہ کن اور جعلی قدر قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ صدیوں تک تہذیب وتمدن کے شعبے میں جو کام ہوا ہے جادوگر کو اس کا کریڈٹ نہ دیا جائے۔ سائنسدانوں اور مذاہب کے داعیان نے قبلہ راست کر دیا تو تہذیب وتمدن کا شعبہ غلط عناصر سے پاک ہو گیا۔

بات سمت کے غلط ہونے کی ہے۔ وہی کعبہ جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر بنایا اور جہاں خدا کی عبادت کو رائج کیا، جب گمراہوں کے قبضے میں آیا تو انہوں نے اسے جادو کا طلسم خانہ بنالیا۔ اس کے اندر، باہر اور گردوپیش میں ۳۶۰ بت رکھ دیئے۔

حد تو یہ ہے کہ بقول ابنِ ہشام نائلہ اور اِساف (زانیہ اور زانی) کے بت بھی رکھ دیئے اور یہیں قربانی کے جانور ذبح کئے جانے لگے۔ یوں جادوگروں نے کعبے کا مصرف ہی بگاڑ لیا۔ پھر اللہ کے حکم سے ختم المرسلین ﷺ نے اس بت کدے کو از سر نو خانۂ خدا بنایا۔

ہم کعبے کو بت خانے میں تبدیل کرنے والے جادوگروں کو کریڈٹ نہیں دیں گے کیونکہ علوم وفنون اور تہذیب تمدن میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں۔ یہ امر واقع ہے کہ ایامِ جاہلیت میں عرب جادوگروں نے نہ تو مصر اور میسوپوٹیمیا کی طرح کوئی زبردست دیومالا مرتب کی اور نہ یونان واطالیہ کی طرح بیرون ملک (مصر) سے اسے برآمد کیا۔ اسی لئے ان کے یہاں جادو کوئی تہذیبی قدر نہ تھی۔ بس اتنا تھا کہ گھر میں کسی دیوی یا دیوتا کا بت رکھ لیتے، تیروں کے ذریعے کسی معاملے میں فال لینی ہوئی تو کعبے کے پروہت کے پاس آجاتے۔ دعا مانگتے تو اللہ کے نام کے ساتھ اپنے کسی بت کا نام بھی پکارتے۔ فکری اور عملی اعتبار سے ان کی دنیائے سحر وطلسم نہایت محدود اور اوائلی عہد کے قبائل سے بہتر نہ تھی۔

⌘

دینِ ساحری کے ذریعے جس دلفریب اور پرفریب دنیائے طلسم کی تشکیل کی گئی اور جس میں بڑی عیاری اور ہوشیاری سے مخلوقِ خدا کو اس کی غلام گردشوں میں پچاس صدی تک گھمایا پھرایا گیا وہ اپنے تاریک اور پُراَسرار دریچوں سے سائنس کو ہوا دیتی رہتی۔ علمائے بشریات دینِ ساحری کو ان سائنٹیفک Un-Scientific نہیں نان سائنٹیفک Non-Scientific قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی کوکھ میں پنپنے والے عُلوم و فُنون آگے چل کر مستقل سیکولر شعبوں میں بٹ گئے اور معاشروں کی ترتیب و ترکیب اور ارتقاء میں لگ گئے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سائنسی فکر مشاہدے اور تجربے کے باقاعدہ و باضابطہ تدریجی اور مسلسل و متواتر عمل کی پیداوار ہے۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔ کائنات کی حقیقت، جلتے بجھتے تاروں کی مسکراہٹ، زندگی اور موت کے مسائل، تکوینی سرگرمیوں میں کارفرما تخلیقی قوتوں کی وحدت اور خود آدمی کو اپنی ذات کی معرفت کے لئے جس شعور، مشاہدے اور تجربے کے آلات، سازوسامان اور جتنے وقت کی ضرورت تھی ساحر اس سے محروم تھا۔ اس کے سامنے بے پایاں سائنسی خلا تھا جو اسے بیکل کر رہا تھا۔ خلاء ممکن نہیں چنانچہ ضروری تھا کہ وہ خلاء کو پورا کرے اور اس طرح چاروں کھونٹ مُعلّق سوالیہ نشان کو دور کرے۔ اگر سائنسی انداز سے ایسا نہ ہو سکے تو دوسرے انداز سے کرے۔ یہ دوسرا انداز جسے ہم شاعرانہ انداز کہیں گے اپنی جلو میں شعری صداقتیں لئے آگے بڑھا اور اس طرح دینِ ساحری کی داغ بیل پڑی۔ گو اس طریقِ کار سے سائنس کا رجحان

بھی ابھرتا رہا لیکن سائنسدان بننے کی بجائے یا اس سے بالاتر ہو کر وہ ساحر ہی رہا اور ساحر نے ذاتی فائدوں اور مصلحتوں کی خاطر سائنسی رجحان کو دینِ ساحری کے تابع ہی رکھا۔ عملِ حُنُوط ایسے بے نظیر فن سے علم الکیمیاء پروان چڑھا لیکن یہ سحر و طلسم کے عملِ تکفین و تدفین ہی میں کھپتا رہا اور صدیوں تک سیکولر نہ ہو سکا۔ اُقلیدس، حساب اور فنِ تعمیر نے تمام دنیا میں ساحر کے ہاتھوں ترقی پائی لیکن ان قابلِ قدر عُلوم و فُنون کا مصرف تو مقبرے، معبد اور بت بنانا تھا۔ طب ساحری جسے ہم بہت بڑی مثبت قدر کہہ سکتے ہیں گنڈے تعویز، ٹونے ٹوٹکے اور جنتر منتر کے چکر سے بچ نہ سکا۔

اس زمانے میں گمراہی سمت کے ٹیڑھے پن، خود فریبی اور فریب کاری سے مفر نہ تھا۔ خلا پُر کرنے یا خانہ پُری کا تقاضا اتنا شدید تھا کہ اس کے لئے انتظار نہ کیا جا سکتا تھا۔ ڈر خوف، وہم، وَسوسہ، قیاس، شاعرانہ سوچ، تخلیقی صلاحیت اور فکر و عمل جو بھی شعوری، نیم شعوری یا لاشعوری سرمایہ اسے میسر تھا اس نے اسی سے کام لیا بلکہ کام چلایا۔ اوہام و وساوس اور قیاسات کے ہُجُوم سے اس نے شعر کے سہارے خلاء پر کر لیا، پھر باکمال ساحرِ نے مصر، میسوپوٹیمیا (دوآبہ فرات و دجلہ) اور وادی سندھ میں زبردست زرعی تہذیبیں پروان چڑھائیں تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور وہ جادو کی جھوٹی اور گمراہ کن توجیہات و تشریحات پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے بلا تامل اپنی مرضی و منشاء اور تقدیر ساحر کے حوالے کر دی۔ اپنے عصر کا بڑے سے بڑا فرعون اور نمرود کسی نہ کسی سامری اور آذر کا تابع فرماں رہا۔ کسی میں تاب نہ تھی کہ پروہت اور اس کے اجارہ دارانہ نظام کو للکارے اور اس کے افکار و اشغال کو مسترد کرے اور اس کے بنائے ہوئے راستے سے سرِ مُو ادھر ادھر سرکے۔

پروہتوں کی فکری اور عملی جدّ و جہد سے وہ دینی نظام معرضِ وجود میں آیا جسے ادیانِ عالم کتب میں "پریسٹ ہڈ" کا نام دیتے ہیں اور جو وڈیرہ شاہی کا بہت بڑا استون بن گیا۔

یہ رسوائے زمانہ پروہتی نظام ایسا کاروباری اجارہ تھا جس کے ذریعے ــــــــ

- جمہور اور جمہوریت کا قتل کیا گیا، غلامی کو ادارے کی شکل میں مستحکم کیا گیا۔
- پروہت نے بے پایاں اقتدار حاصل کیا؛ دین کو خاندانی میراث بنایا اور ریتوں، رسموں (ساحری عبادات) کا انتظام اپنے قبضے میں لیا۔
- ملوکیت کو پروان چڑھایا۔

الغرض جادوگر نے خوب دکان سجائی۔ ہند میں برہمن نے اور مصر و عراق میں وہاں کے ذی شان علمائے دینِ ساحری نے پروہتی نظام قائم کر کے پوری انسانی سوچ کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ مُوَحِدِ فرعون آخن عَطون (عَطون حوطب چہارم) سے قبل اور بعد میں عَمون (ربُّ الشّمس) کے پروہت دینِ ساحری کے کرتا دھرتا تھے۔ انہی کو اقتدار حاصل رہا۔

دینِ ساحری کی کئی پرتیں تھیں اس کی ایک شاخ ارفع و اعلیٰ قدروں سے وابستہ تھی جس سے تہذیب و تمدن کی آبیاری ہوئی۔ دوسری شاخ روزمرہ کے اعمال و اشغال اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے تھی۔

نظریے کے اعتبار سے تمام دنیا میں یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن عملی شکلیں الگ الگ ہیں۔ بنیادی اُصول بہر حال ایک سے ہیں۔ بابائے بشریات فریزر نے تالیفی سحر (سمپتھیٹک میجک) کی بنا پر اسے دو شاخوں میں بانٹا ہے ـــــــــ سحرِ بالمثل اور سحر باللّمس۔ سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میجک) اس گمراہ کن اصول پر ایجاد کیا گیا کہ یکساں عمل سے یکساں نتیجہ یا اثر پیدا ہوتا ہے یعنی اگر کسی عمل کی نقالی کی جائے تو اثر اور نتیجے کے اعتبار سے نقل بمطابق اصل ثابت ہو گئی۔ جادوگر نے یہاں ٹھوکر کھائی اور غلط بنیاد پر فلک بوس ایوان کھڑا کر لیا۔ خشتِ اوّل پاتال میں رکھی جہاں اس کا ربُّ الارض اوسائی رِس حکمران تھا اور چوٹی آسمان پر پہنچائی جہاں ''شمس'' کی عملداری تھی۔ یہ نتیجہ تھا اصل اور نقل میں تمیز نہ کرنے کا۔

جہاں تک اوائلی دور کے انسان کا تعلق ہے وہ بقول بابائے بشریات صرف عامل تھا اور اس کا جادو عمل کی حد تک تھا، نظریہ بہت بعد کی چیز ہے۔ جب مشاہدے اور تجربے سے علم حاصل ہوا، اس میں سوچ شامل ہوئی اور جمع شدہ سرمایے کی شیرازہ بندی کی گئی تو نظریے کی ابتداء ہوئی۔ پھر جوں جوں شعورِ انسانی میں اضافہ ہوا توں توں نظریہ بڑھا پھیلا اور پُر پیچ ہو گیا۔ نظریے کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ عمل بالخصوص ریت کا بھی ارتقاء ہوا۔ اپنے عہدِ عروج میں ریت نے یونان میں پہنچ کر نہایت ہی حسین صورت اختیار کی۔ یہاں رقص، موسیقی اور شعر کے امتزاج سے وہ اکائی پیدا ہوئی جس نے ڈرامے کو جنم دیا۔ آج دنیا کے چار بڑے المیہ نگاروں میں تین یونانی ہیں۔ اَیسکی لَس، سُوفو کلیز اور یُوری پیدیز ـــــــــ شیکسپیئر چوتھا تھا۔

یونانی ڈراما جودینِ ساحری کے عظیم ترین کارناموں میں سے ایک ہے۔ صدیوں پرانی مصری و عراقی ڈرامائی ریتوں اور سحری تمثیلوں کے ان کھنڈروں پر کھڑی کی ہوئی عمارت ہے جو قبل ازیں اوسائی رِس، تموز، ادونس، آئی سِسس، عیسطارطی اور عشطار کی عزائی ریتوں سے آباد تھے۔

بات سحرِ بالمثل کی تھی، اس میں اصل کی نقل کے مثیل و مساوی سمجھنے میں جو گڑبڑ ہوئی اسے یوں سمجھیے کہ قبائلی جنگ میں بھالے، لٹھ اور پتھر کے ہتھیاروں سے لوگ ہلاک ہوئے۔ خود سردارِ قبیلہ (جادوگر) نے بہ نفسِ نفیس بھالا مار کر دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تو اپنے تجربے کو سحر بالمثال کی اساس بنایا۔ اس نے دشمن کا پتلا بنایا اور اس کو سوئیوں سے چھید دیا، یوں اسے ہلاک کیا۔

فریزر نے ''گولڈن بَو'' میں اور ہٹن و یبسٹر نے اپنی تالیف ''میجک'' میں تالیفی سحر اور نقالی کے سحری عمل کے باب میں بکثرت ایسی مثالیں دی ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر کہیں یہی کچھ ہوتا تھا۔ جادوگر سحر بالمثل کے مفروضے پر ٹونے ٹوٹکے اور گنڈے تعویز کرتے تھے۔ منتروں کی بھی یہی صورت تھی۔ طبِ ساحری میں تو علاج بالمثل کا دستور العمل محتاجِ تعارف نہیں۔ ہٹن و یبسٹر کے نزدیک تعویذ کا موثر ہونا علامات پر انحصار کرتا ہے۔ مثلاً کھوپڑی سے ملتا جلتا نٹ (ناریل) پاس رکھنے سے آدمی بھوت پریت کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہاں ناریل کو سر کی علامت مانا گیا ہے کہ یہ کھوپڑی کی طرح سخت ہوتا ہے اور بال رکھتا ہے۔ ناریل محفوظ ہے تو سر بھی محفوظ ہے۔

دانتوں سے ملتے جلتے سنگریزے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی کی عمر لمبی ہوگی۔ اس کے دانت تادیر سلامت رہیں گے اور ان کی بدولت وہ بھی تادیر سلامت رہے گا۔

لوہا مضبوط دھات ہے لہٰذا اسے پاس رکھنے سے آدمی محفوظ اور توانا رہتا ہے۔

ہلکے نیلے رنگ کے منکوں سے بھی سحر بالمثل کیا جاتا تھا۔ چونکہ دھندلے پن کی وجہ سے ان میں سے روشنی کا گزر نہ ہوسکتا تھا، اس لئے اگلے وقتوں کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ اسے پاس رکھیں گے تو دشمن کی آنکھوں کے آگے دھواں رہے گا اور وہ اسے دکھائی نہ دیں گے۔ یوں دشمن کو اندھا کر کے اس کا صفایا کیا جاسکے گا۔

قربانی بھی سحرِ بالمثل کی بہت بڑی ریت تھی جس میں آدمی یا جانور کا خون بہا کر سمجھا

جاتا کہ یہ جوانی میں مرنے والے خدا کو پہنچے گا اور اسے زندہ کردے گا۔

ریت RITUAL جو زندگی کی نقالی تھی اور جسے ہر سال باقاعدگی سے دہرایا جاتا، زرخیزی وشادابی، انسان، حیوان اور نباتات کی سلامتی کے لئے تھی۔

کوئی ایسی چیز جو شکل وصورت کے اعتبار سے انوکھی اور کمیاب ہوتی وہ پراسرار جگہ مثلاً جانور کے بطن سے برآمد ہوتی تو علامتی سحری عمل میں کام آتی۔

سحریاتی عمل کی دوسری شاخ جسے "لمسیاتی سحر" کہتے ہیں چھوت کے عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ سحر بالشکل میں تو عامل یہ باور کرتا اور کرواتا کہ کسی فعل، عمل یا سرگرمی کی نقالی سے مطلوبہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ لمسیاتی سحر کے ضمن میں ہٹن وبیسٹر یہ بتاتا ہے کہ بے جان اجسام واشیاء کے خواص واوصاف اس نوع کے ہیں کہ انہیں الگ کر کے دیگر اجسام واشیاء میں حسبِ ضرورت منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ضروری نہ تھا کہ اشیاء کا جسموں سے لمس ہوا ہو، قرب اور تعلق بھی کافی تھا۔ نظر، اشارے اور کلام کے ذریعے بھی لمس ہو جاتا ہے۔

- وسطی آسٹریلیا کے لوگ دردِ سر میں بیویوں کے سر کے کپڑے پہنتے جس سے درد کپڑوں میں داخل ہو جاتا۔ بعد ازاں وہ کپڑوں کو جھاڑیوں میں پھینک دیتے۔
- بعض قبیلے کسی تندرست وتوانا بچے کو قتل کر کے اس کا گوشت اپنے نحیف ونزار بچے کو کھلاتے تاکہ وہ بھی تندرست اور توانا ہو جائے۔
- سر کش (ہیڈ ہنٹرز) دشمن کا سر کاٹ کر تعویز کے طور پر پاس رکھتے تاکہ اپنی قوت برقرار رکھ سکیں۔

ہٹن وبیسٹر کے نزدیک یہ شخصیت کی توسیع کا تصور ہے جسے حقیقی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سر، بال، دانت اور لہو پر ہی اکتفاء نہ کیا جاتا بلکہ کپڑوں، اوزاروں، ہتھیاروں، اشیائے خوردونوش اور سائے تک سے لمسیاتی عمل کیا جاتا۔

کالے عمل یا سفلی عمل والے مردوں کی راکھ سے ٹونا ٹوٹکا کرتے۔

بورنیو کے قبائل سمجھتے کہ سردار کو شیر کا دانت دیا جائے تو وہ مہربان رہے گا۔ پوپو کے

لوگ دوسروں کا کھانا چرا کر اپنے کتوں کو کھلاتے اور سمجھتے کہ یہ کڑیل ہو جائیں گے اور جنگلی سوروں پر حملہ کر دیں گے۔

ملایا میں ایسا عمل کیا جاتا ہے جسے سحر بالمثل اور لمسیاتی عمل دونوں ہی میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑی بکری جو پہاڑوں، گھاٹیوں اور ٹیلوں میں بے تکان دوڑتی پھرتی ہے، بڑے پکے قدم کی ہوتی ہے۔ اگر اتفاق سے یہ کسی پہاڑی سے گر پڑتی تو اس کی زبان کاٹ کر تعویز کے طور پر رکھ لی جاتی۔ اس طرح آدمی پہاڑی سے نہ گرتا۔ مزید برآں اگر کبھی گرنے سے چوٹ لگ جاتی تو اس تعویز کی بدولت اچھا ہو جاتا۔

سِفلیات کے عامل لمسیاتی سحر پر تکیہ کرتے ہیں۔ سحر بالمثل سے بھی کام لیتے ہیں۔

"قبل تہذیب کے قبائل علوی یا سِفلی جادو کے عامل نظرے سے بے خبر مشاہدے کی بنا پر سیدھے سادھے طریقے سے نقالی کرتے تھے۔ وہ تجزیے اور مشاہدے کی گہرائی میں نہ جاتے۔ بقول بابائے بشریات وہ لوگ کھانا تو کھا لیتے لیکن نظامِ انہضام کی پیچیدگیوں اور اعضاء کی اندورنی سرگرمیوں سے نا آشنا ہوتے۔ اوائلی دور میں آدمی کیلئے جادو ہمیشہ آرٹ رہا، سائنس نہ بنا۔ اس کے ناپختہ دماغ میں سائنس کا خیال نہ آتا۔ فلسفے کے طالب علم کا کام ہے کہ وہ خیال کے اس سلسلے کا سراغ لگائے جو جادوگر کے عمل میں پنہاں رہا ــــــ فریب آلود سائنس کی پشت پر جو حرامی بچہ (آرٹ) کارفرما رہا اسے دیکھے۔" (گولڈن بوص ۱۲۰۱۔۱۹۴۹ پیکمن)

نقالی کا عمل سحرِ بالمثل (ہومیو پیتھک میجک) اور لمسیاتی سحر دونوں ہی فکر کے سلسلے ارتباط کے غلط استعمال اور قیاسات کے باعث بروئے کار آئے۔ مثلاً کسی کا پتلا بنا کر اسے اصل سمجھ لینا یا جسم سے الگ کی ہوئی بے جان اشیاء کو جسمانی خواص کو حامل قرار دینا احمقانہ فعل نہیں تو اور کیا ہے؟ پتلے کی آنکھ پھوڑتے ہوئے یہ منتر پڑھنا، "وہ اندھا ہو جائے گا" عقل اور منطق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

درحقیقت جادوگر کو کمال اس کے عمل میں نہ تھا بلکہ یہ باور کروانے میں تھا کہ نقالی اور لمسِ عمل کے ذریعے مطلوبہ اثرات عیاں ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ نفسیاتی ماحول پیدا کر کے لوگوں کو الو بناتا۔ فریزر، ہٹن وبسٹر، مس جین ایلن ہیری سن، مس مارگریٹ میڈ اور دوسرے

بشریات دانوں نے جولازوال کام کیا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل اسلام پوری دنیا جادو کے خوبصورت جال میں پھنسی تھی اور سب کا طرزِ عمل تہذیب وتمدن کی مختلف منزلوں اور درجوں پر ہونے پر بھی کم وبیش یکساں تھا۔ یہ طرزِ عمل عالمگیر تھا اور آدمی غاروں سے نکل کر جب میدانوں میں آیا، اس نے زراعت شروع کی۔ مشاہدے اور تجربے کی نئی دنیا سامنے آئی تو وہ اپنی کاروائیوں اور دینی سرگرمیوں کا کینوس تو بڑھا سکا لیکن جادو کی جڑیں نہ کاٹ سکا۔اس نے تو اس میں اور بھی خوبصورتیاں فراہم کیں، اسے اور بھی متنوع کیا اور زرعی تہذیب (ایگری کلچر) کو پروان چڑھا کر اسے دینی تاریخ میں لازوال مقام دلایا۔

زمانے بدلے، نئے شعور نے معاشرے کو سنوارا لیکن سماٹرا اور دوسرے ملکوں کی بانجھ عورتیں جادوگر کے بتانے پر بچے کا کٹھ پتلا اپنی جھولی میں رکھتی رہیں اور باور کرتی رہیں کہ اس ترکیب سے ان کی گود ہری ہو جائے گی۔ گود نہ ہری ہوتی تب بھی جادو پر ان کا یقین اٹل ہوتا۔ آرکی پیلیگو قبیلے کی عورت ڈھیر سارے بچوں والے مرد کو بلوا کر دم کرواتی تا کہ روحِ آفتاب اس پر کرم کرے۔

طب کے علم اور فن کا آغاز سحر بالمثل ہی سے ہوا اور جادونگری میں یہ صورت آخری لمحے تک برقرار رہی۔ آج بھی افریقہ اور ان علاقوں میں طب کی یہی صورت ہے جہاں جادو کا چلن ہے۔ جڑی بوٹیوں، پتھروں اور معدنیات کے خواص اور دوائی اثرات کے بارے میں صحیح علم تو اس وقت ہوا جب صدیوں بعد سائنس نے سیکولر رنگ پایا اور ترقی کی۔ بقراط پہلا طبیب ہے جس نے خالص علمی وفنی طور پر اس کی شیرازہ بندی کی ورنہ قدیم زرعی تہذیبیں صدیوں تک طب کو اوہام وقیاسات کے پردوں میں لپیٹے رہیں۔

قدیم ہند میں یرقان کے علاج کیلئے بڑے اہتمام سے تقریب منائی جاتی تا کہ مریض کے پیلے پن کو ہومیو پیتھک میجک (سحر بالمثل) سے پیلے رنگ کے جانداروں یا چیزوں میں منتقل کیا جائے اور کسی سرخ رنگ کے جاندار یا شے سے اس کی سرخی مریض میں داخل کی جائے۔ پروہت جب اپنا عمل کرتا تو یہ منتر جپتا ——— ”سورج کے پاس جائے تیری منڈی کا درد اور یرقان، ہم تجھے لال سانڈ کے رنگ میں لپیٹ دیتے ہیں ——— ہم تیرا پیلا پن طوطوں کو دے دیتے ہیں۔“

ادھر منتر پڑھتا اور ادھر پاس کھڑے ہوئے سانڈ پر پانی ڈالتا جاتا تا کہ اس کے رنگ

کی خاصیت اس میں منتقل ہو جائے۔ پھر وہ مریض کو یہ پانی پلاتا، سورج کو اگنی سمجھ کر اس کی پوجا کی جاتی۔ رگ وید میں اگنی دیوتا کی شان میں بے شمار حمد یہ گیت موجود ہیں کہ یہ بھی ایک دیوتا تھا۔

الغرض جب تک اسباب وعلل اور نتائج میں باہمی تعلق کا سراغ سائنسی طور پر نہ لگایا جاسکا تب تک دنیا جادوگر ـــــ پروہت اور طبیب کی گرفت سے نہ نکلی۔ صدیوں تک مخلوقِ خدا جادوگر کے بہلانے پھسلانے سے اس بھول بھلیاں میں گھومتی رہی جس میں اوّل الذکر نے اسے پہلی بار دھکیلا تھا۔ ادھر خود جادوگر جو آفتاب کو رخِ یار اور رخِ یار کو آفتاب سمجھتا بے بس تھا۔ اسے خلاء پاٹنے کے لئے بامرِ مجبوری اپنے علم وفن کو شعری صداقتوں میں ڈھالنا پڑا۔ جب اس نے تقویم تیار کرلی، کیمیائی عمل سے لاشیں محفوظ کرنے کا طریقہ دریافت کرلیا، ایسی ایسی عظیم الشان عمارتیں کھڑی کرلیں کہ آج کے انجنیئر اور سائنسدان بھی حیران ہیں تب بھی وہ اس خول سے نہ نکلا جو اس نے اپنے حواس اور عقل وخرد کے گرد بنایا تھا۔ مہذب ومتمدّن ہوتے ہوئے بھی وہ سائنس کو جادو کا نعم البدل نہ بنا سکا۔ اس نے مثبت جادو اور منفی جادو (نواہی کا معاشرتی ضابطہ ٹیبو) کی سوچ اور عمل کے لئے جو سائنسی مواد لیا اسے بھی موروثی گمراہیوں، ریتوں رسموں اور علم وفن میں گوندھ لیا۔ اس نے جو لازوال اور محیر العقول اہرام تعمیر کئے ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ فراعنہ عالی قدر کے مردہ جسم محفوظ کئے جائیں، یہ کام تو ریت بھی بڑی عمدگی سے کرلیتی ہے، نمی سے پاک ہونے کے باعث اس میں مردے محفوظ رہتے، یہ اہرام تو فراعنہ کی ابدی رہائش گاہیں تھیں جہاں ان کی لاشوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے سارے ساز وسامان، روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے اور خورد ونوش کی چیزیں رکھی جاتیں۔ علاوہ ازیں مرنے کے بعد فراعنہ کو دائما زندہ رکھنے کی غرض سے پروہتوں کی ٹولیاں ''کتابِ رفتگاں'' کے ہزاروں منتروں کا ورد کرتے اور درجنوں کی تعداد میں سفید ململ کی پٹیوں کے درمیان لاشوں کے مختلف اعضاء کو محفوظ کرنے کے لئے تعویز رکھتے۔

جادوگر معذور تھا۔ جب اسے دوا معلوم ہی نہ تھی تو وہ کیا کرتا؟ کیا وہ یرقان کے مریض کو کسی تدبیر کے بغیر ہی مرنے دیتا؟ اپنی عقل اور عصری شعور کے مطابق جو کچھ کر سکتا تھا اس نے کیا۔ دراصل جادو کی گرفتیں اتنی کڑی تھیں، اس کی جڑیں تحت الشعور میں اس طرح گڑی تھیں اور

جذباتی تہوں میں اتنی گہری تھیں کہ عہدِ اہرامیہ سے پہلے ہی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک اسے گلے کا ہار بنائے رہا۔

اس نے اہرام کی پتھریلی، دیواروں، چھتوں، فرشوں، عبادت گاہوں، ستونوں، پیپرس کے پلندوں، خشتی لوحوں، غاروں اور مٹی کے برتنوں پر اپنی عقل و دانش اور حکمتوں کے جو خزانے بکھیرے ہیں اور جن سے دنیا کے عجائب خانے لدے پھندے ہیں ان سے پچھلی تین چار صدیوں سے علمائے بشریات الجھے ہوئے ہیں۔ جادوگر ایسی ایسی گتھیاں اور طلسم کدے چھوڑ گیا ہے کہ انہیں سمجھنے کے لئے سینکڑوں سکالروں نے عمریں صرف کیں، ہزاروں کتابیں لکھیں، مخطوطے اپنی زبان میں منتقل کئے اور کام ہنوز جاری ہے۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے بارے میں بہت کم علم حاصل ہوا ہے کیونکہ اس کی زبان ہنوز سمجھ ہیں نہیں آئی۔ ہائروگلیفکس (تصویری خط) اور میخی خط برسوں کی عرق ریزی کے بعد آخر سمجھ ہی لئے گئے۔ وادی سندھ کے خط پر بھی سکالر کام کر رہے ہیں اسے بھی کبھی پڑھ ہی لیا جائے گا۔

بشریات بالخصوص معاشرتی بشریات نے ذہنِ ساحری کے باعث بے پناہ اہمیت حاصل کر لی ہے۔

جادو فی نفسہٖ غلط فہمی کا نتیجہ ضرور تھا لیکن انسان کی شعوری اور تحت الشعوری تحریکوں وجدانی رویّوں اور جذباتی لہروں نے جو گل کھلایا وہ ذہنِ انسانی کے تاریخی مطالعے کیلئے لابدی ہے۔ مغالطے سے بڑی غلط سوچ اور عمل بروئے کار آئے لیکن ارتقائے فکر، مشاہدے اور تجربے کے مدارج کی نسبت بے پناہ معلومات میسر آئیں۔ یہ امر واقع ہے کہ بعد میں مذہب بالخصوص اسلام نے جو صلاح کی فکر و عمل کا قبلہ راست کیا تو اندھیرے دور ہوئے اور اجالے سامنے آئے۔ کفر ٹوٹا، شرک دور ہوا اور نہ صدیوں سے بت خدا کی جگہ سنبھالے ہوئے تھے۔ کعبے بتکدے بن گئے تھے اور دین نہایت منافع بخش کاروبار بن گیا تھا۔ عوام کا اس سے براہ راست رشتہ نہ تھا۔ وہ پروہت کے ذریعے اس کی زد میں آتے۔ پھر دیوداسی جسے زرخیزی، حسن و جمال اور محبت کی دیویوں (عشطار، عیسطارطی، وینس، افرودائتی وغیرہ) کی تحویل میں دیا گیا، اسے ان کی خدمت پر مامور کیا گیا اور ان کے معبدوں کی دیکھ بھال کا فریضہ سونپا گیا بالآخر زنِ بازاری بن کر رسواء ہوئی۔

یہی نہیں بلکہ از منہ وسطیٰ میں یورپ کے معبد ان کی پناہ گاہیں بن گئے اور ان کی کمائی سے تو ہمیشہ معبدوں کا بجٹ مرتب ہوتا رہا۔ اب وہ جنسی زندگی کا پاکیزہ نمونہ یا علامت نہ رہی بلکہ بدکاری کا ذریعہ بن گئی اور معاشرے کے اخلاقی تار و پود بکھیرنے لگی۔

●

جادو، طلسم اور قدیم اوہام

⌘

ٹوٹم قبیلے کے متبرک پیڑ پودے اور جانور کا تصور خداسازی کے عہد سے پہلے پیدا ہوا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تب ٹوٹم ہی سب کچھ تھا، اسی سے درندہ صفت وحشی قبیلوں کا دینی جذباتی سرمایہ عبارت تھا اور آنے والے تہذیبی دور (کم و بیش چھ سات ہزار سال قبل) کے خدائی تصورات کے عناصر ترکیبی رکھتا تھا۔ ممکن نہیں کہ پچھلے دس ہزار سال میں کوئی زمانہ معبود کے خیالی یا حقیقی، سائنسی یا ناسائنسی تصور سے خالی رہا ہو۔ آدمی ٹامک ٹوئیے مارتا رہا اور اپنی شعوری بے بسی کے باوجود ڈوبتے میں تنکے کا سہارا لیتا رہا۔ جب کچھ اور ہاتھ نہ آیا تو اس نے قبائلی اور جغرافیائی ضرورت سے برا بھلا کوئی جانور، کوئی پیڑ پودا منتخب کرلیا اور اسے مقدس قرار دیا یہ اس کا مورثِ اعلیٰ اور جدِّ امجد بن گیا۔ اسے محور بنا کر اس نے معاشرتی رشتے قائم کیے اور اپنی دانست کے مطابق شجرِ ممنوعہ تیار کیا۔

ٹوٹم (مقدس جانور یا پیڑ) کا رشتہ اس قدر قوی تھا کہ اس کے سامنے خونی رشتے بھی ہیچ تھے۔ ممنوعات اور محرمات کا ضابطہ بھی ٹوٹم کے حوالے سے مرتب کیا گیا۔ یہ ضابطہ قبائلی اخلاقیات کا نگہبان تھا اور اس پر انتہائی سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس ضابطے کو ٹیبو کہتے۔ بقول فریزر ٹیبو برقی انسولیٹر (حاجز) کا کام دیتا۔ یعنی یہ برائی اور تباہی کی لہر کو روک لیتا اور قبیلے کو نقصان سے بچاتا۔ بقول فرائیڈ اس ضابطے کو توڑنے والا خود بخود سزا پالیتا۔ وہ خود ٹیبو ہو جاتا۔ یہی ٹیبو اس سے انتقام لیتا، قدرت اس انتقام کا ذمہ لیتی، (جیسے ایدی پس نے باپ کو ہلاک کرنے کے بعد جب اپنی ماں جیکوستا

سے بیاہ رچایا اور اولاد پیدا کی تو رب الشمس اپالو نے پکڑ کی اور شہر تھیبز کو طاعون میں مبتلا کیا)۔

جب معاشرے کی شعوری سطح بلند ہوئی تو معاشرے نے ٹیبو شکن کو سزا دینے کی ذمہ داری قبول کی۔

ٹیبو شکنی معاشرے میں بدامنی پیدا کرتی اور افرادِ قبیلہ کی سلامتی کو خطرے میں ڈالتی۔

ٹیبو ہی سے اوّلین دور کے قبائل نے اپنی اپنی پینل کوڈ تیار کی۔ ٹیبو کا سرچشمہ وہ مخفی سحری قوت تھی جو پروہتوں کے خیال میں افراد اور ارواح میں پائی جاتی تھی اور ان کی وساطت سے غیر جانبدار اشیاء میں منتقل ہو جاتی تھی۔ آدمی کے تراشیدہ بالوں، کپڑوں، جوتوں، لاٹھیوں، ہتھیاروں اور اوزاروں میں جسمانی لمس کے ذریعے یہ مخفی سحری قوت آ جاتی تھی اور دوسروں کے لئے خطرناک بن جاتی تھی۔ انسانی کھوپڑیاں زبردست سحری قوت کی حامل ہوتیں۔ قبائلی جنگوں میں دشمن کے سر کاٹ کر ان کی کھوپڑیاں محفوظ کرلی جاتیں، انہیں غلط طریقے پر چھیڑا جاتا یا ان سے متعلقہ ضابطہ توڑا جاتا تو ان سے ایٹمی توانائی جیسی سحری قوت خارج ہوتی اور کمزور غلط کار کو تباہ کر ڈالتی۔ بادشاہوں اور قبائلی سرداروں میں زبردست سحری قوت مخفی ہوتی، ان کے حضور گستاخی کرنے والے کو موت آ لیتی۔ کمزور رعایا میں اتنی سحری قوت (مانا) نہ ہوئی کہ ان کی طرف دیکھتے یا ان کے سامنے اکڑ کر کھڑے ہوتے۔ اب بھی لوگ بڑی شخصیتوں سے مرعوب و مسحور ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ زیادہ سحری قوت رکھنے والے معتمدوں، مصاحبوں اور وزیروں کے ذریعے بات کرتے۔

سحری قوت دائمی بھی ہوتی اور عارضی بھی۔ فرائیڈ کی تقسیم کی رو سے پروہتوں، قبائلی سرداروں، بادشاہوں اور مردوں میں مستقلاً سحری قوت ہوتی ان کے بارے میں ضابطۂ ممنوعات (ٹیبو) بھی مستقل حیثیت رکھتا۔ ٹیبو کی عارضی صورتیں یہ تھیں ـــــــ

- ایامِ حیض و زچگی میں عورت ٹیبو ہوتی ہے۔ ایسے میں اس کے قریب جانا خطرناک تھا۔
- جنگ پر جانے والا سپاہی بھی ٹیبو ہوتا۔
- شکار بھی ضابطۂ ممنوعات کے تابع تھا۔ شکاری پر کئی پابندیاں لگائی گئی تھیں۔

ٹوٹم اور ٹیبو میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ٹوٹم ہی سے ضابطۂ ممنوعات و محرمات (ٹیبو) برآمد ہوا ہے۔

آپس کے رشتے ٹوٹم کے ذریعے قائم ہوئے اور پھران کا احترام کیا جانے لگا۔

ٹوٹم (مقدس جانور یا پیڑ) قبیلے کا جَدِّ امجد ہوتا۔اس لئے پورا قبیلہ اسی کی اولاد ہوتا۔ غیر قبیلے کی عورتیں شادی کے بعد شریکِ قبیلہ ہوتیں تو وہ بھی اسی ٹوٹم سے وابستہ ہو جاتیں اور ٹوٹمی قبیلے کا فرد بن جاتیں۔

کنگرو قبیلے کی عورت ہرن قبیلے میں آ کر ہرن کی اولاد قرار دی جاتی۔

ٹوٹم ہی کی وجہ سے مرد کے لئے اس قبیلے کی عورتیں ٹیبو ہو جاتیں اور وہ ان سے بیاہ نہ کر سکتا۔خونی رشتہ ہو نہ ہو، ٹوٹمی رشتہ اس ضابطے کی روح ورواں تھا۔جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ٹوٹمی رشتہ خونی رشتے سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

ٹوٹم کی وساطت سے جو کنبہ قبیلہ بنتا اس میں خونی یا معاشرتی لحاظ سے کتنی ہی دور کا رشتہ کیوں نہ ہوتا، مرد وزن میں جنسی تعلق کی اجازت نہ تھی۔یہ ٹیبو (شجرِ ممنوعہ) تھا۔

اس طرح حقیقی کنبے نے ٹوٹمی کنبے کو اپنی جگہ دے دی۔اوائلی عہد کے بوجھ بجھکڑوں نے اپنی فہم وفراست کے مطابق قبیلے کی سلامتی کیلئے ایسے اخلاقی قوانین وضع کئے جن سے برائی نہ پھیلے۔ بچے قبیلے کی عورتوں کو اپنی ماں کی بہنیں اور مردوں کو ان کے بھائی سمجھتے۔وہ انہیں خالہ اور ماموں کہہ کر پکارتے۔زنا بالمحرمات کی روک تھام کیلئے بیرون قبیلہ شادی EXOGAMY رواج ہوا۔

بقول فرائیڈ اوائلی قبائل کا دستور محرمات وممنوعات کیتھولک چرچ میں بھی ملے گا جو عمزادوں میں شادی کی اجازت نہیں دیتا۔

وحشی قبائلی نظام بڑا سخت تھا۔وہ لوگ زنا بالمحرمات کے بارے میں بے حد خوف زدہ تھے۔اوران کا یہ خوف آج بھی موجود ہے۔آج یہ بدترین جرم ہے، کوئی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا، چشم پوشی نہیں کرتا۔

جزیرہ لیپرز (فرائیڈ، ص ۱۰) میں دستور تھا کہ جب لڑکا خاص عمر کو پہنچتا تو ماں باپ کا گھر چھوڑ دیتا۔کلب ہاؤس میں جا کر رہتا۔یہ کلب ہاؤس کیا تھا؟ چھپر کا بنا ہوا مکان جس کے آگے احاطہ ہوتا۔جوان لڑکے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر یہیں رہنے آجاتے البتہ یہ لڑکے کھانا لینے باپ ہی کے گھر جاتے لیکن اسے کلب ہاؤس لا کر کھاتے۔باپ کے گھر کے باہر بھی بیٹھ کر کھاتے۔

اگر بہن اکیلی گھر میں ہوتی تو کھانا کھائے بغیر ہی لوٹ آتے۔

بہن کے سامنے جانا ٹیبو تھا۔ اگر کبھی کھلی جگہ پر بہن بھائی کا آمنا سامنا ہو جاتا تو لڑکی فوراً چھپ جاتی۔

اگر وہ کہیں ایک دوسرے کے قدموں کے نشان دیکھ لیتے تو راستہ بدل لیتے۔

ماں کا رویہ بھی بہن سے ملتا جلتا تھا۔ اگر کبھی ماں اکیلی گھر میں ہوتی اور بیٹا کھانا کھانے آتا تو ماں اسے کھانا نہ پکڑاتی بلکہ زمین پر دھر دیتی۔

جزیرہ نمائے غزالیں میں تو بہن شادی کے بعد بھی بھائی سے گفتگو نہیں کرتی۔ وہ اس کا نام بھی زبان پر نہیں لاتی۔ نام کی بجائے کوئی اور لفظ تراش لیتی۔ اسی طرح ایک علاقے میں عم زاد بہن بھائی چند گز کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بات چیت کر سکتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو تحفہ نہیں دے سکتے۔ ان میں زنا بالمحرمات کی سزا پھانسی ہے۔ فجی میں یہی دستور مروّج ہے لیکن وہاں بعض ایسی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں جن میں اس دستور کو توڑنے کی اجازت ہے۔

وحشی قبائل کے لوگ سمجھتے تھے کہ تنہائی میں عورت اور مرد کی ملاقات انہیں غلط آشنائی کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔

سزا کی دہشت سے وہ قرب سے گریز کرتے۔ یہ گریز ہی ٹیبو تھا۔

جزیرۂ سلیمان کے لوگوں میں خوشدامن سے ہمکلام ہونا تو کجا اس کی صورت دیکھنا بھی منع تھا۔ اگر کہیں سرِ راہے وہ نظر آ جاتی تو برخوردار وہاں سے دوڑ لگاتا اور دور چلا جاتا۔

خوشدامن کا یہ رویہ درحقیقت اس ناراضگی کا اظہار تھا جو اسے اپنی بیٹی کے موروثی ٹوٹمی قبیلے سے کٹ کر دوسرے ٹوٹمی قبیلے میں شامل ہونے سے پیدا ہوتی۔ فرائیڈ کے نزدیک یہ نفرت ایک طرح سے محبت ہی کی بگڑی ہوئی صورت تھی۔ محبت کا جذبہ مجروح ہو جائے تو وہ نفرت میں بدل جاتا ہے۔ اگر یہ جذبہ بحال ہو جائے تو نفرت محبت میں بدل جاتی ہے۔ اسے جذبے کی دورخی ANBI-VALENCE کہا جا سکتا ہے۔

بے رخی اور ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ ماں اجنبی (دوسرے قبیلے کے فرد) کو بیٹی دے کر خوش نہ ہوتی۔ قبائل میں بیاہ کے لئے دوسرے قبیلے کی پسندیدہ لڑکی کو بھگا لانے کا رواج عام تھا۔

پرتھوی راج اور سنجوگتا کے ہرن کا قصہ بہت مشہور ہے۔ بعد ازاں آریاؤں میں سوئمبر کی رسم پڑی جس میں اجنبی آتے اور لڑکی اپنا شریکِ حیات منتخب کر لیتی۔

خوشدامن کی ناراضگی دائمی نہ ہوتی بچہ پیدا ہونے کے بعد رفع ہو جاتی لیکن معاشرتی رویے ٹیبو کی زد ہی میں رہتے۔

ٹیبو جو ٹوٹمی قبائل کا مخصوص تعزیراتی ضابطہ تھا پولی نیشائی لفظ ہے جس کے دو معنی تھے۔

ایک معنی تھے ـــــــ مقدس

دوسرے معنی تھے ـــــــ شجرِ ممنوعہ، خطرناک، ناپاک

ٹیبوئی ضابطے کی ابتداء نامعلوم ہے تاہم اسے قدیم ترین انسانی سوچ کا حاصل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سوچ قبائلی ضرورتوں سے پیدا ہوئی۔ تب بھی خدا اور مذہب کسی شکل میں موجود نہ تھا۔ ٹیبوئی ضابطہ مذہب اور خدا کے تصور سے قدیم تر بتایا جاتا ہے۔

ٹیبو کے اطلاق کے سلسلے میں تین باتیں ملحوظ ہوتیں ـــــــ

ا۔ جس شخص جانور، پیڑ، پودے یا چیز کو ٹیبو کہا جاتا اس کا تقدس یا احترام کس وجہ سے ہے یا کس نوع کا ہے؟

۲۔ تقدس اور احترام کی اس خصوصیت یا خاصیت کی نگہداشت کا تعزیراتی یا قانونی تقاضا کیا ہے؟ کیا بندش لگائی جائے؟

۳۔ اس بندش کو توڑنے سے کیا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

ٹیبوئی ضابطے کے نفاذ سے مقصود یہ تھا کہ ـــــــ

ا۔ پروہت قبائلی سردار اور خاص خاص آدمیوں کو لوگوں کے ضرر سے بچایا جائے اور ان کے احترام کی نگہداشت کی جائے۔

۲۔ ناتواں مخلوق، عورتوں، بچوں اور عوام کی حفاظت کی جائے۔ انہیں زور آوروں کی دست درازی سے بچایا جائے۔

۳۔ لاشوں اور بعض غذاؤں کو قانونی تحفظ دیا جائے۔

۴۔ پیدائش، شریکِ قبیلہ کرنے کی رسم، شادی بیاہ اور جنسی تعلقات کو مداخلت بیجا سے بچایا جائے۔

۵۔ بدروحوں اور خداؤں کا غضب ٹالا جائے اور انسانوں کی جانیں محفوظ کی جائیں۔

۶۔ ٹیبو کر کے آدمی کے اموال واملاک ـــــــــ کھیتوں، اوزاروں اور ہتھیاروں کو چوروں سے بچایا جائے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ ٹیبوئی ضابطے کی اختراع معاشرتی ضرورت کے باعث تھی۔ ٹیبو کے ذریعے آدمی، جانور اور پیڑ پودے کو مقدس اور خوفناک قرار دے کر لوگوں کو خوفزدہ کیا گیا اور قانون شکنی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ ان کی مخفی طاقت کو چھیڑنا تباہ کن انتقام کو دعوت دینا تھا۔ یہ انتقام خودکار ہوتا اس لئے بچاؤ کی صورت ممکن نہ تھی۔

چونکہ ٹیبوئی نظام پروہتوں نے وضع کیا اس لئے بنیادی طور پر اونچے طبقے کے مفاد کی خاطر تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی ذات کو ٹیبو کیا اور اس کے بعد قبائلی ضروریات کا پاس کیا۔ پہلے اس کی شکل رواج کی تھی پھر یہ روایت بنی اور روایت پختہ ہوئی تو اس نے قانون کی شکل اختیار کی۔ اس طرح شجرِ ممنوعہ ـــــــ انسان، حیوان، پیڑ، اشیاء کو چھونا یا غیر قانونی طور پر استعمال کرنا موقوف ہوگیا۔

بقول فرائیڈ تہذیبی ارتقاء اور دیومالا کا یہ رویّہ ہے کہ ارتقاء کی ایک منزل کے بعد جب اگلی منزل آتی ہے تو پہلی منزل کی باتیں مٹ نہیں جاتیں بلکہ کمتر درجے پر اس میں شامل رہتی ہیں۔ یہی صورت ٹوٹم اور ٹیبو کے باب میں ہوئی۔ دینِ ساحری میں تبدیلیاں آتی رہیں، رویّے بدلتے رہے لیکن پرانا ورثہ بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا۔

ٹیبوئی ضابطے کو قبیلوں نے اس لئے قبول کیا کہ لوگ طرح طرح کے اوہام میں مبتلا تھے۔ ان کے تحت الشعور میں ڈر خوف جاگزیں رہتا تھا۔ ڈرے سہمے رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ٹیبو توڑنے سے وہ خود ٹیبو ہو جائیں گے۔ نہ کوئی انہیں چھوئے گا، نہ قریب پھٹکے گا اور وہ اچھوت

ہو جائیں گے، مر جائیں گے۔ یہ موت انہیں اپنے ہی مخفی ڈر خوف سے ملتی۔

ایک قدیم قبیلے کا سردار کبھی پھونک مار کر آگ نہ جلاتا کیونکہ اس طرح اس کا مقدس سانس آگ میں جلایا جاتا اور اسے مقدس کر دیتا۔ یہ تاثیر آگ پر دھرے ہوئے برتن میں اور اس سے گوشت میں داخل ہو جاتی جسے پکانا مقصود ہوتا۔ پھر اگر کوئی شخص اس مقدس گوشت کو کھا لیتا تو مر جاتا۔ ایسا سچ مچ ہو جاتا۔ پرانے وقتوں کے لوگ اپنے اوہام اور اندرونی خوف سے کسی بہانے مارے جا سکتے تھے۔

یہ صرف ایک مثال ہے۔ بشریات دانوں کی کُتب میں ایسی ہزاروں مثالیں ملیں گی جن میں ایسے مفروضوں کا سراغ ملے گا جنہیں مراعات یافتہ لوگوں کیلئے قائم کیا گیا اور ان کے مفاد کی نگہداشت کی گئی۔

آدمی کی فطرت ہے کہ اسے جس چیز سے منع کیا جائے وہی کرتا ہے یا کرنے کا آرزو مند رہتا ہے۔ ٹیبو توڑنا آدمی کی فطرت ہے لیکن یہاں فرائیڈ نے بڑی خوب صورت بات کی ہے۔ آدمی کا اندرونی خوف اس کی آرزو سے قوی تر ہوتا ہے۔ خوف ہی کے مارے وہ اپنی خواہش کا مطالبہ رد کر دیتا ہے۔ ٹیبوئی ضابطے کی بقاء اسی خوف کی بدولت ہے جب پورا قبیلہ پروہت (ساحر سردار) کی اجازت سے، اس کی قیادت میں اسی ٹیبو کو مذہبی تقریب کی شکل میں توڑتا ہے تو اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچتا۔

قدیم ترین ٹوٹمی قوانین دو ہیں ـــــ ٹوٹمی جانور کو مارنے اور ٹوٹمی قبیلے کی عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کی ممانعت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی قدیم ترین اور شدید آرزوئیں انہی دو قوانین کے خلاف تھیں۔ ان آرزوؤں اور جذبوں کی تہذیب ضروری تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو انسانی معاشرہ بدترین اخلاقی بحران اور انتشار کا شکار ہو جاتا۔ اسی لئے ان جذبوں کو سختی سے دبایا اور تحت الشعور میں دھکیل دیا گیا۔

ہم نے قبائلی سردار اور بادشاہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ بے پناہ سحری قوت (مانا) کا حامل ہوتا اسے چھونا منع تھا، جو اسے چھوتا وہ مر جاتا۔ ایسے میں اس کا منہ زور بیٹا جب بڑا ہوتا اور اس میں بوڑھے باپ کی املاک و اموال پر دسترس حاصل کرنے کا شدید جذبہ پیدا ہوتا تو وہ اسے مار ڈالتا اور خود ٹیبو ہو جاتا۔ باپ کی تمام عورتیں اس کے قبضے میں آ جاتیں۔ ایک دن اس کا بیٹا اسے مار ڈالتا

اور بقول فریزر عہدِ قدیم میں کوئی قبائلی سردار اپنی موت نہ مرتا، بیٹے کے ہاتھوں مارا جاتا۔

قبائلی سردار، پروہت، سردار کے مقربوں، عورتوں، بچوں اور عام آدمیوں میں ایک جیسی ایک مقدار میں سحری قوت (مانا) نہ ہوتی۔ اسی لئے ٹیبو بھی یکساں طور پر زبردست نہ ہوتا۔ تریاراج، مادری نظام میں عورت کا ٹیبو مرد سے زیادہ قوی اور شدید ہوتا۔ پدری نظام میں معاملہ الٹ گیا۔ اسی طرح ٹیبو شکنی کی سزا بھی کم وبیش ہوتی۔ قتل اور زنا بالمحرمات کی سزا سب سے کڑی تھی بلکہ جیکوستا نے اپنے بیٹے سے بیاہ کر کے پھانسی لے لی اور بیٹے (ایدی پس) کو اپنے جرم کی خبر ہوئی تو اس نے آنکھیں پھوڑ لیں۔ مطلق العنان ہوتے اور بے پناہ طاقت رکھتے ہوئے بھی انہیں اپنے ہاتھوں سزا بھگتنی پڑی۔ کیونکہ ٹیبوئی ضابطہ، معاشرتی دباؤ اور پروہت کا اثر ورسوخ ملکہ اور مطلق العنان بادشاہ کی طاقت سے بھی کہیں زیادہ طاقتور تھا۔

(شاہ انگلستان ہنری ہشتم کو شادی بیاہ کے قوانین توڑنے سے پہلے پاپائے اعظم کو بے دست وپا کرنا پڑا جو دینی قوانین کا محافظِ اعلیٰ تھا)

پرانے وقتوں میں دینی خدمات، معاشی خطرات اور توہمات شدید صورت اختیار کر گئے تھے۔

ٹیبو کا ٹیبو شکن میں منتقل ہونا اسے غیر محفوظ کر دیتا تھا۔ یہ چھوت کا مرض تھا جس کے تصور ہی سے آدمی کی جان نکل جاتی۔ قبائلی سردار کو چھونے والا ٹیبو تو ہو جاتا لیکن اس میں بادشاہ کی مخفی سحری قوت (مانا) منتقل نہ ہوتی جس کی بنا پر طاقت (مانا) کے بغیر اس کا ٹیبو ہونا اس کے لئے مہلک ثابت ہوتا۔

ٹیبو وہ بندش تھی جو پروہت اور قبائلی سردار کے اختیار سے لوگوں پر لاگو کی جاتی اور براہ راست زبردست انسانی خواہشوں کو تختۂ مشق بناتی، ان خواہشوں کو کچل کر رکھ دیتی۔

ٹیبو کا سب سے عجیب اطلاق اس وقت ہوتا جب کوئی قبیلہ اپنے دشمن کو تہس نہس کر کے آتا اور خوشیاں مناتا۔ دشمن کی لاشیں وہیں چھوڑ آتا لیکن سر کاٹ لاتا کیونکہ سحری نظام میں کٹے ہوتے سر تعویز CHARM کا کام دیتے۔ دشمن کی کھوپڑیاں زبردست سحری قوت "مانا" کی حامل ہوتیں اور اگر ان کی بے حرمتی کی جاتی، ضابطہ ممنوعات ومحرمات (ٹیبو) کو نظر انداز کیا جاتا اور

بے احتیاطی سے کام لیا جاتا تو فاتح قبیلہ تباہی کی نذر ہو جاتا۔

جزیرہ تیمور کے لوگ جب قبائلی جنگ میں دشمن کو شکست دے کر آتے اور مقتولین کا سر کاٹ کر لاتے تو فاتحین کے سردار پر کئی پابندیاں عائد کی جاتیں جن سے انحراف ناممکن تھا۔ مردوں کی روح کو خوش کرنے اور ان کے غضب سے بچنے کے لئے قربانیاں دی جاتیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ قربانی نہ دی گئی تو مارے گئے، دشمن کی روحیں انتقام لیں گی اور قبیلے پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ قربانی کی اس ریت میں سحری رقص بھی شامل ہوتا۔ سحر پرستوں کے یہاں رقص، موسیقی اور شاعری کے عناصرِ ترکیبی ہی سے عبادت کی تشکیل ہوتی۔ عبادت جسے سحریات دان ریت RITUAL کہتے قربانی، رقص، موسیقی اور شاعری ہی کا مجموعہ ہوتی۔ قربانی قدیم ترین ریت ہے۔ قربانی کے ساتھ شعری اور غنائی رقص کر کے اس میں سر کٹانے والوں کا ماتم کرتے اور ان سے معافی مانگتے۔ اس ریت اور رقص کی قیادت سردار قبیلہ کرتا۔ یہ لوگ کہتے ــــــــ

"خفا مت ہو، یہ رہا تمہارا سر ہمارے پاس، ہم کم نصیب ہوتے تو ہمارے سر تمہاری بستی میں سرِ عام رکھے جاتے۔ ہم نے تمہاری خفگی دور کرنے کیلئے قربانی دی ہے۔ اب تمہاری روح چین پکڑ سکتی اور ہمیں چین سے رہنے دے سکتی ہے۔ تم کیوں ہمارے دشمن ہوئے؟ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ ہم دوست بن کر رہتے؟ تمہارا خون بہایا نہ جاتا اور تمہارا سر کاٹا نہ جاتا۔"

یہ منتر بھی سحری تاثیر رکھتے اور بوقتِ رقص ادا کیے جاتے تو اثر انگیز ثابت ہوتے۔ فاتحانہ مہم کے بعد دشمن کی غضب ناک روح کو قابو میں لانے اور اس کی تسکین کیلئے قربانی بے حد ضروری تھی۔ مشرقی افریقہ کے بعض قبائلی تو قربانی دیئے بغیر گھر میں قدم نہ رکھتے۔ اس ترکیب سے دشمن روحوں کو خوش کر کے (قربانی کے ذریعے ان کی شان بڑھا کر) انہیں دوست قبیلے کا نگہبان اور مہربان بنا لیا جاتا۔

سراوک کے لوگ جب دشمنوں کی کھوپڑیاں لے کر فاتحانہ گھر آتے تو کئی کئی مہینوں تک ان کا ادب کرتے اور انہیں بڑے پیارے پیارے ناموں سے مخاطب کرتے۔ ہلاکت کے بعد دشمن سے یہ پیار درحقیقت اپنی عافیت کیلئے اور روح کے غضب سے بچنے کیلئے ہوتا۔ یہ لوگ

کھوپڑی کے منہ میں نوالے تک ٹھونستے۔ کھوپڑیوں سے بار بار التجا کی جاتی کہ اپنے پرانے ساتھیوں کو بھول جائیں اور نئے میزبانوں سے پیار کریں کیونکہ اب یہ انہی میں شامل ہو گئے ہیں۔

جزیرۂ تیمور میں جنگی مہم کا فاتح سردار ریت کے فوراً بعد گھر نہ جاتا۔ یہ ٹیبو تھا۔ اس کے لئے خاص جھونپڑا بنایا جاتا جہاں وہ دو ماہ تک رہتا۔ یہاں اس کی جسمانی اور روحانی تطہیر کی جاتی۔ وہ نہ تو بیوی کی پاس جاتا اور نہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ بعض جگہ لوہے کو چھونا ممنوع تھا کیونکہ لوہے (تیر، بھالے) کے لئے دشمن کو مارا اور اس کا سر کاٹا جاتا۔ گوشت ممنوع تھا، خاص برتنوں میں سبزیاں تیار کر کے دی جاتیں۔ گوشت کی ممانعت اس لئے تھی کہ اس نے گوشت پوست کے انسانوں کو مارا تھا اس طرح فاتح کو مقتول کے لہو کی بو سے محفوظ رکھا جاتا ورنہ وہ بیمار ہو جاتا اور مر جاتا۔

مقتول دشمن کا ماتم اسی اہتمام سے کیا جاتا جیسے کسی اپنے عزیز کا کیا جاتا۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا کہ وحشی قبائل مقتولوں کی روحوں سے بہت ڈرتے۔ انہیں وہم تھا کہ یہ مردے سے کہیں زیادہ قوی اور ہلاکت آفریں ہوتی ہیں۔ مرنے والا تو مر گیا اور دشمن کا بال بیکا نہ کر سکا لیکن اس کی روح اسے تباہ کر سکتی ہے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں میں مقتولوں کی روحوں کی غضب نا کی اسی وہم کی غمازی کرتی ہے۔

دورِ ساحری میں یہ خیال بہت عام تھا کہ مقتول کی روح اپنے قاتل کا پیچھا کرتی ہے چنانچہ اسے بھگانے کے لئے منتر پڑھے جاتے، رقص کیے جاتے، قربانیاں دی جاتیں اور ٹیبو ضابطے کی پابندیاں عائد کی جاتیں۔

ایک بات یاد رہے کہ خدا کی طرف سے کسی نوع کے قوانین نازل ہونے سے بہت پہلے وحشی قبائل کے پاس اپنا ہی تیار کیا ہوا یہ فرمان تھا ـــــــ "تو کسی کو قتل نہیں کرے گا اور اگر تو نے قتل کیا تو سزا سے نہ بچے گا۔"

قتل کا احساسِ جرم اسے تائب ہونے اور دشمن کی روح کو منانے پر مجبور کرتا اور وہ اپنی عقل کے مطابق ریت (عبادت) کے ذریعے اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتا۔

فرعون کی لاش

⌘

قدیم مصر کے دینی فلسفے آداب و رُسوم کے بارے میں جو معلومات میسر آئی ہیں، اہرام ان کا سب سے اہم ماخذ ہیں جہاں سے ہزاروں سال پرانی تہذیب برآمد ہوئی ہے۔ یہ تہذیب فراعنہ کی حنوط شدہ لاشوں، تعویزوں، سحری نقوش، ساز و سامان اور (متون اہرامیہ) کی صورت میں ملی ہے۔ متون اہرامیہ میں ''کتابِ رفتگاں'' سب سے بڑھ کر وقیع ہے۔ اسی میں مردوں کی حیاتِ ابدی کے نسخے درج ہیں۔ پروہتوں کے نزدیک اس کے منتر سحری تاثیر رکھتے، سفرِ آخرت کو سہل بناتے اور مرنے والے کو بقائے دوام کی ضمانت دیتے۔ منتروں کا ورد کیا جاتا۔ قدیم مصری زبان میں کتابِ رفتگاں کو ''ریوع نوع برطام حروع'' کہتے تھے۔

ملوکیت نے قدیم مصری فلسفے اور ریتوں رسموں کو جنم دیا۔ فرعون کے لئے اس کی منشا اور طلب کے مطابق مذہب کے تانے بانے بنے گئے اور نہایت مضبوط پروہتی نظام قائم کیا گیا۔ مذہب اور پروہت کی اصل ضرورت کا آغاز فرعون کی موت سے ہوتا۔ ادھر فرعون مرتا ادھر کتابِ رفتگاں اور دوسری کتابوں کے منتروں کا عمل شروع ہوتا۔ پروہتوں کی کھیپ مردے کی سلامتی، لازوال زندگی اور آخرت کی آزمائشوں میں کامیابی بخشنے کی سعی کرتی۔ فرعون کی حیاتِ اُخروی اہم تر تھی۔ آج حیاتِ دینوی سے پانچ ہزار سال پرانے اہرام اور حنوط شدہ اجسام اس کا ثبوت ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ قدیم مصری مذہب سامریت اور مسلکِ ساحری زندوں سے کہیں زیادہ مردوں کا مذہب تھا تو یہ غلط نہیں۔

حیات بعد از ممات کے تصور نے فنِ تعمیر اور علم الکیمیا کو بے مثال عروج بخشا۔ بت پرستوں کی کوئی تہذیب اس باب میں ارضِ فراعنہ کی تہذیب کا مقابلہ نہیں کرتی۔ کہیں ایسے معمار اور کیمیا دان پیدا نہ ہوئے۔ ایسے دیرپا مقبرے اور ایسی دیرپا لاشیں اتنی بڑی تعداد میں نیل دیس کے سوا کہیں سے دستیاب نہیں ہوئیں۔

قدیم مصر میں جسم کی سلامتی اور مرنے کے بعد اس کے تحفظ کی مثال دیو مالا میں موجود ہے۔

رَبُّ الارض (رُت دیو) اوسائی رِس اس دنیا میں جسمانی زندگی بھی بسر کر چکا تھا۔ اس نے مروجہ ضابطۂ اخلاق کے بموجب اپنی بہن آئی سس سے بیاہ کیا۔ لوگوں کو زراعت اور عبادت کے طریقے سکھائے۔ انہیں دین اور اخلاق کا ضابطہ دیا اور آدم خوری سے نجات دلائی۔ اس کا عہدِ حکومت بے مثال تھا اور یہی خصوصیت اس کی ہلاکت کا سبب بنی۔ اس کا بھائی سَیط اس سے جلنے لگا۔ اس نے ساتھیوں سے مل کر اوسائی رس کو موت کی گھاٹ اتارا اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ غمزدہ آئی سس نے منتشر ٹکڑے جمع کر کے سحریاتی عمل کیا، منتر پڑھے، ٹکڑے جڑ گئے۔ اوسائی رس پھر جی اٹھا اور لافانی ہو گیا۔ اب یہ پاتال میں چلا گیا۔ وہاں جا کر مردوں کا بادشاہ اور یومِ حشر کا قاضی بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بہنوں (آئی سس اور نیف تس) نے اس کی ممی تیار کروائی۔

یہ حنوط شدہ لاش کی سب سے پرانی مثال ہے۔ اس کی تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی۔ بہر حال لاش کی حفاظت کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ فراعنہ کی آمد (۳۴۰۰ ق۔م) سے پہلے جب مصر الگ الگ (زیریں یا شمالی اور بالائی یا جنوبی) مملکتوں میں بٹا ہوا تھا۔ لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہوں نے دھرتی پر جو جسم دھرے ہیں مردے انہی سے ملتے جلتے جسموں میں دوبارہ جی اٹھیں گے۔ وہ مردے کے جسمانی احیاء کے قائل تھے۔ چنانچہ قبروں اور مقبروں میں کھانے پینے اور روزمرہ کے استعمال کی جو چیزیں رکھتے وہ اگلی دنیا میں کام آنے کے لئے ہوتیں۔ بعد کے زمانوں میں اس عقیدے میں جزواً ترمیم واصلاح کی گئی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے خیال میں جسم تو یہیں رہتا البتہ مردے کی غیر فانی ذات آسمان پر چلی جاتی اور وہیں رہتی۔

یہ تو بھلے لوگوں کی باتیں تھیں کہ وہ سفرِ آخرت کامیابی سے طے کر لیتے جس کی بدولت انہیں ربّ الشمس کا قرب حاصل ہوتا اور وہ مر کر ابدی زندگی پاتے ورنہ بُرے لوگ تو سفرِ آخرت کی

پہلی منزل ہی پر ختم ہو جاتے۔ اوسائی رس دیوتا کے ضابطۂ عدل کے مطابق مردے کا دل یا ضمیر تولا جاتا، اگر ترازو کے پلڑے برابر ہوتے تو مردے کو ربُ الشمس کے پاس جانے دیتے اور اگر دل بوجھل نکلتا تو مگرمچھ کے منہ والا خونخوار درندہ اسے ہڑپ کر جاتا اور پھر مردے کا کام تمام اور وہ حیاتِ اُخروی سے محروم ہو جاتا۔

بہر حال عقائد کے ردوبدل میں یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہی کہ فرعون کبھی جسم کے تحفظ سے غافل نہیں ہوا۔ وہ جیتے جی معمولی سے ایوان میں رہتا لیکن اپنے مدفن کی تعمیر پر حتی الامکان اپنی زندگی ہی میں تمام مادی وسائل صرف کر دیتا۔ غلاموں کا لشکر مصروف تعمیر رہتا۔ ذہین ترین انجینئر نقشے تیار کرتے اور تعمیر کے دوران اس غضب کی نگرانی کرتے کہ پتھروں کی پیمائش، تراش خراش اور تنصیب میں بال برابر فرق نہ آنے دیتے۔ اسی طرح حسبِ دستور بہ کمال احتیاط اس کی لاش کو کیمیائی اجزاء سے محفوظ کیا جاتا۔

اہرام اور حنوط شدہ لاشیں علم کا خزانہ ہیں۔ دنیا کے عجائب خانے اہرام کے نوادر سے مالا مال ہیں۔ بشریات دانوں نے دنیا کی مختلف زبانوں (خصوصاً جرمنی، فرانسیسی اور انگریزی) میں سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ تالیف و تصنیف اور تحقیق و تفتیش کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر والٹر ایمرے جن کی تالیف "قدیم ترمصر" ۳۲۰۰ سے ۲۷۸۰ ق م تک معاشرے اور دینی رسوم پر روشنی ڈالتی ہے، مصر کے تپتے ہوئے ریگ زاروں میں حنوط شدہ اجسام تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں دنیا کے اولین معمار اور طبیب عمون حوطیب کا مقبرہ اور اس کی حنوط شدہ لاش مطلوب ہے۔ تین سال قبل انہیں ایسا دفینہ ملا تھا جن میں لاکھوں حنوط شدہ اجسام تھے۔ یہ اجسام فرعون شیع عوفس کے ہرم کے قریب میل بھر لمبی سرنگ میں سے برآمد ہوئے۔

علم البشر (اینتھر وپولوجی) کے فروغ اور اس کا دائرہ کار کی توسیع میں بالعموم قدیم مصر تہذیب و ثقافت اور بالخصوص اہرام اور فراعنہ کی حنوط شدہ لاشوں کا بڑا دخل ہے۔ انیسویں صدی سے ان پر مسلسل کام ہو رہا ہے اور اب تو بیسویں صدی کی جدید ترین سائنسی اختراعات اور معلومات کے ذریعے بھی گتھیاں سلجھائی جا رہی ہیں۔ عملِ حنوط کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے لاشعاعی عکاسی (ریڈیوگرافی) سے کام لیا جا رہا ہے۔ آدمی کی اصل، اس کی تہذیب و ثقافت اور قبل

تاریخ کے حالات جاننے کے لئے عصرِ حاضرہ کے علوم وفنون مفید ثابت ہوئے ہیں۔

ایک مدت تک علمائے بشریات سمجھتے رہے کہ دنیا کی قدیم ترین تہذیب وثقافت کے سلسلے میں مقبرے، خانقاہ اور معبد معلومات کا سب سے پرانا اور سب سے معتبر ذریعہ ہیں۔ مردے آپ اپنی شہادت دیتے ہیں۔ ان کے ڈھانچے، ان کی حنوط شدہ لاشیں اور قبریں ایسے شواہد فراہم کرتی ہیں جن کی مدد سے پرانی تاریخ کی کڑیاں مرتب کی جاتی ہیں۔

اہرام میں فرعون کے لئے اس کی ممی کے ساتھ وہ تمام اشیاء دفنائی جاتیں جنہیں وہ زندگی بھر استعمال کرتا۔ کھانے پینے کی اشیاء بکثرت رکھی جاتیں۔ خدام کو قربان کر کے فرعون کے ساتھ دفنایا جاتا۔ سونے کے انبار لگائے جاتے۔ ان انمول دفینوں کا تعلق دینی عقائد سے تھا۔ تابوت میں ممی کے پاس ''کتابِ رفتگان'' کا نسخہ رکھا جاتا۔ فرعون کے بدن پر جگہ جگہ تعویز باندھے جاتے اور نقش رکھے جاتے جو اپنی سحری تاثیر کی بدولت فرعون کو ابدی زندگی بخشنے میں معاون ثابت ہوتے۔ نقوش میں ربُ الارض اوسائی رس کی ممی نیز اس کی بہن (اور بیوی) آئی سس اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی شبیہہ ہوتی۔ ناگ دیوی اور شاہین کے نقش بھی تیار کئے جاتے۔ دینِ ساحری میں ناگ اور شاہین خاص مقام رکھتے۔ شاہین فرعون کا روح بردار تھا اور ناگ زمین پرستوں کا دیوتا تھا۔

یہ تعویز اور نقش اپنے لمس سے مردے کے لئے موجب خیر و برکت ٹھہرتے۔

فراعنہ کی جو حنوط شدہ لاشیں ملی ہیں ان میں فرعون طوطخ عمون نے بڑی شہرت پائی ہے۔ ۱۹۲۲ء میں آثارِ قدیمہ کے برطانوی ماہر ہاورڈ کارٹر نے اس کمسن فرعون کا مقبرہ دریافت کیا اور اس کا تابوت کھولا۔

۱۹۲۷ء میں کارٹر کی کتاب ''طوطخ عمون کا مقبرہ'' لندن میں شائع ہوئی۔

طوطخ عمون دنیا کے سب سے پہلے توحید پرست فرعون آخن عطون کا داماد تھا۔ نخوس نیفا عطون (ربِ واحد عطون کی بدولت زندہ رہنے والی) کے شوہر کا پہلا نام طوطخ عطون (ربِ واحد عطون کی زندہ شبیہہ) تھا۔ خسر کی وفات کے بعد ربِ عطون کا زور ٹوٹ گیا چنانچہ اسے عطون کا شہر بھی چھوڑنا پڑا اور وہ ربِ عمون کے شہر ''تھی بیز'' میں منتقل ہو گیا اور اسی کو اس نے

پایۂ تخت بنایا۔ پھر متروکہ بستی میں ایک بھی آدمی نہ رہا۔ ربّ واحد عطون کے پوجنے والے ایک ایک کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔ شہر کے گلی کوچے ویران ہو گئے۔ پرانا پروہتی نظام از سر نو جی اٹھا اور شہرِ عطون قہر آفرین انتقام کی نذر رہوا۔ ایک ایک گھر منہدم کیا گیا، ایک ایک معبد کھنڈر کیا گیا۔ عطون اور اس کا ہر نقش مٹا دیا گیا۔ عمون کے پروہت پھر پہلے کی طرح طاقتور ہو گئے اور انہوں نے طوطخ عطون کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسے اپنا نام تک بدلنا پڑا۔ اس نے نیا نام طوطخ عمون (ربِّ عمون کی زندہ شبیہہ) رکھا۔ پرانے شہر میں اس نے اپنی زندگی ہی میں مدفن تیار کروالیا تھا۔ لیکن اسے بھی چھوڑ دیا اور ''تھی بیز'' میں نیا مدفن بنوایا۔ یہ مدفن وادی فراعنہ (شاہی قبرستان) میں تھا۔

پچھلے سال جب طوطخ عمون کا ہرم دوبارہ کھولا گیا تو لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ حنوط شدہ لاش کا سر کٹا ہوا تھا۔ اسے ۱۴۰۰ ق م میں دفن کیا گیا تھا۔ بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ ممّی لکڑی کے ایسے صندوق میں پڑی تھی جس میں شکر رکھی جاتی تھی۔

لور پول یونیورسٹی کے معلّمِ عضویات ڈاکٹر جارج ہیری سن کی قیادت میں ایک جماعت وادیِ فراعنہ میں آئی اور اس نے دوبارہ مقبرہ کھولا تا کہ طوطخ عمون کی حنوط شدہ لاش کی لاشعاعی تصویر لی جائے اور اس کی ہلاکت کا سبب دریافت کیا جائے۔ بریسٹیڈ (مولفِ تاریخ مصر) بتاتا ہے کہ یہ فرعون چھ سال تک حکومت کرنے کے بعد اچانک غائب ہو گیا۔

حنوط شدہ لاشوں پر لاشعاعی عمل بکثرت ہو رہا ہے اور اس سلسلے میں نت نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں۔ عام آدمی کچھ نہیں جانتا۔ اس کے لئے عجائب خانے میں رکھی ہوئی ممیاں دیکھنے اور جی خوش کرنے کی شے ہیں اور بس لیکن سائنسدانوں کے لئے یہ علم وفن کا خزانہ ہیں۔ وہ لاشعاعی عمل اور دوسرے ذرائع سے ان کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے معدوم نسل انسانی کی جسمانی ہئیت معلوم کرتے ہیں۔ ان کا مدفن پرانی تہذیب کی گراں قدر کتاب ہے۔

حنوط شدہ لاش اور ڈھانچے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حنوط شدہ لاش کی نسیلی بافتیں (ٹشو) بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان سے ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو ڈھانچوں یا تہذیبی سرمائے سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ علمائے بشریات نے ان پر تجربہ کر کے پرانے وقتوں کی بیماریوں کا کھوج لگایا ہے۔ یوں زندگی کے مطالعے نے تاریخی شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر حنوط شدہ

لاشیں کیمیا دانوں کے لئے بھی علم وفن کا انمول ذخیرہ ہیں۔ حنا طی کا فن مصر سے مخصوص تھا اور اس میں وہاں کے کیمیا دانوں نے بے مثال کمال پیدا کیا۔ حناط محض کیمیا دان نہ ہوتا بلکہ اس کا فن مذہبی عقائد کے تابع تھا۔ مردے سے ریتوں رسموں کا طویل اور پیچیدہ سلسلہ وابستہ تھا اور اسے دائما محفوظ کرنے کی غرض سے جن ادویہ اور کیمیائی اجزا سے کام لیا جاتا وہ عقیدے کی رو سے ''مانا'' (سحری تاثیر) رکھتے۔ ''مانا'' ایسی قوت تھی جو ہر ذی روح اور ہر غیر ذی روح میں پائی جاتی۔ ناگ کی ''مانا'' مہلک تھی جسے ڈستا وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح فرعون خوفناک ''مانا'' کا حامل ہوتا۔ اجنبی اس کے حضور میں جاتا تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں نہ ملاتا، اس کے قریب جاتا نہ اسے ہاتھ لگاتا کہ اس کے قرب اور لمس میں ہلاکت تھی، اسی طرح جڑی بوٹیوں اور دوائی اثر رکھنے والے پتھروں میں ''مانا'' ہوتی۔ یہی ''مانا'' بیماری دور کرتی۔

وقتی ضرورت کے تحت تجہیز و تدفین سے تعلق رکھنے والوں نے علاحدہ بستی بسالی۔ گورکنوں کی اس بستی میں حناط، تابوت ساز، سنگتراش، بڑھئی، پروہت اور وہ سب لوگ رہتے، مردہ جن کی خدمات کا محتاج ہوتا۔ حناطوں کے اڈے عارضی ہوتے۔ جب لاش آتی تو ممی تیار کرنے کے لئے اڈا بن جاتا۔ کام کی تکمیل کے بعد اڈا توڑ دیا جاتا۔

حناطوں کے یہاں نطرون (خام شورہ) کے حوضوں سے بو آتی رہتی۔ ان میں مقررہ ایام تک لاش رکھتے۔ ممی تیار کرنے کے تین طریقے تھے۔ پہلے طریقے میں نفاست تھی اور اس سے صحیح معنی میں ممی تیار ہوتی۔ یہ طریقہ گراں تھا اور فرعون، ملکہ، شہزادوں، شہزادیوں اور اہلِ دربار کے لئے مخصوص تھا۔ باقی طریقے نسبتاً ارزاں تھے۔ لوگ حسب حیثیت ان میں سے کوئی طریقہ منتخب کر لیتے۔

کامل عملِ حنوط کے مطابق سب سے پہلے لوہے کے آنکڑے (ہک) سے نتھنوں میں سے دماغ نکالتے۔ اس طرح کچھ حصہ خارج ہو جاتا۔ باقی دماغ ادویہ ڈال کر خارج کرتے۔ پھر پتھر سے پہلو میں شگاف ڈالتے اور آنتیں نکال لیتے۔ شراب سے پیٹ صاف کرتے۔ خوشبو میں ڈال کر اسے اور اچھی طرح صاف کر لیتے۔ اس کے بعد خالص مُرمکی (ببول کی چیڑ) تیج پات کے سفوف اور دوسری خوشبودار چیزوں سے پیٹ بھر دیتے۔ ان میں لوبان شامل نہ ہوتا۔ اب شگاف سی کر بند کر دیتے۔ آخر میں لاش کو نطرون (خام شورے) کے حوض میں ڈال کر اوپر سے ڈھانپ دیتے۔

ستر دن تک لاش یہیں رہتی۔ اس سے زائد مدت تک حوض میں لاش رکھنا ممنوع تھا۔ مقررہ دنوں کے بعد لاش نکال کر صاف کی جاتی۔ بعد ازاں گوند سے تر کی ہوئی نفیس ململ کی پٹیاں ارد گرد لپیٹی جاتیں۔ پٹیوں کا مجموعی طول کئی کئی سو گز تک پہنچتا۔ ایک ممی کی پٹیاں ساڑھے چار سو گز لمبی نکلتیں۔ ایک اور ممی کی پٹیاں ۸۷٦ گز لمبی نکلیں۔ اب ممی تیار ہوتی اور ورثا آ کر اسے لے جاتے۔ اس کے قد و قامت اور شکل و صورت سے ملتے ہوئے کاٹھ کے صندوق میں رکھ دیتے۔ آنتیں الگ مرتبان میں رکھ لی جاتیں اور ممی کے ہمراہ دفنائی جاتیں۔ اس سے کم گراں طریقہ یہ تھا کہ پہلو میں شگاف کرتے نہ آنتیں نکالتے۔ پچکاری کے ذریعے دیودار کا تیل اندر داخل کر کے شکم بھر دیتے۔ مقعد کا سوراخ بند کر دیتے تاکہ تیل باہر نہ نکلے۔ ستر دن تک لاش کو نطرون میں رکھتے۔ آخری دن دیودار کا تیل خارج کر دیا جاتا۔ تیل اتنا تیز ہوتا کہ آنتیں وغیرہ مائع کی شکل میں بہہ جاتیں۔ نطرون گوشت کو بھی زائل کر دیتا۔ صرف کھال اور ہڈیاں رہ جاتیں۔ یوں ممی تیار کر کے ورثا کو سونپ دی جاتی۔ حنوط کا آخری طریقہ سب سے سستا تھا۔ اس میں بدن اندر سے صاف کر کے لاش کو ستر دن تک نطرون میں بھگوئے رکھتے اور ورثاء کے حوالے کر دیتے۔

نامور یونانی سیاح ہیرودوطس نے پانچ سو سال قبلِ مسیح لاشیں محفوظ کرنے کے جو طریقے سپردِ قلم کیے وہ ہزاروں سال سے رائج تھے۔ مرد و زن سبھی کی ممیاں تیار کی جاتیں۔ پروہت ممیوں میں تعویز رکھتے۔ پٹیوں کے اندر ذاتی استعمال کے زیورات، جواہرات اور قیمتی پتھر رکھتے۔

فرعون کا جنازہ بڑے اہتمام سے مقبرے تک لے جاتے۔ سب سے آگے خدام سروں پر سنگِ مرمر کے مرتبان اٹھائے چلتے۔ ان میں کھانے پینے کی چیزیں اور قیمتی مرہم ہوتے پیچھے پیچھے لوگ لکڑی کے لمبے لمبے صندوق لئے آتے۔ ان میں مرنے والے کے زیورات اور ملبوسات ہوتے۔ عورت ہوتی تو عطردان، خوشبودان، زیبائش اور افزائشِ حسن کا سامان بھی ہمراہ ہوتا۔ ان کے بعد چند آدمی بے پہیے کی گاڑی کھینچتے آتے جس میں چھتر والا مرتبان رکھا ہوتا۔ مرتبان میں مردے کی حنوط شدہ آنتیں ہوتیں۔ اس کے آگے آگے چھوٹا پروہت خاموشی سے شبد جپتا اور فرعون کے حق میں کلماتِ خیر ادا کرتا جاتا۔ باقی پروہت حنوط شدہ لاش کے ہمراہ رہتے۔ لاش چھتر والی پہیہ گاڑی میں دھری ہوتی۔ یہ گاڑی دوسرے بے پہیہ گاڑی پر جمائی جاتی۔ تھوڑے

تھوڑے وقفے کے بعد پروہت بآوازِ بلند کہتے جاتے ''امن وسلامتی سے ربِّ عظیم کی جانب رواں۔'' ان کے پیچھے ورثاء اعزا اور احباب ہوتے۔ پیشہ ور عورتیں ہوتیں جو ماتم کرتیں، چھاتیاں پیٹتیں، بال نوچتیں اور روتیں۔

مذہبی تقدس سے قطع نظر فراعنہ کے مقبرے زروجواہر سے معمور ہوتے۔ چوروں کو کسی کی عاقبت سے سروکار نہ تھا۔ چوری ان کا پیشہ ٹھہرا۔ ایک مخطوطے سے پتہ چلتا ہے کہ چور مقبرے کے محافظوں سے مل جاتے اور چوری کرتے۔ چور اس قدر منہ زور ہوگئے کہ پروہت عاجز آگئے۔ وادیٔ فراعنہ سے جو ممیاں ملی ہیں بیشتر کو چوروں نے نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ظالم چاقوؤں سے چیر پھاڑ کر پٹیوں میں سے سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات نکال لیتے۔ جاتے جاتے توڑے پھوڑے ہوئے تابوت جلا دیتے۔ ایک جگہ سے ایک بازو ملا ہے جو زروجواہر سے لدا پھندا ہے۔ ظاہر ہے کہ چور جلدی میں ممی کا یہ بازو ہمراہ نہ لے جاسکے اور وہیں پھینک گئے۔

بیسویں خاندان (۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک) فراعنہ (رع موسیٰ سوم سے رع موسیٰ دوازدہم تک) اور اکیسویں خاندان (۱۰۰۰ سے ۹۴۵ ق م تک) کے فراعنہ کے عہد میں چوری کی وارداتیں بہت عام ہوگئیں۔ چوروں کے ہاتھوں ان فراعنہ کے مقبرے بھی محفوظ نہ رہے جن کی یاد ابھی پروہتوں کی ذہن میں محفوظ تھی۔ نہایت مضبوط و مستحکم پہاڑی مقبرے میں اس کی تدفین، تدفینی ریتوں رسموں کی ادائی اور مردے کی عاقبت سنوارنے کی ذمہ داری پروہتوں پر عائد ہوتی اور یہ سب کچھ انہی کے زرخیز ذہن کی اختراع تھی۔ اپنے دین کو خطرے میں دیکھ کر انہوں نے فراعنہ کی لاشوں کو چوروں کی دستبرد سے بچانے کی تدبیریں کیں۔ چور بڑی بے دردی سے ممیوں کی بے حرمتی کرتے۔ شاہی قبرستان (نیکروپولس) کے پروہتوں کو ازسرِ نو ممیوں کے لئے زروجواہر اور قیمتی فرنیچر مہیا کرنا پڑتا اور بار بار پٹیاں باندھنی پڑتیں۔ ممیاں پھر بھی محفوظ نہ رہتیں۔ چوروں اور پروہتوں کی یہ دوڑ آخر ختم ہوئی۔ ممیوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور دیانتدار محافظوں کی تعداد بہت کم۔ ایک بار اگر ممی مسخ کردی جاتی تو فرعون کی ابدی زندگی کے امکانات یکسر معدوم ہو جاتے۔ بالآخر ایک رات انتہائی رازداری سے تمام حنوط شدہ لاشیں جمع کر کے وادیٔ فراعنہ میں لائی گئیں۔ تیرہ حنوط شدہ لاشیں فرعون عمون عوفس سوم کے مقبرے میں رکھی

گئیں۔ فراعنہ، ان کی بیگمات، شہزادوں اور شہزادیوں کی ممیاں ایک چٹان کو اوپر سے پھاڑ کر بہت نیچے کر کے رکھ دی گئیں۔ سوراخ بند کر دیا گیا۔ ۱۸۷۱ء میں احمد الرسول (مصری) نے یہ راز معلوم کیا۔ ممیاں بھی مل گئیں۔

ان ممیوں میں فرعون منفتاح (مرنفتاح) اور بعض دوسرے فراعنہ حیط شیب سُو ط، عمون عوفس کی ممیاں نہیں ملیں۔ منفتاح (۱۲۲۵ سے ۱۲۱۵ ق م تک) کے بارے میں مشہور ہے کہ ساحرِ اعظم سامری اسی کا نمائندہ تھا۔ اسی فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے تصادم ہوا، یہی فرعون دریائے نیل میں ڈوب مرا۔ حال ہی میں فرعون منفتاح کی ممی "تھی بیز" سے ملی ہے۔

چوروں سے بچانے کے لئے ممیاں دو دو تین تین جگہ منتقل کی جاتیں۔ پروہت ہر ممی کے ساتھ اس کے نام کا پرزہ بھی رکھ دیتے اور ان مقبروں کا نام بھی لکھ دیتے۔ جہاں جہاں سے انہیں لایا جاتا۔ مثال کے لئے فرعون رع موسیٰ سوم کو لیجیے۔ اسے تین جگہ دفنایا گیا۔

دو فرعونوں طوطع عمون اور عمون عوفس دوم کی ممیاں اپنے اصل تابوتوں سے ملیں اور جہاں سے ملیں وہیں رہنے دی گئیں۔

جب کبھی کسی ہرم سے کوئی ممی برآمد ہوئی تو آندھی کی طرح آناً فاناً دنیا بھر میں خبر پھیل گئی۔ عکاس، مصور اور نقاش جمع ہو جاتے اور ایک ایک چیز کی تصویر اتارتے، نقشے تیار کرتے، فہرستیں بناتے، اخبارات خبروں کا اجارہ لیتے۔ افتتاحی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے دنیا بھر کے لوگ آتے۔

طوطع عمون کی ممی صحیح و سالم ملی اور اس کے ساتھ دفینے بھی برآمد ہوئے۔ طوطع عمون کی ممی اور دوسری ممیوں نے مختلف سائنسی شعبوں کے کارکنوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے۔ کیمیادان، عضویات دان، معاشرتی بشریات کے عالم اور لاشعاعی عمل کے ماہر، فراعنہ اور ان کے حنوط شدہ اجسام کی سائنسی اور تہذیبی حقیقت جاننے میں لگے ہیں۔ اب تک سینکڑوں حنوط شدہ اجسام مل چکے ہیں۔ اوّلین دور کے محققین کے راستے میں ایک رکاوٹ پڑ گئی جو بعد ازاں رفع ہو گئی۔ ہزاروں سال پرانے حنوط شدہ اجسام محفوظ و سلامت ضرور نظر آتے لیکن ان کی میعاد ختم ہو چکی تھی۔ پٹیاں کھولی جاتیں اور اعضاء چیرے پھاڑے جاتے تو یہ گلنے سڑنے لگتے۔ بعض ممیوں

کی حالت اس حد تک نازک تھی کہ انہیں چھوا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ دراصل وہ مٹی ہو چکی تھیں۔ بھول کر ہاتھ لگایا اور وہ بکھر گئیں۔ مہین مہین سفوف اڑنے لگا۔

پٹیاں باندھتے وقت لاشوں میں ہار، انگوٹھیاں، کنگن، بازو بند اور زرو جواہر رکھے جاتے، انگلیوں پر سنہری خول چڑھائے جاتے۔ سب سے نچلی تہوں میں زرو جواہر کے خولوں میں مڑھے ہوئے نقش اور تعویز رکھے جاتے۔ طوطنخ عمون کی ممی میں سے ۱۴۳ قیمتی تعویز نکلے۔ یہ تعویز ایک سو ایک مختلف جگہوں میں رکھے ہوئے تھے۔

ممی کی پٹیوں میں لپٹی ہوئی اشیاء نکالنے کے لئے بڑی دشواری پیش آتی۔ بیشتر صورتوں میں پٹیاں کھولنا ممکن نہ تھا۔ ان میں گوند اور چیکنے والے تیل ڈالے گئے تھے جو اب سیاہ پڑ گئے اور پتھرا کر رہ گئے تھے۔ انہیں صرف چھینی کی مدد سے چھیل چھیل کر ہی الگ کیا جا سکتا تھا لیکن یہ طریقہ خطرناک تھا۔ اس سے سب کچھ غارت ہو جاتا۔ علمائے بشریات سخت مشکل میں تھے۔ ممی ایسی تاریخی دریافت کے ضمن میں ان پر تحقیق کا دروازہ بند تھا۔ لاشعاعی مشاہدے سے ممکن تھا۔ لیکن بیشتر محققین کے پاس لاشعاعی آلات نہیں تھے اور پھر عجائب گھروں کے ناظم حنوط شدہ لاشیں پل بھر کے لئے بھی عمارت سے باہر نہ لے جانے دیتے۔ کون ان انمول خزانوں کو کسی کے حوالے کر سکتا تھا؟ آخر کار چھوٹی چھوٹی گشتی لاشعاعی تجربہ گاہیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ ان کی مدد سے ممیوں کی چھان پھٹک ہونے لگی۔ ایک ممی کے بارے میں لاشعاعی مشاہدے کے بعد عجیب و غریب بات معلوم ہوئی۔ مدتوں سمجھا جاتا رہا کہ یہ ملکہ میٹریع کے بچے کی ممی ہے لیکن وہ بندر کی ممی نکلی۔ اسی طرح لاشعاعوں کی مدد سے ایک حنوط شدہ لاش کی پیشانی پر ناگ کا نشان پایا گیا۔ ایک ممی کے ہونٹوں پر ٹھوس سونے کا قرص رکھا ہوا پایا گیا۔ یہ قرص ربُ الشمس کی علامت تھا۔ ایک ممی کی کھوپڑی کے پچھلے حصے میں ٹھوس مواد پایا گیا۔ دراصل دماغ خارج کرنے کے بعد نتھنوں کے ذریعے جلتی جلتی راکھ اندر داخل کی گئی تھی جو بعد ازاں مُتخلخل ہو کر رہ گئی۔

لاشعاعی تجربات سے جعلسازیاں بھی پکڑی گئی ہیں۔ جعلساز جانوروں کی ممیاں تیار کر کے اور پٹیوں میں لپیٹ کر بشریات دانوں کے ہاتھوں بیچ دیتے۔ انہوں نے ایک ممی کو نقلی بازو لگا دیا۔ بشریات داں تابوت دیکھ کر اس کا زمانہ تو متعین کر لیتے لیکن اس میں رکھی ہوئی ممی کے

بارے میں بتا نہ سکتے کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔ ہو سکتا ہے کہ تابوت پر مرد کا نام لکھا ہو اور اس میں عورت کی حنوط شدہ لاش رکھی ہو۔ صرف لاشعاع ہی ایک ایسا نیا ذریعہ ہے جس سے نہ صرف صنف کا پتہ چل جاتا ہے بلکہ مردے کی عمر بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

عہدِ عتیق میں ممی بنانے کا جو طریقہ مروج تھا اسے جاننے کے لئے اب پٹیاں اتارنے اور چیرنے پھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ لاشعاع نے سارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔

ممیوں کے مختلف نمونوں سے ایک بات معلوم ہوئی ہے۔ قدیم تر لاشوں کی آنتیں صاف کرنے کے بعد چھتر دار مرتبانوں میں رکھی جاتیں اور مرتبان مقبرے میں ممی کے ساتھ ہی رکھ دیئے جاتے۔ بعد میں یہ طریقہ ترک کر دیا گیا۔ اب آنتیں صاف کر کے کپڑے میں لپیٹی جاتیں اور لکڑے کے برادے میں رکھ کر پیٹ میں رکھ دی جاتیں۔ اصل آنکھوں کی جگہ مصنوعی آنکھیں لگائی جاتیں۔ یہ سب کچھ لاشعاعوں کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اب تو امراض اور ضربات کا بھی کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں طبی تحقیق کا ایک نیا شعبہ کھل گیا ہے۔ بعض امراض کے متعلق گمان کیا جاتا تھا کہ یہ عہدِ حاضرہ کی پیداوار ہیں اور ماضی میں ناپید تھے لیکن حنوط شدہ لاشوں کے مشاہدے سے یہ نظریہ غلط ثابت ہو گیا۔ نئی تیکنیک سے طب کی تاریخ میں ایک باب بڑھ گیا ہے۔ ذات الجنب (نمونیا) ورمِ زائدہ (اپنڈی سائٹس) پتھری، گردے کے درد وغیرہ کا سراغ ملا ہے۔

حال ہی میں طوطخ عمون کی لاش کا ایکسرے کیا گیا تو کھوپڑی پر ضرب کا شگاف دار نشان ملا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اس کی موت دماغی سیلانِ خون (برین ہیمورتج) سے ہوئی ہے۔

ایکسرے کے انکشافات سے علمائے بشریات کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ پٹیوں میں کھونسے ہوئے تعویزوں، نقوش اور زر و جواہر سے مردوں کی حیثیت اور ان کی دولت کا علم ہوتا۔ وہی فرعون جو زندگی بھر معمولی ایوان میں رہتا۔ مرنے کے بعد اس کی دولت نہایت گراں مدفن میں اس کی حنوط شدہ لاش کے ساتھ دفنائی جاتی۔ اس کی لاش سے گدھ اور بھونرے کے نشانات ملے ہیں جن کا تعلق مذہبی طور پر شمسی اور قمری قُرصوں سے ہوتا۔ پاتال دیوا سائی رس کا نشان بھی ملا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ پاتال میں فرعون کا خیر مقدم کیا جائے۔ ماتھے پر قیمتی پتھر سے تراشا ہوا ناگ اس لئے رکھتے کہ وہ پاتال کے خوفناک اژدہوں کی دستبرد سے محفوظ رہے۔

فرعون کے ذاتی زروجواہر پورے بدن میں جگہ جگہ پٹیوں میں کھونسے جاتے۔ پیٹ کی پٹیوں میں سے سونے اور قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں ملی ہیں۔ بازوؤں پر کنگن اور بازو بند ملے ہیں۔ ٹانگوں اور جانگھوں کے درمیان طلسمی نقوش اور خنجر پائے گئے ہیں۔ انگلیوں اور پنجوں پر سونے کے خول ملے ہیں۔ ٹخنوں پر پازیبیں ملی ہیں۔

یہ غیر شفاف چیزیں بآسانی ایکسرے سے نظر آجاتیں۔ یوں ساری پٹیاں ادھیڑنے کی بجائے معلوم جگہ سے شگاف دے کر انہیں نکال لیتے۔ حنوط شدہ لاش محفوظ رہتی۔

ہر چیز نفاست اور ہنرمندی سے تیار کی گئی۔ ان سے پانچ ہزار سال پرانے ہنروروں کے جمالیاتی ذوق اور ان کی کاریگری کا پتہ چلتا ہے۔

ابھی تک تھوڑی سی حنوط شدہ لاشوں پر لاشعاعی عمل کیا گیا ہے۔ یہ عمل بہت مقبول ہوا ہے اور زیادہ تر لاشیں زیرِ عمل آرہی ہیں۔

اس فرعون کی لازوال لاش نے علم وفن کو یکجا کر دیا ہے۔ اب علماء تحریری دستاویزوں اور لاشوں سے حاصل ہونے والی معلومات کا تقابلی مطالعہ کررہے ہیں۔ اب زیادہ صحت سے عہد پارینہ کے بت پرستوں کے مذہبی عقائد، مذہبی آداب ورسوم، ان کی عبادات، روزمرہ کی زندگی اور تہذیب وثقافت کے بارے میں آگاہی ہورہی ہے۔ یہ آگاہی فکرِ انسانی کے ارتقاء کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ضروری ہے۔

●

اسلام اور دینِ ساحری

⌘

مذاہب عالم میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کی روحانی اور اخلاقی وسعتوں میں ہر زمانے کے لوگ اکائی بن کر سما سکتے، انتہائی سکون، فرحت اور خوش اسلوبی سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہر رنگ، ہر نسل، ہر حیثیت اور خطۂ ارض کے لوگ کسی وقت اور خوف وخطر کے بغیر اسلام کو اپنانے کے اہل ہیں۔ اسی میں خیریت اور عافیت ہے۔ اسی سے جملہ انواع کے دینی و دنیوی معاملات ومسائل کا بہترین تشفی بخش اور قابلِ قدر حل مل سکتا ہے۔

یہ انتہائی سہل مذہب ہے۔ فرسودہ رسوم وقیود اور توہمات سے آزاد ہے۔ ایسا مذہب ہے کہ کسی پروہت، برہمن یا اجارہ دار پیشوا کی مدد یا وساطت کے بغیر ہر کس وناکس اسے سمجھ سکتا اور اختیار کر سکتا ہے۔ اس پر عمل کر کے اپنی ذات اور معاشرے کو سنوار سدھار سکتا ہے۔ اسلام نہایت مفید جمالیاتی قدر ہے۔ نظریاتی اعتبار سے اس کا مقصد دنیا کو حسین وجمیل بنانا اور ہر انسان کے لئے فلاح و بہبود کو عام کرنا ہے۔ اس کا مخصوص رویہ ہے جس کی رو سے حسین سے حسین شے اگر افادیت سے محروم ہے تو بیکار ہے۔ انسانی فلاح بہر طور لابدی ہے۔ افادیت حسن کی سچائی ہے۔

اسلام تمام انفرادی واجتماعی تقاضے بطریقِ احسن پورے کرتا ہے ـــــ بیک وقت امن وسلامتی کا ضامن اور قوت وتوانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس کی سچائیاں عالمگیر اور لازوال ہیں۔

قرآن زندہ کتاب ہے۔ اس کی صداقتوں اور اس کے ضابطوں میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کی تعلیمات ہر ایک کے لئے قابلِ عمل ہیں۔ محمد عربی ﷺ نے اپنی ۶۳ سال

کی زندگی میں اسے عملاً پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ثابت کر دکھایا کہ اسلام عملی نظریہ ہے، مفروضہ نہیں۔ آپ ﷺ نہ صرف اپنے عہد کے بے مثال رہبر اور انقلابی پیغمبر تھے بلکہ آپ ﷺ کی سیادت اور انقلابی قیادت قیامت تک کے لئے ہے۔ آپ ﷺ ہر دور میں اقوامِ عالم کو زندگی گزارنے کے لئے سچ کا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ آپ ﷺ نور کی وہ لکیر کھینچ گئے ہیں جو ابد تک نظر آتی اور راستہ دکھاتی رہے گی۔ ہر درد کی دوا اور ہر روگ کی شفاء آپ ﷺ کے دم سے ہے۔ آپ ﷺ پر جو قرآن نازل ہوا اسے سابقہ الہامی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ وہ الہامی کتاب ہے جو اپنی اصل صورت میں حقیقی صداقتوں کا منبع ہے۔

اسلام سے قبل پوری دنیا میں دینِ ساحری کا دور دورہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو اسلام کی تبلیغ و ترویج میں یہی سدِ راہ ہوا۔ اُس وقت عرب میں پروہتی نظام یعنی موروثی مذہبی اجارہ داری PRIESTHOOD اور وڈیرہ شاہی نے خطرناک شکل اختیار کر لی تھی۔ ان کا گٹھ جوڑ سادہ لوح عوام کے خلاف بدترین سازش تھا۔

پروہتی نظام، دینِ ساحری کی پیداوار تھا۔ جادوگروں ـــــــ پروہتوں نے سحر و طلسم کے ایسے تانے بانے بنے تھے کہ ان کے سوا ساری دنیا شکنجے میں جکڑی گئی۔ پروہت یا جادوگر خود تو ہر بلا سے محفوظ رہتا لیکن مخلوقِ خدا کو ہر بلا میں مبتلا رکھتا۔ وہموں اور وسوسوں کے ہجوم نے آدمی کا گھیراؤ کر لیا۔ پروہت ہی اس کے آڑے آتا اور اسے آفات سے بچاتا۔ خود حکومت کرتا، اہلِ قبیلہ کو محکوم رکھتا۔

پروہت ہی سردارِ قبیلہ ہوتا اور پھر ایک زمانے کے بعد جب تمدن، معاشرت اور سیاست کا میدان بڑھ پھیل گیا۔ فراعنہ ایسے ذہین و فطین فرماں روا پیدا ہوئے جنھوں نے سیاسی سوجھ بوجھ اور حربی ہنرمندی سے اُقطاعِ ارض پر تسلط جمایا تو جادوگر سکڑا اور اس نے بوریا بستر گول تو نہ کیا تاہم سمیٹ ضرور لیا۔ لیکن سمٹی سکڑی حالت میں بھی وہ کم خطرناک نہ رہا۔ اس نے پروہتی موروثی نظام بنایا اور اپنا سکہ منواتے کے لئے انواع و اقسام کے ہتھکنڈے اختیار کئے۔ وڈیرہ شاہی سے یارانہ کیا اور پھر حسنِ تدبُر، چالاکی اور مکاری سے فراعنہ کو زیر کر لیا۔ اس نے شاعرانہ تخلیقی صلاحیت سے کام لے کر خوبصورت دیومالا مرتب کی۔ خداؤں کے خاندان بنائے اور دنیا جہان

کے امور وفرائض ان کے سپرد کردیے۔ اپنے توسط بلکہ حکم سے اپنی نگرانی میں لوگوں کی گردنیں ان کے آگے جھکادیں۔

چونکہ اسی نے خدا گھڑے تھے اس لئے وہ نہ صرف ان کا رازداں اور اداشناس تھا بلکہ ان پر حکم بھی چلاتا تھا۔ اس کے تخلیق کیے ہوئے خدا اس کا حکم مانتے لیکن جب یہ خدا (آندھی، طوفان، گرج چمک، مینہ اور زلزلہ وغیرہ) زور دکھاتے اور تباہی مچاتے تو وہ ان کی خوشامد بھی کرتا، ان سے فریاد بھی کرتا۔

خدا سازی کا عمل ہزاروں سال تک بڑی کامیابی سے جاری رہا۔ قدم قدم پر بت خانے تعمیر کیے گئے۔ خداؤں کی تماثیل ـــــــ مورتیں اور مورتیاں بنائی جانے لگیں۔ گھر گھر بھجن گائے جانے لگے۔ نوبت بایں جا رسید کہ دو ہزار برس قبلِ مسیح ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کے لئے جو کعبہ تیار کیا رفتہ رفتہ وہ بھی جادوگروں اور پروہتوں کی عمل داری میں آگیا اور مندر بن گیا۔ اس میں کالی، چنڈی اور دُرگا کے مثل، منات، عُزّیٰ، نوحؑ کے عہد کے یغوث، یعُوق اور نَسر کی پوجا ہونے لگی۔

محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان التمیمیؒ، کتاب التوحید میں رقمطراز ہیں ـــــــ

"یغوث، یعوق اور نسر قومِ نوح کے نیک دل لوگ تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے اس قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان بزرگوں کی نشست گاہوں پر یادگاری پتھر نصب کر دینے چاہئیں اور ان پتھروں کو ان کے نام سے پکارا جانا چاہیئے چنانچہ قوم نے شیطان کی یہ بات مان لی۔ ابتداء میں ان پتھروں کی عبادت نہیں کی گئی لیکن جب پہلی نسل ختم ہو گئی اور بعد میں پیدا ہونے والی نسلوں کو ان کے بارے میں معلومات نہ رہیں تو انہوں نے ان پتھروں کی عبادت شروع کردی۔"

زعیم پرستی HERO WORSHIP قدیم مسلک ہے۔ مصر میں پہلی بار کھیت میں گندم اگانے والے فرعون اوسائی رس کو اس کی شہادت کے بعد خدا بنالیا گیا اور پاتال کی خدائی اسے سونپ دی گئی۔ مصر کے ریزہ چیں اور شاگرد ـــــــ اہلِ یونان کے جادوگروں نے کتنے

ہی زعیموں کو خدا کا درجہ دیا۔ ہیراکلیز (ہرقل) اس کی مثال ہے۔ ہند کے رام، سیتا، ہنومان اور کرشن وغیرہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(رام اور رحیم کو ایک کہنے والے شاعر اور صلح پسند مصلحین مغل بادشاہ اکبر کے دینِ الٰہی کی ضلالت میں گرفتار ہیں۔ وہ بندے اور خالق کے فرق کو نہیں پہچانتے۔ پروہتوں نے بندوں کو خدا بنالیا اور انہیں پوجنے لگے۔ دینِ الٰہی کو ماننے والے بت پرستی اور توحید پرستی میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے)۔

''پروہتوں، پادریوں اور ساحروں کے فریب میں آکر لوگوں نے اللہ کو چھوڑ دیا اور اپنے عالموں، درویشوں اور عیسیٰ ابن مریم کو اپنا خدا مان لیا۔'' (سورۂ توبہ)

وہ اہلِ کتاب جنہیں توحید پرستی کی تعلیم دی گئی تھی، گمراہ ہو گئے اور انہوں نے نئے نئے خدا گھڑ لئے ـــــ کتاب التوحید ص ۸۹ ـــــ ان مصنوعی خداؤں کو پوجنے اور ان سے مدد مانگنے لگے۔

اس ضمن میں یہ آیاتِ قرانی قابلِ توجہ ہیں ـــــ

''اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔'' (سورۂ یونس، آیت ۱۰۶)

''کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔'' (سورۂ اعراف، آیات ۱۹۱، ۱۹۲)

''اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔'' (سورۂ فاطر آیات ۱۳، ۱۴)

پروہت اور جادوگر لحظہ بھر کے لئے بھی اپنے مفادات سے غافل اور اختیارات سے

دستبردار نہ ہوئے۔ خدائے واحد کے تصور کو خالص نہ رہنے دیا۔ اس میں اپنے بت شامل کر دیئے۔ یہ شراکت ان کی مکاری اور ہوشیاری کا ثبوت ہے۔ اللہ کا نام لیا جاتا تو اس کے ساتھ بتوں کو بھی یاد کیا جاتا۔ عرب میں اللہ کا تصور اسلام سے قبل بھی موجود تھا۔ رسولِ اکرمؐ کے والدِ گرامی کا نام عبداللہ تھا۔ رفتہ رفتہ اللہ کو ثانوی حیثیت دے دی گئی۔ دیوی دیوتا مقدم ہو گئے۔

اسلام کی پہلی اور سب سے بڑی جنگ شرک کے خلاف تھی۔ پروہتی نظام کی جکڑ بند بڑی سخت تھی۔ دیوی دیوتاؤں نے لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی تھی۔ اس جڑ کو اکھاڑنا اور صدیوں کی قوت کو للکارنا آسان نہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے اپنے زمانے میں اس قوت کو للکارا لیکن اسے شکست نہ ہوئی، ابھرتی ہی چلی گئی۔ عہدِ جاہلیت میں اس نے کعبے پر قبضہ کر لیا اور مسجدُ الحرام کو بتکدہ بنا دیا۔ وہاں تین سو ساٹھ بت بٹھا دیئے۔ کاٹھ اور پتھر کے بدوضع بت فنِ بت گری سے ناآشناہ پروہتوں نے گھڑے تھے یا پھر باہر سے منگوائے تھے۔ لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ کاہنوں کا راج تھا۔

کعبے کے پروہتوں کی طاقت کا پتہ ایک مثال، مکّے کے والی عبدُ المطّلِب کے بیٹے عبداللہ (رسول اکرمؐ کے والد) کی زندگی سے ملتا ہے۔

عبدُ المطّلب نے قسم کھائی کہ ان کے یہاں دس لڑکے ہوئے تو ایک کو بتوں پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ مراد پوری ہوئی تو انہوں نے ایک لڑکے کو قربان کرنے کا قصد کیا۔ پروہتوں سے فال نکلوائی تو عبداللہ کا نام نکلا۔ پھر جب لوگوں کے اِصرار پر بیٹے کی جان کے بدلے حیوانی قربانی کا طے کیا تو از سرِ نو فال نکلوائی۔ بالآخر سو اونٹوں کی قربانی کے عوض بیٹے کی خلاصی ہوئی، یہ سب پروہتوں کا گورکھ دھندا تھا۔

کعبے کے معمار ——— حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانی قربانی موقوف کر کے حیوانی قربانی رائج کی۔ اولادِ آدم پر زبردست احسان کیا لیکن پروہتی نظام نے انسانی قربانی کی ریت قائم رکھی۔ انسانی قربانی کی تازہ ترین مثال بھارت کے ایک شہر میں پتی کے مرنے پر اس کی نوخیز پتنی کے شوہر کی چتا پر جل مرنے (ستی ہونے) سے تازہ ہوئی ہے۔

محمد عربی ﷺ کو ایسے ہی زبردست، قوی اور مستحکم سحری نظام سے سابقہ پڑا۔ اسلام

کسی صورت میں پریسٹ ہڈ (پروہتی نظام) کو گوارہ نہیں کرتا۔ آپ ﷺ کی طویل جد وجہد کا یہی بڑا مقصد تھا کہ شرک کی بیخ کنی کی جائے۔ پروہتی نظام یعنی مذہبی اجارہ داری کا خاتمہ کیا جائے اور فریب آلودہ دینِ ساحری کی جگہ لوگوں کو صاف ستھرا اور ترقی پسند مسلک دیا جائے۔ اسلام ایسا نظام تھا جس میں کوئی اجارہ داری نہ تھی، اس پر عمل کرنے کے لئے کسی پروہت کسی ساحر کی ضرورت نہ تھی۔ قرآن اور رسول ﷺ کی سیرت پاک ہر ایک کے لئے قابلِ فہم تھی۔

اسلام سہل ہے، سادہ ہے، رسوم وقیود کے گورکھ دھندوں سے پاک ہے۔ دنیا میں کوئی دوسرا مذہب اتنا ہمہ گیر اور اتنا مفید نہیں۔

ایک معبود ہے، ایک پیشوا ﷺ ہے۔ باقی سب لوگ اپنے پیشوا کے تابع ہیں۔

اخوت اور مساوات اسلام کی بے بدل اساسی قدریں ہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اور ہر فرقہ ان سے متاثر ہوا۔ تمام غیر مسلم مصلحین اور مفکرین نے نسل پرستی کے معتقدات اور فرقہ وارانہ امتیازات کو مسترد کر کے کسی نہ کسی صورت میں اسلام کی ان دونوں قدروں کو قبول کیا۔ ہند میں تو منظم طور پر بھگتی تحریک شروع ہوئی جس نے منو کی چھوت چھات اور چاروَرنوں (برہمن، کھشتری، ویش اور شودر) کے غیر انسانی نظریے کے خلاف آواز اٹھائی، اخوت اور مساوات کا پرچار کیا۔ درحقیقت یہ سب کچھ ڈھونگ تھا۔ ہوا یوں کہ جب مسلمان آقا اور غلام کا فرق مٹا کر اخوت و مساوات کا قابلِ رشک نمونہ بن کر توحید اور عدل وانصاف کا پرچم لئے کفرستانِ ہند میں آئے تو بت خانوں میں زلزلہ آ گیا اور پروہتی ٹولے میں سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی۔ برہمنی سامراج کو فکر لاحق ہوا کہ کہیں اس کے زخم خوردہ اور پامال کئے ہوئے کروڑوں بے بس انسان مسلمان نہ ہو جائیں۔ انکے غلاموں کی بستیاں ان کی گرفت سے نہ نکل جائیں۔ چنانچہ اسلام کے ریلے کو روکنے کی غرض سے برہمنی سامراج نے بڑی مکاری سے اخوت و مساوات کو اپنایا اور بھگتی تحریک کو ملک کے طول وعرض میں پھیلایا لیکن یہ دکھاوے کے لئے تھا۔ اسلام کا جادو سر چڑھ کر بولا۔ جب تک مبلّغینِ اسلام، علماء، حکمران اور صوفیاء مستعد رہے اسلام پھیلتا چلا گیا۔ مسلمان دنیا کی سپر پاور بنے رہے لیکن غافل ہوئے تو بلندی سے پستی پر آ گئے۔

ہند میں آج بھی منُو کی خود ساختہ ذات پات کی تمیز اور چھوت چھات اپنی تمام

ہولناک خرابیوں کے ساتھ موجود ہے۔ پروہتی نظام اور دیو مالا کے مُوجدوں نے انسان کو آقا اور غلام کے دو واضح طبقوں میں بانٹ رکھا ہے۔

پروہتی نظام ابتداء میں دینی اور دنیوی دونوں نوع کی وجاہتیں اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ پھر جب آبادی بڑھی، بستیاں اور گڑھ بڑے ہوئے، مسائل میں اضافہ ہوا اور انتظامی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں تو پروہتوں نے مندر سنبھال لئے، قبائلی سرداروں نے تخت و تاج پر قبضہ جمالیا، محل اور قلعے بنالئے۔ موقع شناس پروہتوں نے قبائلی سرداروں اور وڈیروں سے گٹھ جوڑ کرلیا۔ پروہتوں کے پاس خدائی طاقت کا حربہ تھا، انہوں نے جو خدا تراشے تھے انہیں وہ کٹھ پتلیاں سمجھتے اور تار ہلاتے رہتے چنانچہ ان کی برتری تسلیم کی گئی۔ انہوں نے اس کے عوض وڈیروں کو ان کی سلامتی کی ضمانت دی۔

فرعون آخن عَطون نے پرانے پروہتی نظام کو برباد تو کیا لیکن اس کے لئے اسے خود پروہت بننا پڑا۔ اس نے ربّ عَمون کے دین کو مسترد کر کے عَطون کا جو مسلک رائج کیا اس کا وہ خود ہی خالق تھا۔ اسی نے ربّ عَطون کی طویل حمد لکھی اور اس کی تبلیغ کی۔ ربّ عطون کا مندر بنایا اس کی پوجا پاٹ کا اہتمام کیا۔ فرعون آخن عطون کی موت کے بعد اس کا دینی شیرازہ بکھر گیا۔

بہر حال یہ ایک استثنائی صورت ہے ورنہ پروہتی نظام بے روک ٹوک دنیا میں برقرار رہا۔ پروہتی نظام اور وڈیرہ شاہی میں از سرِ نو سمجھوتہ ہوا۔ اب دینِ ساحری کو پہلے سے بھی زیادہ قوت ملی۔ پروہت زیادہ قوی ہو گیا۔ اگر چہ دونوں میں رقابتیں رہیں "جیو اور جینے دو" کے اصول پر زندگی گزرتی رہی۔

پروہتی راج اور وڈیرہ شاہی کی ابتداء ایگری کلچر (زرعی تہذیب / ثقافت) سے ہوئی مصرِیات دانوں کے نزدیک اس کی تاریخ کم و بیش سات ہزار سال پرانی ہے۔ جب لوگ غاروں، جنگلوں اور پہاڑوں سے باہر نکلے تو انہوں نے کھیتی باڑی کا آغاز کیا۔ نیل کنارے کی خودرَو گندم کو کھیت میں لے آئے۔ مصریوں کے آدم ـــــ فرعون اوسائی رِس نے پہلے پہل گندم اگائی اور زرعی نظام کی بنیاد رکھی۔ یہیں سے پروہتی نظام اور وڈیرہ شاہی کا مستقل بنیادوں پر قیام ہوا۔ زمین، دریا، دھوپ، مینہ گرج چمک اور جانوروں کے حوالے سے دیوی دیوتا معرضِ وجود میں

آئے۔ حد تو یہ ہے کہ بانر (بندر)، ناگ اور لنگ بھی دیوتا بن گئے۔ ہند میں اب بھی ناگ پوجا اور لنگ پوجا ہے۔ دینِ ساحری منظم و مستحکم ہوا، اس کا عروج انتہائی بلندی پر پہنچا۔

اَقطاعِ عالم کے عوام پروہتوں اور وڈیروں کے تابع فرمان ہوئے۔ بیشتر لوگ شہری حقوق اور زندگی کی آسائشوں سے محروم رہے۔ انہیں اپنی تقدیر پر شاکر رہنے کی تلقین کی گئی۔ پروہتوں اور وڈیروں نے مل کر ایک دوسرے کو سہارا دیا۔ دنیا کی تمام آسائشیں اور جملہ اختیارات اپنے لئے مخصوص و محفوظ کر لئے۔ قبیلے کی تمام املاک (عورتوں سمیت) ان کی ملک ہوتیں۔ وڈیرے کے مرنے یا اسے قتل کرنے پر اس کا بڑا بیٹا اپنے باپ کی عورتوں اور اَملاک کو اپنی تحویل میں لے لیتا۔ راعی کے لئے سب کچھ تھا، رعایا کے لئے صرف صبر و شکر تھا۔

ظہورِ اسلام سے قبل تک دینِ ساحری ہی کرہ ارض پر مسلط تھا۔ کسی کے پاس اس کا توڑ نہ تھا۔ اسلام آیا تو اس کا زور ٹوٹا۔ جہاں جہاں اسلام پہنچا، جہاں جہاں مسجد بنی وہاں وہاں سے دینِ ساحری رخصت ہوا۔

دینِ ساحری نے دنیا کو عذاب میں مبتلا کئے رکھا۔ ہزاروں تماثیل (مورتیاں) گھڑی گئیں، دیومالا کا لامتناہی سلسلہ تیار کیا گیا۔ یہ سارا گورکھ دھندا عام آدمی کی فہم و فراست اور گرفت سے دور دور رہا۔ رسومات کا ہجوم اور ان کا رواج اتنا بڑھا کہ روز و شب کا کوئی لمحہ ان سے خالی نہ رہا۔ توہُمات اور خدشات کا بوجھ ناقابل برداشت ہوگیا۔ زندگی جادوگر کی بھول بھلیاں میں کھوگئی، آدمی غائب ہوگیا۔ وڈیرہ شاہی نے بنی نوعِ انسانی کو اَن گنت قبیلوں میں بانٹ دیا۔ اس تقسیم در تقسیم سے ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

جب محمد عربی ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو عرب پر وڈیروں، کاہنوں اور پروہتوں کا تسلُّط تھا۔ مخلوقِ خدا ان کے زیرِ نگیں تھی۔ یہ مطلق العنان حکمران تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں للکارا تو یہ بپھر گئے اور پوری قوت سے نبرد آزما ہوئے۔ اسلام انہیں مٹانے اور عوام کو ان سے نجات دلانے آیا تھا۔ دینی اور دنیوی وجاہتیں، اونچی مسندیں مسترد کردی گئیں۔ پروہتوں اور قبائلی سرداروں یعنی مطلق العنان حکمرانوں نے اپنی ذات کی نفی کا سامان دیکھا تو انہوں نے حضور اکرم ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف پہلے تو سرد جنگ چھیڑی اور جب دال نہ گلی تو

عاجز آکر بڑے بڑے لشکر تیار کیے اور پورے ساز و سامان سے چڑھائی کی۔ اسلام جہاں امن و آشتی اور صلح و صفائی کا مذہب ہے، وہاں توانائی کا لازوال اور بے پایاں سرچشمہ بھی ہے۔ یہ دولت کے انباروں، رئیسانہ ٹھاٹھ اور نمائش و زیبائش کی بجائے سادگی، اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار اور پاکبازی کو وجہِ احترام قرار دیتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ اسلام کی اخلاقی اور روحانی قوت کے سامنے کاہنوں اور قبائلی سرداروں کی ناپائیدار اور ناقص، مادی و دُنیوی اور سحری قوت ہیچ ثابت ہوئی۔

یہ صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ حرف بحرف درست ہے، رسول عربی ﷺ نے ہر موقع پر اس کا عملی ثبوت دیا۔ آپ ﷺ نے زندگی کے کسی مرحلے پر دولت مند بننے کو لئے کوئی طریقہ اختیار نہ کیا۔ جب آپ ﷺ نے مکے کی سب سے مالدار اور خوشحال خاتون ——— حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے بیاہ کیا تو انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ وہ بھی درویش بن گئیں اور انہوں نے ویسی ہی سادگی اختیار کی جو حضور ﷺ کا خاصہ تھی۔ اپنی دولت خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کی۔

سادگی اور سچائی دو ایسے ہتھیار تھے جن سے پروہتوں اور قبائلی سرداروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ آپ ﷺ کا فرمان ان کی موت کا سامان لایا۔ مکے کے فریب خوردہ بڑوں نے آپ ﷺ کو سیم و زر کے جال میں پھانسنے کی تدبیر کی چنانچہ تمام سرداروں کے مشورے سے نامور وڈیرہ اور مدبّر عتبہ بن ربیعہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور بولا ———

"میرے بھتیجے محمد ﷺ! اگر تم اس کاروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تمہارے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ مالا مال ہو جاؤ، اگر عزت کے بھوکے ہو تو ہم سب تمہیں اپنا رئیس مان لیتے ہیں، اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں مگر تم اپنا طریق چھوڑ دو۔" یعنی دینِ ساحری کی تکذیب مت کرو، وڈیرہ شاہی اور پروہتی راج کو کھلی چھٹی دو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ——— "جو کچھ تم نے میرے بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کی چند آیات پیش کیں۔ کلامِ پاک سننے سے عتبہؔ بن رَبیعہ پر محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے،

گردن پشت پر ڈالے ہوئے سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔

قریش (جنہوں نے اسے بھیجا تھا) ملاقات کا نتیجہ معلوم کرنے کے مشتاق بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا، "کیا دیکھا، کیا کہا، کیا سنا؟"

عتبہؓ بولا، "معشرِ قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے، نہ شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ منتر ہے۔ میرا کہا مانو، میری رائے پر چلو! محمد ﷺ کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا، لو عتبہ پر بھی محمد ﷺ کی زبان کا جادو چل گیا۔

جب لالچ کی تدبیر نہ چلی تب سارے قبیلوں کے سردار اکٹھے ہوئے اور انہوں نے نبی ﷺ کے چچا کے پاس آ کر یوں تقریر کی ــــــــــ

"ہم نے آپ کا بہت ادب کیا۔ آپ کا بھتیجا ہمارے ٹھاکروں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔"

یہ محض دھمکی نہیں تھی کفارِ مکہؓ رسول اکرم ﷺ کے انکار پر اسے عملی شکل دینے کا تہیہ کر چکے تھے سچ تو یہ ہے کہ اس سے ابو طالب بھی ڈر گئے۔ وہ والیٔ مکہؓ بھی تھے اور خاندان کے سربراہ بھی اور اپنے بھتیجے کی سلامتی کے ضامن۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بلایا اور صاف صاف کہا، "بت پرستی کو رد نہ کیا کرو ورنہ میں تمہاری حمایت نہیں کر سکوں گا۔"

لیکن رسول اکرم ﷺ پر کفار کی دھمکی کا ذرا بھر اثر نہ ہوا۔ آپ ﷺ لالچ میں آئے نہ خوفزدہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے ابو طالب سے کہا ــــــــــ

"چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا خواہ میری جان ہی چلی جائے۔"

کفر و شرک کے بارے میں کفارِ مکہؓ کا رویہ نہایت شدید اور ارادہ نہایت سخت تھا۔

لیکن رسول اکرم ﷺ کا رویہ شدید تر اور ارادہ سخت تر تھا۔ تبھی تو آپ ﷺ دینِ ساحری کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہوئے۔

وہ لوگ جو مکےّ کے حکمران اور کعبے کے منصب دار تھے۔ سرنگوں ہوئے۔ حضور ﷺ سے لڑے اور لڑائی میں مارے گئے یا پھر اپنے گھر میں ذلیل و خوار ہو کر مرے۔ حضور ﷺ کا چچا ابولہب مرا تو حال یہ ہوا کہ اسُ کی لاش گل سڑ گئی۔ بیٹوں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا اور غلاموں نے جا کر اسے باہر پھینکا۔

آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے دینِ ساحری کے آثار مٹائے۔ فرقہ پرستی، گروہ بندی اور طبقاتی تمیز کا پوری طرح قلع قمع کیا۔ ایک ہی گروہ رہ گیا جس میں سبھی محکوم تھے۔ بلالؓ اور سلمان فارسیؓ اسلام سے قبل غلام تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد انہیں عزت و احترام کا وہ مقام ملا جو کفار کے بڑے سے بڑے سردار کو نصیب نہ ہوا۔ ابوہریرہؓ اپنے افلاس کے باوجود عالی قدر مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ حدیث کے راویوں میں ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ زیدؓ، خبابؓ اور صہیبؓ بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ وڈیرہ شاہی میں اِفلاس کو نفرت کے قابل سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام میں اسے وجہ شرف قرار دیا گیا، اس کے سامنے کفار کی امارتیں اور عزتیں خاک میں مل گئیں۔

کیسا حیرت خیز اور ناقابل یقین معجزہ تھا کہ کلمہ پڑھتے ہی دینِ ساحری کی سوچ دل سے محو ہو جاتی۔ مورتیں اور مورتیاں ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔ وڈیرہ شاہی اور پروہتی نظام کے تانے بانے بکھر جاتے۔ مفلس اور غنی میں فرق نہ رہتا۔

اخلاقی، روحانی اور معاشرتی اعتبار سے یہ انقلاب اس قدر عظیم اور ہمہ گیر تھا کہ ہزاروں سال کی تہذیبی تاریخ میں اسلام کے سواء اور کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس قدر مقبولِ عام اور مستحکم دینِ ساحری یوں آناً فاناً غارت ہو جائے گا۔

دینِ ساحری کی بیخ کنی اس بے مثال انقلاب کا اصل مقصد تھا کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے کوئی معنی نہ تھے۔ دینِ ساحری کی زیرِ نگرانی ایسا معاشرتی ڈھانچہ، معاشی انتظام اور نظامِ عدل قائم ہی نہ ہو سکتا تھا جو فرد کو اس ملت کا حصہ بنا دیتا جس میں وہ اپنے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے جیتا، اپنی دولت میں دوسروں کو شریک کرتا، خود کو کسی سے برتر نہ گردانتا ــــــــ اور جب

عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا تو ادنیٰ اور اعلیٰ میں تمیز نہ کی جاتی۔ قاضی کے سامنے عام شہری اور خلیفہ وقت ایک برابر ہوتے، بڑے کو وہی سزا ملتی جو چھوٹے کے لئے ہوتی۔

اسلام صاف ستھرا، سادہ اور کھرا مذہب ہے۔ اسے دینِ فطرت بھی کہتے ہیں۔ یہ واضح احکام لے کر آیا ہے۔ اس نے کرنے اور نہ کرنے والے کاموں کی فہرست مہیا کی تا کہ امرونہی میں کسی حیلہ گر یا بہانہ ساز کیلئے شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔

یہ درست ہے کہ دینِ ساحری کے دور کی بعض رسوم اسلام میں داخل ہوئیں لیکن ان کی غایت اور مفہوم یکسر بدل گیا۔ قربانی اس کی بہت بڑی مثال ہے۔[1] دین ساحری میں سانڈ اور بکری کے علاوہ خنزیر اور ریچھ وغیرہ کی قربانی بھی دی جاتی تھی۔ انسانی قربانی کا بھی رواج تھا۔ شہزادیوں، کنیزوں اور غلاموں کو بے دریغ قربان کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے والدِ گرامی عبداللہ بن عبد المطلب کی جان بڑی مشکل سے بچی ورنہ ان کے گلے پر چھری پھر جاتی۔ ساحر زمین کو زرخیز بنانے اور کھیت سے پیداوار لینے کیلئے پورے قبیلے کی طرف سے قربانی دیتا۔ اس کے نظریہ کی رو سے قربانی کے جانور کا خون دھرتی دیو کو پہنچتا اور وہ اس کی بدولت موسمِ مرگ (خزاں) کے بعد موسمِ بہار میں جی اٹھتا۔ وہ خون کے عوض بہار لاتا، پیڑ پودے اگاتا، انسانوں اور حیوانوں کو زندگی بخشتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دینِ ساحری کی سوچ اور ریت کو مٹایا۔ انسانی قربانی کا خاتمہ کر کے حیوانی قربانی کو رواج دیا۔ اسلام نے اسی قربانی کو اپنایا۔ خنزیر، ریچھ اور دیگر متعدد حیوانات کی قربانی کو ممنوع قرار دیا۔ چند حیوانات (بکرا، مینڈھا، گائے، اونٹ) کی قربانی کو جائز قرار دیا اور فریب خوردہ ساحروں کے غلط نظریے کے خلاف صریحاً کہا کہ ذبیحے کا خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا گوشت بلا تکلف کھائیں، دوسروں کو کھلائیں اور جذبہ ایثار کو تازہ رکھیں۔

---

[1] قربانی کی ہزاروں سال پرانی تاریخ کے مفصل بیان کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف ''جادو اور جادو کی رسمیں'' (رحمان مذہب ادبی ٹرسٹ)۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ کوثر)

(پس اپنے ہی رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی دو)

پھر رسول ﷺ نے یہ بھی فرمایا "جو شخص غیر اللہ (کسی بت) کے نام پر جانور ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت۔" (کتاب التوحید ص ۱۲۱)

دینِ ساحری میں دعا کا دستور نہیں۔ اسلام میں دعا داخلِ معمول ہے۔ دعا میں شفاء ہے، مشکلات کا حل ہے، مصائب کی دفعیت ہے۔ یہ ایک روحانی عمل ہے۔ بندہ جب دل کی گہرائی سے اپنے رب سے کچھ مانگتا ہے تو اس کے اندر عجز و انکسار کے ساتھ امید کی کرن بھی بیدار ہوتی ہے، ہمت بندھتی ہے، اپنے رب سے رشتہ استوار ہوتا ہے۔ احساسِ قرب کے تازہ ہونے سے اس میں توانائی پیدا اور ایسی نفسیاتی کیفیت طاری ہوتی ہے جو اس کی طلب پوری کرنے میں اس کے آڑے آتی ہے۔

عبادت قدیم ترین دینی عمل ہے۔ سحریات میں اس کا مفہوم مضحکہ خیز ہے۔ بت پرستی آدمی کے گھڑے ہوئے مٹی، پتھر اور کاٹھ کے خداؤں یا ان کی فرضی تصویروں کی پرستش کا نام ہے۔ سحر پرست خدا کو سمجھے نہ مورتیوں سے قابلِ فہم یا قابلِ عمل مفہوم پیدا کر سکے۔ بندر، ہاتھی، گیڈر، لنگ، ناگ، تندی (سانڈ)، زمین، پانی، سورج سبھی خدا تھے۔ دینِ ساحری میں عبادت ریت RITUAL کی صورت میں ملتی ہے۔ دیوتا کو رجھانے، اس پر حکم چلانے ______ خزاں میں اس کے مرجانے اور بہار میں اسے جلانے کے لئے قربانی دی جاتی، ناچ گانے اور دیگر متعدد طریقوں سے عبات کی جاتی۔ لنگ پوجا، اگنی پوجا اور عجل پرستی (بچھڑے کی پوجا) بھی عبادت تھی۔ رگ وید اگنی دیو کی حمد و ثنا کے گیتوں سے معمور ہے۔ ناٹک کھیلنا اور دیکھنا بھی عبادت تھا۔

لنگ پوجا،[1] ناگ پوجا اور عجل پرستی دھرتی دھرم کی ذیل میں آتی تھیں۔ زمین پرستی اور شمس پرستی دینِ ساحری کے دو بڑے مسلک تھے۔ دراوڑی قومیں زمین پرست تھیں۔ آریہ شمس پرست تھے۔ ہند کے آریاؤں نے اسی بنیاد پر لنکا کے زمین پرستوں پر چڑھائی کی اور یونان کے شمس پرست آکیاؤں نے طروئے کے زمین پرستوں پر دھاوا بولا۔ وہاں سیتا ہرن اور یہاں ہیلن کا اغوا بہانہ بن گیا۔[2] مورتیاں گھڑنا اور ان سے مندروں کو سجانا دینِ ساحری کا مسلک رہا ہے۔ نذر نیاز دینا بھی انہی کا وطیرہ ہے۔

مندروں میں گھنٹیاں بجاتے، سنکھ پھونکتے اور اس طرح بدروحوں کو بھگاتے، ہر بستی بدروحوں کی گرفت میں ہوتی۔ کفارِ مکہ سیٹیاں بجاتے۔

---

1. سومنات کے عظیم الشان اور زر و جواہر سے لدے پھندے مندر کے جس بھونڈے پتھر کو دیکھ کر مجاہدِ کبیر محمود غزنوی کو کراہت آئی، جس نے اس کے ذوقِ جمال اور نفاستِ طبع کو مجروح کیا اور جسے توڑا وہ بہت بڑے حجم کا لنگ تھا۔ اس حجم کے لنگ بنارس، متھرا اور چند دوسرے مندروں میں موجود تھے۔ ہندو لنگ کی تعظیم اور پرستش کرتے۔

2. راون نے سیتا کو اس لئے ہرن کیا کہ اس کی بہن روپ نکھا کو رام کے چھوٹے بھائی لچھمن نے ذلیل کیا اور اس کی ناک کاٹی کیونکہ وہ رام سے پیار کر بیٹھی تھی۔ غیرت مند راون نے اپنے زمانے کی ریت کے مطابق انتقام لیا ــــ ہیلن کے اغوا کا سبب یہ تھا کہ وہ طروئے (الیون، اِلیم، طروئیا یا طروجہ) کے شہزادے پیرس کی منگیتر تھی۔ یونان کے شمس پرست فاتح اگا میمنون کے بھائی مینیلاس نے اسے جبراً گھر ڈال لیا تھا۔ اگا میمنون نے ہیلن کی بہن کلائی تیم نیسترا سے جبراً بیاہ کیا۔ دونوں بہنیں زمین پرست تھیں۔ لنکا اور طروئے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے جہاں جیالے زمین پرست تھے اور شمس پرستوں کے بڑے بڑے پڑوسی ملکوں ــــ بھارت اور یونان کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے۔ یہ چھوٹے ملک ان پڑوسی ملکوں کے توسیعی عزائم میں سدِّ راہ تھے۔ دونوں جگہ ایک جیسا انجام نکلا۔ لنکا اور طروئے دونوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ دونوں جگہ سے مغویہ عورتیں واگذار کی گئیں۔ بعد ازاں سیتا اپنی تطہیر کے لئے زمین میں گڑ گئی۔ ہیلن کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ پیرس کے ہمراہ ہیلن کی آتشی مورتی گئی تھی۔ اصل ہیلن فرعونِ مصر کے محل میں پہنچائی گئی اور جنگ کے بعد وہاں سے لائی گئی تھی۔ آتشیں ہیلن جل گئی۔

یہ ایک ہی داستان کے دو روپ ہیں۔ یاد رہے کہ ہندوؤں کے یہاں پردیسی تاریخ کے واقعات فتوحات، قابلِ فخر کارناموں، ایجادات و اختراعات کو اپنانے کی ریت موجود ہے۔

لڑکیوں کو دیوتا کی بھینٹ چڑھاتے، دیوداسی بنا کر مندروں میں نچاتے۔ تہذیب کے اوائلی دور میں دیوداسیاں طوائفوں کا کردار ادا کرتیں۔ تریاراج میں دنیا کی پہلی طوائف دیوداسی ہی کے روپ میں نمودار ہوئی۔ شوراتری کو بستی کے سب لوگ مندر میں جمع ہوتے اور پروہت کے ایماء پر بہن بھائی اور باپ بیٹی کے رشتے کی تمیز کی پروا کیے بغیر خوشی باہم جنسی عمل کرتے۔ یہ لِنگ پوجا تھی۔

پروہتوں کا ایک فرض کہانت گاہ کو سنبھالنا تھا۔ ڈیلفی (یونان) اور عہدِ جاہلیت میں کعبہ کہانت گاہ کا کام دیتا۔ دونوں جگہ دھرتی پجارن کاہنہ یہ فرض انجام دیتی۔

رہبانیت بھی عبادت ہی کی شاخ تھی۔ آخری عمر میں لوگ ترکِ دنیا کرتے، یوگ کا مارک پکڑتے، یوگی (جوگی) اور سنیاسی بن جاتے۔ دنیاداری سے سروکار نہ رکھتے، دنیاداروں سے ہٹ کر جنگلوں اور ویرانوں میں ڈیرہ لگاتے، آسن جماتے، دھونی رماتے، سنیاس آشرم بناتے اور تنہائی کی زندگی بسر کرتے۔ تپسیا میں مگن رہتے۔

اسلام نے دینِ ساحری کی تمام عبادتیں روکیں اور نماز، روزے اور اعمالِ صالحہ کو عبادت قرار دیا۔ اسلامی عبادت سے تزکیۂ نفس ہوتا، روحانی قوت بڑھتی اور اس سے پورے معاشرے کی بھلائی ہوتی ہے۔ بصیرت جلا پاتی، ضمیر بیدار ہوتا اور فرد کو خیرالعمل پر مائل کرتا ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنا ہی عبادت ہے۔ اگر ایک شخص روزمرہ کے معمولات میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو وہ ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتا ہے۔ عبادت صرف مسجد ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کی جاتی ہے۔

عبادت کی غایت اللہ کی بندگی کرنا، کردار سنوارنا، فکر و عمل میں نظم و ضبط پیدا کرنا اور دنیا کو بدی سے پاک کر کے جنت کا نمونہ بنانا ہے۔ فی زمانہ مسلمان ایک بار پھر دینِ ساحری کے پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ انہوں نے کتنی ہی غیر اسلامی باتیں روزمرہ کے معمولات میں شامل کر لی ہیں ـــــــ نکاح کو لیجیے! یہ سیدھا سادہ شرعی عمل ہے لیکن اب تماشا بن گیا ہے۔ ہندوانہ، مشرکانہ رُسوم نے اسے عذابِ جاں بنا دیا ہے۔ قبر پرستی عام ہے۔ لوگ بزرگوں کے مقبرے تعمیر کرتے، سونے چاندی کے دروازے لگاتے، انہیں زیارت گاہ بناتے اور مشکل

کشائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قبروں پر جا کر منت مانگتے اور مردوں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان درویش صفت بزرگوں نے بوریے اور چٹائی پر زندگی گزاری۔ عیش وعشرت کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ پیوند لگی گدڑی پہنی، فاقہ کشی کی، آسائش اور آرائش سے متنفر رہے، شرع محمدی ﷺ پر چلے۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نظریات اور اندازِ حیات کو فراموش کر دیا۔ قرآن وسنت کی پیروی ترک کر دی۔

حلال وحرام کی تمیز مٹ گئی ہے۔ مُشرکین کے معمولات اختیار کر لئے گئے۔ اس کے اسباب یہ ہیں ______

ا۔ لوگ قرآن کی صرف تلاوت کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ ترجمہ نہیں پڑھتے۔ حواشی پر بھی توجہ نہیں دیتے۔

ب۔ گنڈے تعویز امرت دھارا کی طرح بک رہے ہیں۔

ج۔ لوگ اسلام کی فطری سادگی اور اصلیت سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ اسلام قرآن میں محفوظ ہے اور قرآن طاقوں میں رکھا ہے۔ عمل سے کسی کو واسطہ نہیں۔

د۔ علماء بالعموم علم اور عمل کی دولت سے محروم ہیں۔ ان کے یہاں قول وفعل کا تضاد بہت بڑھ گیا ہے۔

ہ۔ مسجد کا وہ کردار ختم ہو چکا ہے جو رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اسے حاصل تھا۔ یہ اسلام کا قلعہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں مسجد اسلام کے جمال وجلال، شان وشوکت اور عظمت وہیبت کی علامت تھی۔ کفر اس سے خائف رہتا۔ سلاطینِ عالم کو یہیں بوریے اور چٹائی پر بیٹھ کر للکارا جاتا۔ یہ دارالتبلیغ بھی تھی، دارالحکومت بھی۔ خارجہ اور داخلہ امور بھی یہیں طے پاتے، چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا فیصلہ یہیں کیا جاتا۔

و۔ تبلیغ کا سلسلہ غیر منظم اور غیر موثر ہو کر رہ گیا ہے۔ مساجد کے بیشتر امام نااہل اور کم تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ عوام کو بہکا تو سکتے ہیں۔ انہیں سیدھی راہ پر نہیں لا سکتے ______ لوگوں کو جاہل بنانے کا سلسلہ شدومد سے وسیع پیمانے پر جاری ہے۔

بعض ذہین اور لائق سکالر ریڈیو اور ٹی وی پر نہایت فلسفیانہ گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی نکتہ آفرینی خوب سہی لیکن یہ لوگوں کو اسلام کے قریب لانے میں ناکام رہی ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ لوگ قرآن کی تعلیمات کو کس طور روزمرہ کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں منتقل کریں۔ انہیں کوئی نہیں سمجھاتا کہ از روئے قرآن سمگلنگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، زائد منافع خوری، سیم وزر کا انبار، رشوت خوری، تخریب کاری، ہوس و حرص شیطانی کام ہیں۔ انہیں ترک کریں، رزقِ سہل بدترین گناہ ہے۔ اسلام سادہ اور واضح ہے۔ روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے اس کی تعلیمات سہل اور قابلِ عمل ہیں۔ یہ ہر قسم کی مشرکانہ رسوم، آلودگیوں اور بیہودگیوں سے پاک ہے۔ عمل کے بغیر مبلغ کی کوئی وقعت نہیں، اس کی زبان تاثیر نہیں رکھتی۔

ہم مسلمان تو ہیں لیکن دینِ اسلام سے زیادہ دینِ خرافات پر فریفتہ ہیں۔ یہی ہمارے زوال کی بنیادی وجہ ہے۔ جس دن ہم نے قرآن اور سنت پر عمل کیا ہم زوال کے گڑھے سے نکل آئیں گے اور قوت و توانائی کا سرچشمہ جاری ہو جائے گا۔ دینِ ساحری اپنی موت آپ ہی مر جائے گا۔ مشرکانہ رسوم مٹ جائیں گی۔ زندگی نکھر سنور کر نئی سج دھج سے طلوع ہوگی۔

●

دوسرا حصّہ

اسلام اور دیو مالا

دیو مالا کا مطالعہ کیوں؟

⌘

جیٹ طیاروں اور خلائی جہازوں کے اس دور میں جبکہ آدمی سچ مچ ستاروں پر کمندیں ڈال رہا اور اربوں نوری سالوں کے فاصلے ناپ رہا ہے، مجھے دیومالا کا ذکر قطعاً اجنبی نہیں لگ رہا کیونکہ بے چارہ ابنِ آدم کھجور سے گرا، ببول میں اٹکا ہے۔ اس نے دیومالا کے پھندے کاٹے تو صنعتی انقلاب کے پھندے گلے پڑ گئے۔ یہ دوسرا پھندا تو اس نے اس طرح گلے میں ڈالا ہے کہ ذرا سا کسی نے جھٹکا دیا تو کام تمام سمجھو۔ سیانے کہتے ہیں کہ پھر چونتیس کروڑ سال تک کرۂ ارض ویرانہ بنا رہے گا اور زندگی کے آثار کے لئے ماحول سازگار نہ ہوگا۔

ملاحظہ فرمایئے! آدمی کو زندہ رکھنے، اسے بیماری سے چھٹکارا دلانے، عمر بڑھانے اور آرام و آسائش کے لئے دھڑا دھڑ ایجادات ہو رہی ہیں۔ دنیا عجائبات اور نوادرات کا گھر بن رہی ہے۔ اِدھر موت کو بھگایا جا رہا ہے، اُدھر اسے اپنی طرف بلایا بلکہ لایا جا رہا ہے۔ لہٰذا دیومالا ایک مصیبت تھی تو صنعتی فتوحات کا دور کونسا اچھا ہے؟ کوئی ایک بلا میں گرفتار ہے تو کوئی دوسری بلا میں اور کوئی دونوں میں گرفتار ہے۔

دیومالا کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ جب اسلام اور قبلِ اسلام کے ادیان کا تقابلی مطالعہ کریں گے تو حقیقت اور صداقت کی دریافت کے لئے دیومالا کی تخلیقی کاروائی، طرزِ عمل اور تاریخی حیثیت کو ضرور پرکھنا پڑے گا۔ سچ اور جھوٹ کا تبھی نتارا ہو سکے گا۔

اگرچہ دیومالا قصہ کہانیوں کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہے۔ تاہم اس کے اثرات بڑی شدت سے اب

بھی موجود ہیں۔اسلام نے ڈھیر سارے کھیتوں سے اس کی فصل کاٹ پھینکی ہے لیکن ساری فصل ابھی نہیں کٹی۔بت پرستی ـــــــ دھرتی پوجا، ناگ پوجا، لنگ پوجا اور زعیم پرستی اب بھی صدیوں پرانے اُسلوب میں ہو رہی ہے۔مندروں میں بت رکھے جاتے اور گھنٹیاں بجا بجا کر بھوتوں کو بھگایا جاتا ہے۔ستی کی وحشیانہ رسم جاری رکھنے پر اب بھی اصرار کیا جاتا ہے۔آج بھی شِو مندروں میں لنگ پجتے ہیں۔مجاہدِ کبیر محمود غزنوی جب سومنات کے بڑے مندر میں داخل ہوا تو اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور اس کے جمالیاتی ذوق کو زبردست دھچکا لگا کہ ایک بہت بڑا لنگ شِو مندر میں لٹک رہا ہے۔اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اسے تڑوا دیا۔گئو ماتا بھی متبرک جانور ہے۔اس کا مقدس پیشاب نوش کیا جاتا ہے۔یہ بھی دیوی ہے اور پجتی ہے۔عجل پرستی (بچھڑے کی پوجا) اسی قبیل سے ہے۔

سوامی دیانند نے بڑا زور مارا۔اسلام کے نظریہ توحید کا اثر و نفوذ کم کرنے کی غرض سے خدائے واحد کا تصور پیش کیا۔اسلام کی نقل میں بھگوان کے ننانوے نام بھی گھڑ لئے۔لیکن بت پرستی کا خاتمہ نہ ہوا۔اسلام سے متاثر ہو کر، اسلام کا ریلا روکنے اور ہندوؤں کو اسلام کے حلقے میں جانے سے باز رکھنے کی خاطر اسلامی تعلیمات کو اپنا کر بھگتی تحریک شروع کی گئی ـــــــ برہمن سماج اسی فریب کی کڑی تھی لیکن ہندو معاشرے نے بت پرستی ترک نہ کی۔

دیو مالا کے معاشرتی اثرات نہایت خوفناک تھے۔اس کی بقاء اور اس کے فروغ کی غرض سے وڈیرہ شاہی اور پروہت مت (مذہبی اجارہ داری ـــــــ پریسٹ ہڈ) نے جنم لیا۔ان دواداروں کی فرماں روائی کا دورا بھی ختم نہیں ہوا۔اس نے ہر دور میں عوام کو زیردرختی کر کے رکھا۔غلامی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

یونان میں فلسفیوں کی آمد سے دیو مالا کے تار و پود تو منتشر ہوئے لیکن غلامی کی اِنسٹی ٹیوشن برقرار رہی۔افلاطون نے اپنی کتاب السیاست میں غلامی کو ریاست کے لئے ضروری جانا ہے۔

بھارت جہاں لادینیت اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قائم رکھنے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، وہاں ترنگے تلے بندے ماترم کے شور میں شودر کو شہری حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔سکھوں اور مسلمانوں کو دوم اور سوم درجے کا شہری بنانے کی کوشش جاری ہے۔طبقاتی اور ذات پات کی تمیز وہاں بہرحال بہ شدت پائی جاتی ہے اور نا قابلِ شکست لگتی ہے۔ہند کے راج سنگھاسن

پر اکتالیس برس سے برہمن براجمان ہے۔دوسری ذات یا نیچی ذات کا کوئی آدمی برہمن سے بڑھ کر کتنا ہی قابل، وطن پرست اور ہر دلعزیز کیوں نہ ہو اسے راج سنگھاسن کے پاس پھٹکنے نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس طرح راج سنگھاسن بھرشٹ ہو جائے گا اور سیکولرازم کے پاکھنڈیوں کا پول کھل جائے گا جو منوسمرتی اور ارتھ شاستر پر عمل پیرا ہیں۔

دیو مالا برہمن کے دم قدم سے قائم ہے۔جب تک برہمن ہے، مندر پر اس کا اجارہ رہے گا۔دیو مالا بھی سلامت رہے گی اور وڈیرہ شاہی بھی۔

دیو مالا کی باقیات میں بے شمار توہّمات، جن بھوت کی مخلوق، گنڈوں تعویزوں کا بیوپار، ٹونے ٹوٹکے، جنتر منتر، انواع واقسام کے عملیات اور سفلیات شامل ہیں۔اسلام نے اس ساری خرافات کو مسترد کیا ہے اور اس کی جگہ نہایت معقول، عادلانہ، مفید اور صاف ستھرا ضابطہ دیا ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پانچ سات ہزار سال پرانی دیو مالا کی بچی کھچی فصل کو بھی کاٹ پھینکیں۔اس کے لئے دیو مالا اور اس کی باقیات کو جانا پہچانا اور سمجھا بُوجھا جائے۔اس کی اصلیت، ماہیت اور حقیقت کو ٹھیک سے جانچا جائے تاکہ اسلام کی اِساسی ضرورت اور اہمیت واضح کی جاسکے اور زیادہ عمدگی اور اعتماد اور مدلّل طریقے سے اسلام کی تسخیری طاقت کو کام میں لایا جاسکے۔

یہاں عام دیو مالا کا بھی تذکرہ ہے اور یونان کی دیو مالا کے ارتقاء کا بھی۔یونان کی دیو مالا کے ارتقاء کا بیان بہت کارآمد ہے۔اس سے پروہتوں، شاعروں، جادوگروں، وڈیروں اور ان کے حواریوں کی چال اور انکے طریقہ واردات کا پتہ چلتا ہے۔عوام کی گردنیں مارنے کے لئے سیانوں نے تخلیقی صلاحیت کے بل بوتے پر دیو مالا کا حربہ گھڑا۔عوام کے سر پر ہمیشہ تلوار لٹکتی رہی۔ علمی سطح پر دیو مالا اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے سے ایک کا خودساختہ اور دوسرے کا من جانب اللہ رہنے کا معاملہ واضح ہو جائے گا۔

اسلام آج بھی اسی طرح توانائی کا لازوال سرچشمہ ہے جس طرح آج سے پندرہ سو سال قبل تھا۔اگر دل کے دیے اسلام کے نور سے روشن کر لئے جائیں تو باطل کے سارے چراغ بجھ جائیں گے۔

یونان کا عہدِ جاہلیت اور دیومالا کا ارتقاء

⌘

دیو مالا کو بالعموم بے سروپا داستانوں کا دفتر خیال کیا جاتا ہے لیکن ایسا خیال کرنا سراسر عصبیت اور حقیقت ناشناسی ہے۔ بشریات اور نفسیات کے ماہرین نے دیو مالا کی تفسیر و تفہیم میں جس سنجیدگی اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم و فن اور تہذیب و تمدن کا یہ شعبہ کس قدر اہم ہے۔ یہی انسان کا پہلا تہذیبی کارنامہ ہے۔[1] اس کی علمی سوچ کا پہلا دین ہے۔ اسلام سے قبل کی فکری تاریخ اسی سے عبارت تھی۔

چند ہزار سال اِدھر معاشرے میں دیو مالا کا ہی سِکّہ رواں تھا اور یہ سحریاتی اقوال و اعمال کی جان تھی۔ فرائڈ کے قول کے مطابق عہدِ قدیم کا انسان دیو مالا کی وساطت سے ہمارے لئے قابل فہم ہے۔[2] مدتوں انسانی شعور کے ارتقاء میں اسی کا عمل دخل رہا۔ اسی کی روشنی میں زندگی کے ضابطے مرتب ہوئے۔ تمام اعمال و اشغال اور حرکات و سکنات اسی کے تابع رہیں۔

۱۔ EUETHEIA یا AGE OF IGNORANCE ۔ ڈاکٹر PREUSS اس عہد کی نسبت URDUMMHEIT (اوائلی عہد کی حماقت) کا کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر گلبرٹ مرے کی تالیف FIVE STAGES OF GREEK RELIGION صفحہ ۳ مطبوعہ WATT & CO (تیسرا ایڈیشن)۔

۲۔ ''ہم قبل تاریخ کے انسان کو ارتقاء کے مختلف مدارج میں ان بے جان یادگاروں اور اوزاروں کے ذریعے جانتے پہچانتے ہیں جنھیں وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ ہم نے اسے فن کی نسبت اس کی معلومات، اسکے دین اور زندگی کے رجحان سے بھی جانا پہچانا ہے جن کا علم یا تو براہ راست ہوا ہے اور یا پھر اس روایت سے جو دیو مالا کے قصوں اور پریوں کی کہانیوں کی صورت میں زمانہ بہ زمانہ منتقل ہوئی۔ نیز اس اندازِ فکر کے بچے کھچے شناسا آثار سے پہچانا جو ہمارے اطوار اور رسم و رواج میں موجود ہے۔ TOTEM AND TABOO صفحہ اول ترجمہ از جیمز سٹریچے مطبوعہ ۱۹۵۰ء

دجلہ، فرات اور نیل کی تہذیبوں کی طرح یونان کی دیو مالا بھی حیاتِ انسانی کا ایک تابناک ورق ہے۔ اگرچہ مصر کے استادوں اور فلسفیوں ہی سے حکمائے یونان نے علمی، تہذیبی اور دینِ ساحری کا سرمایہ سمیٹا ——— تاہم مصر کے علم وفن کے خزانوں سے جو حاصل کیا اسے اچھی طرح سنبھالا، اس سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور اپنے یہاں تہذیب وتمدن کے چراغ روشن کیے۔

دورِ فلسفہ سے قبل دیو مالا ہی یونان میں سب کچھ تھی۔ اسی سے یونانیوں کے ثقافتی مشاغل روزمرہ کے معمولات، انفرادی اور اجتماعی چلن اور علم وفن کی لگن کا راز کھلتا ہے، ان کی ذہنی اپج کا سراغ ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ بادی النظر میں دیو مالا دفتر بے معنی معلوم ہو لیکن تحقیقی آنکھ سے دیکھیں، اسے اچھی طرح جانچیں اور کھنگالیں تو یہ ہمیں انسانی شعور کے ارتقائی سلسلے کی بنیادی کڑیاں فراہم کرے گی۔[1] یہی دفتر بے معنی انسانی سوچ کا ابتدائی اثاثہ ہے۔

حسن، صداقت اور عقیدت دیو مالا جادو اور ریت کی پیداوار ہے۔ ذہنِ انسانی کی ارتقائی سفر کی ناگزیر منزل ہے۔ اس کی اصلیت جانے بغیر بشریات کا مطالعہ ادھورا رہے گا نیز زندگی کے نہایت اہم اور پیچیدہ امور پر پردے پڑے رہیں گے۔ یہ تب کی بات ہے جب ابھی انسان کے گردو پیش پھیلی ہوئیں وسعتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ علم وعرفان کے وہ اِکتسابی وسائل ناپید تھے جو آج پاافتادہ ہیں۔ ایسے میں فطرت پہیلی بن گئی اور کائنات پراسرار قوتوں کا گہوارہ۔ بصارت کی کجی اور کوتاہی بصیرت کو فریب دے گئی۔ انسان جذباتی، جبلّی اور شعوری پُونجی لے کر غلط راہوں پر غلط منزل کی سمت رواں ہوا۔ اس نے کارخانہ حیات اور نظامِ فطرت کو عجیب وغریب انداز سے سمجھا۔ یہ انداز سحریاتی

---

[1] لارڈ RAGLAN اپنی تالیف DEATH AND REBIRTH میں رقمطراز ہیں۔ ''دیو مالا کبھی من گھڑت نہیں ہوتی بلکہ کسی حقیقت کی کہانی ہوتی ہے۔ جسے سچ مچ کے انسان عملاً پیش کرتے یا کر چکے ہوں۔ وہ دوسری طرف یہ کبھی تاریخی حیثیت نہیں رکھ سکتی کیونکہ یہ ہمیشہ کسی حقیقت کی کہانی ہوتی ہے جسے ایک بار نہیں متعدد بار دھرایا گیا ہو۔ دیو مالا اور ریت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ریت سحریاتی تمثیل ہے اور دیو مالا اس کے بیان کی کتاب۔ تمثیل کھیلنی بند ہو جائے تو اکثر یہ کتاب بچ رہتی ہے۔'' بحوالہ A GUIDE TO RELIGIOUS CONTROVERSY مولفہ HECTOR HAWTON صفحہ ۱۱۹، مطبوعہ WATT & CO، ۱۹۵۰ء

تھا۔ انسان نے ذرے ذرے میں بے پایاں قوت متصوّر کی اور اسے ''مانا'' کہا۔[1] اس نے مظاہرِ قدرت کو قابلِ فہم بنانے اور ان تک رسائی پانے کی غرض سے انہیں خداؤں کے روپ میں ڈالا۔

یہ عمل لاکھ فریب آلود سہی تاہم دلفریب تھا۔ انسان نے اسی میں صداقت تلاش کی۔ یہ صداقت کتنی انوکھی اور جبلّی معلوم ہو لیکن مقدر تھی۔ اس میں انسانی جبلّت، جذبہ، احساسِ شعور، بصارت اور بصیرت نہایت دیانت داری سے کارفرما تھی۔ آدمی نے اپنے عہدِ طفولیت میں نہایت دیانت داری سے غلطی کی، اسے اپنی غلطی محسوس بھی نہ ہوئی۔ وہ ذہنی اور بدنی طور پر فطرت سے براہ راست قریب بلکہ متصل رہا۔ اسی لئے غلطی کرنے پر معصوم تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس حسین فریب کے سواء چارہ نہ تھا۔[2] اسی فریب اور غلطی کے باعث فریزر نے اس غیر سائنسی شعبۂ معاشرت یعنی سحر و طلسم کو ''سائنس کا حرامی بچہ'' کہا۔ اس سے ان اقوام و قبائل کی فکری کاوش کے باب میں ذم کا پہلو نہیں نکلتا جنھوں نے اسے جنا اور پروان چڑھایا۔[3] سمجھ کے اس پھیر پر انہیں مطعون کرنا بجا نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا اپنی عقلی بساط کے مطابق کیا۔ تہذیبی اعتبار سے ان کی دریافت اور ان کا طرزِ عمل لاثانی تھا۔ گو جادو کے قرب و جوار میں مذہب[4] نے کروٹ لی۔

---

1. مانا یعنی سحری قوت جاندار اور بے جان سبھی میں ہوتی۔ اسی لئے قدیم قبائل کے نزدیک جاندار اور بے جان میں کوئی فرق نہ تھا۔ RELIGIOUS CONTROVERSY صفحہ ۱۲۴

2. ''مجھے یقین ہے کہ اکثر جب بعض معاملوں میں منطق اور تجربہ رہ جاتے ہیں تو عملاً مذہب سے رہنمائی ملتی ہے۔ مذہب کے لئے یہ بہت بڑا کام رہ گیا ہے لیکن مذہب کے باب میں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ غلطی کا امکان بہت زیادہ بلکہ قریب قریب غیر محدود ہے۔ پھر جب بالیقین غلطی کی جائے تو نتائج ہولناک ہوتے ہیں۔ غالباً اب آدم کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں شائستہ لوگوں نے مذہب کے نام پر بدترین کام کئے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ سلسلہ تمام ہوگیا ہے۔ FIVE STAGES صفحہ ۸۔

3. جادو قانونِ قدرت کی تفہیم کا جبلّی نظام اور دستورِ حیات کا غلط راہ نما ہے۔ یہ گمراہ کن علم اور ناقص فن ہے۔'' THE GOLDEN BOUGH صفحہ ۱۱ مطبوعہ میکمین اینڈ کمپنی ۱۹۴۹ء

4. اسلام نے دیو مالا کی کثرت کو رد کیا اور وحدانیت کا انقلاب آفرین تخیل دیا۔ زعیم پرستی اور بت پرستی کا استرداد کیا۔ ویسے نچلی سطح پر کوئی اور دیو مالا کے اثراتِ قبیحہ سے کاملاً محفوظ نہ رہا۔ جہاں ضعیف الاعتقادی آئی اوہام و وساوس نے غلبہ پایا۔ مذہب نے بعض سحریاتی رتیوں کی تطہیر کی اور نظریاتی تصحیح کے بعد انہیں اپنایا۔ اس ضمن میں قربانی کی ریت خصوصی مطالعہ چاہتی ہے۔ ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف ''جادو اور جادو کی رسمیں'' مطبوعہ فصل ''قربانی کی ریت''۔

کہیں مذہب بالخصوص اسلام نے جادو اور دیو مالا کا طلسم توڑا، ان کے خداؤں کو چت کیا، لوگوں کو نئی ڈگر پر ڈالا۔ کہیں ریتوں رسموں کے معاملے میں جادو اور مذہب شیر وشکر رہے تاہم جادو اور دیو مالا مٹنے سے قبل دنیا کو ثقافت کا بہت بڑا خزانہ سونپ گئے۔ انہی کی وساطت سے بعض ثقافتی علوم وفنون کی براہ راست بنیاد رکھی گئی اور انہیں مستقل حیثیت ملی۔ ثقافتی شعبوں کی بنیادی تشکیل بلکہ قابلِ قدر حد تک ترقی انسانیت کی عہدِ طفولیت میں ہوئی جب شعور دھندلایا ہوا اور توہمات سے معمور تھا۔

رزمیہ اور ضمیہ داستانیں شعور کی آنکھ کا اجالا ہیں۔ ڈرامے اور تھیٹر کی روایت کئی ہزار سال پرانی ہے۔[1] رقص وموسیقی بھی عہدِ توہم کی ایجاد ہیں۔ سنگ تراشی، فنِ تعمیر، مصوری اور کوزہ گری دیو مالا کے معتقدین کی نشانیاں ہیں۔ سحر پرستوں کا جمالیاتی ذوق اوراقِ جہاں پر معبدوں، بتوں، خشتوں، ستونوں، ایوانوں اور گلی کوچوں کی صورت میں بکھرا پڑا ہے۔ کوزہ گری کی مدد سے تو عہدِ توہم کی تہذیبی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔[2]

یونانی دیو مالا کے ماخذ یورپ میں علم وفن کی ابتداء کم وبیش یونان سے ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج

---

[1] ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون "ڈرامے کی ابتداء" مطبوعہ اقبال" اکتوبر ۱۹۵۷ء

[2] مس جین ایلین ہیری سن (۱۸۵۰۔۱۹۲۸) کی گراں قدر تالیف FIVE STAGES OF GREEK RELIGION PROLEGOMENA بیشتر مواد کوزہ گری کی صنعت کا مرہونِ منت ہے۔ اس حیرت خیز تالیف نے یونانی دیو مالا کی نسبت صدیوں کے مقبول ومروج نظریات تہ و بالا کئے اور تاریخ کا رخ موڑا۔ موصوفہ کیمبرج کے NEWNHAM کالج میں کلاسیکی آثاریات کی معلمہ تھیں۔ درسگاہ نے تین سال تک انہیں کتاب کی تالیف وتسوید کے ذرائع مہیا کئے اور فرصت دی۔ یونان کے عہدِ جاہلیت پر یہ ایک بے مثل کتاب ہے اور انقلاب آفرین نظریات کی حامل، پروفیسر گلبرٹ مرے ایسے فاضل نے FIVE STAGES OF GREEK RELIGION کے بابِ اول SATURNIA REGNA کا بنیادی مواد اور نظریہ یہیں سے مستعار لیا ہے۔ انہوں نے دیباچے میں مس ہیری سن کے علمی کارنامے کا اعتراف کیا ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس تالیف سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ میرے تصرّف میں میریڈین بکس نیویارک، کا نسخہ رہا ہے، سن طباعت ۱۹۵۹ء ہے۔

میں ہر تعصب سے بالاتر ہو کر انتہائی فراخ دلی سے یونانی حکماء سے استفادہ کیا۔تاہم اسلام کی انقلاب آفرین تہذیبی سوچ، معاشرتی اطوار و اقدار کی سادگی اور نئے جمالیاتی فلسفے نے نہ صرف دینِ ساحری کا مضبوط اور مستحکم ایوان ڈھا دیا بلکہ فکرِ انسانی کا قبلہ درست کیا، نہایت دلآویز اور سدا قائم رہنے والا نیا ڈھانچہ دیا۔اسلام نے دینِ ساحری کی بیخ کنی کی اور اسے شکستِ فاش دی۔

یونان علم و دانش کا گہوارۂ اوّل نہیں۔تہذیب وتمدن کے اولین معلوم گہوارے سندھ، فرات، دجلہ اور نیل کی پرانی وادیاں ہیں۔آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے یہ رعنائی اور توانائی کے سرچشمے تھے، یہیں وہ اَدیان رونما ہوئے اور وہ سُنَن جاری ہوئیں جن سے قبلِ اسلام ایک عالم روشن رہا ہے۔تہذیب وتمدن کے یہ گہوارے صدیوں چمکتے رہے۔یہیں سے شاہراہیں کھلیں اور یہیں سے یونان میں اجالے پھیلے۔یہاں کی دیو مالا کے کتنے ہی موتی ٹوٹ کر یونان کے سلسلے سے آملے۔زیوس کے کنبے کے بعض افراد بالخصوص ربُّ الخمر دائی اونائی سس یہی سے آیا۔ زرخیزی کے دیوی دیوتا اور ان سے متعلقہ ریتیں رسمیں بھی ادھر کی ہیں۔ہیرودوتس کے سیاحت نامے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے نیل دیس سے کتنی وابستگی تھی۔نیز اس نے وہاں کی زندگی اور رسوم کا مطالعہ کس اِنہماک سے کیا۔وہیں سے علم حاصل کیا۔دیس یونانیوں کی درس گاہ بن گیا۔یونان کے اوّلین فلسفی تھیلیز نے مصر اور فنیقیا میں حکمت کی تعلیم پائی۔تہذیب کے ان پرانے گہواروں کے علاوہ ایشیائے کوچک نے بھی یونان کو مستفید کیا۔پہلا یونان کہ آئی اونیا کہلاتا، اوّل اوّل ایشیائے کوچک ہی سے شناسا ہوا۔کنواری شکار دیوی ارطمس یہیں سے درآمد ہوئی، پرانی تہذیبوں کے عالیشان ایوانوں اور گہواروں سے شاہکار سمیٹے اور اپنا گھر سجایا۔

یونانی دیو مالا کا ایک نہایت اہم ماخذ یونان کے عہدِ جاہلیت کا دینی مواد ہے جس کے منتشر اجزاء زیوس کے ماننے والوں (آکیاؤں) کی آمد سے پہلے موجود تھے۔اگرچہ فاتحین کے مقابل

۱؎ THE EVOLUTION OF KNOWLEDGE از جیمز بیرن، باب اوّل مطبوعہ ولیمز اینڈ نورگیٹ۔

(پیلازجیوں)[1] کی دیومالا منتشر اور بے نام تھی۔ نیز فاتحین کی دیومالا کے مانند بین الاقوامی مقام نہ قبائلی اور مقامی تھی تاہم اپنے اپنے علاقے میں بڑی گہری جڑیں رکھتی اور دیسیوں کے لئے کافی تھی۔

---

[1] تھیسالی کے آکیاؤں کی آمد کا زمانہ تین ہزار سے دو ہزار سال ق۔م ہے۔ انہی نے بارھویں صدی ق۔م میں ایلیون (طروئے) کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ ان سے پہلے یونان میں پیلازجی یعنی سمندری لوگ بسے تھے۔ ایلیون میں بھی ان کی نسل موجود تھی۔ نہ جانے یہ کب یونان میں آئے اور ان کی زبان کیا تھی تاہم اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے فنیقی تجار سے ابجد سیکھی۔

جب حکمران پیری کلیز (۵۰۰ تا ۴۲۹ ق۔م) کے عہد میں از سر نو وسیع پیمانے پر مقدس پہاڑی آکروپولس کی تعمیر و تزئین شروع ہوئی تو پیلازجیائی تمدن کے نشانات مٹا دیے گئے تاہم اب بھی ہم بعض نشانات دیکھ سکتے ہیں۔ ایتھنز میں پیلازجیوں کی دیوار ہے۔

آکیائی مردوں کو جلاتے، پیلازجی دفناتے۔ ہومر کی ''ایلیڈ'' (کتاب) سے واضح ہے کہ زعیم پاطروکلس کو بڑے احترام و اہتمام سے نذر آتش کیا گیا اور عزائی کھیل منعقد کئے جو المپک کھیلوں کا پیش خیمہ تھے لیکن جب زعیم اجیکس نے خودکشی کی تو اعزاز سے محروم رہا اور دفنایا گیا۔ گویا آکیائی تدفین کو گھٹیا درجہ دیتے تھے۔

اہل مصر کی طرح پیلازجی لاشوں کے ساتھ گھریلو استعمال کی چیزیں رکھ دیتے۔ مصنوعی چہرے پہناتے، عورتوں کے سروں پر تاج رکھتے۔ دفنانے کی ریت پیلازجیوں کی دینی خصوصیت تھی۔ زمین پرستی ان کے مسلک کی اساس تھی۔ زعیم زمین تلے پہنچتے ہی دیوتا بن جاتا اور پوجنے لگتا۔ پیلازجیوں کے دیوی دیوتا تحت الارضی تھے۔

پیلازجیوں کی تہذیب تانبے اور برنج کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ ابتداء میں پتھر کے زمانے کے آثار پائے جاتے۔ لوگ تلواروں، بھالوں اور تیروں سے لڑتے، بڑے بڑے چرمی خود پہنتے، قدِ آدم ڈھال سے مدافعت کرتے۔ شہزادے دو گھوڑا رتھ پر چڑھ کر محاذِ جنگ پر جاتے، لوہے کا استعمال عام نہ تھا۔ آخری عہد میں بھی لوہا اتنا گراں اور نادر تھا کہ اس سے صرف زیورات بناتے، ان کے برخلاف آکیائی لوہے کے عام استعمال سے بخوبی آشنا تھے اور غالباً اسی لئے یونان کے قدیم باشندوں پر غالب آئے۔

مائی سینی میں پروان چڑھنے کی وجہ سے پیلازجی تمدن، مائی سینیائی تمدن کہلایا۔ مائی سینی ریاست بحرِ ایجین کے ساحل پر مضبوط ترین اور دولت سے معمور تھی بڑا شہر تھا۔ اس سے کم تر لیکن قدیم تر شہر تائی رنز میں بھی پیلازجیائی تمدن کے آثار پائے گئے۔ سمندری ساحل سے ڈیڑھ میل دور ایک کم بلند چٹان پر واقع تھا۔ اردگرد دلدل تھی۔ چٹان کے تین تختے تھے۔ بلند ترین تختے پر قدیم اسلوب تعمیر کے مطابق قلعہ، محل اور معبد یکجا تھے۔ چٹان کے اردگرد پتھر کی دیوار کھڑی کی گئی، سلیں مٹی کے مصالحے سے جوڑی گئیں۔ کہتے ہیں کہ اس عظیم الشان فصیل کو لیشا کی جناتی مخلوق۔ سائیکلوپوں ______ نے بنایا۔ آکیاؤں کی روایت کے بموجب پرانی نسل کے ان خداؤں نے دس سالہ خانہ جنگی میں زیوس کا ساتھ دیا۔ اودی سیس نے ایلیون کے محاذِ جنگ سے فراغت پانے کے بعد گھر کو مراجعت کی تو راستے میں آدم خور سائیکلوپوں کے جزیرے میں چلا گیا اور حسنِ تدبر سے جان بچا کر نکلا۔ ملاحظہ ہو (الف) ''ہیرودوتس کی ہسٹریز'' صفحات ۵۳، ۵۷ (پینگوئن بکس سنہ ۱۹۵۴ء) (ب) پروفیسر جے سی سٹوبرٹ کی تالیف THE GLORY THAT WAS GREECE صفحات ۱۰۷، ۱۸۳ (سجوک اینڈ جیک سن، لندن ۱۹۵۱ء) (ج) سر ولیم رجوے کی تالیف EARLY AGE OF GREECE مطبوعہ ۱۹۰۱ (د) پروفیسر جے بی بری کی A HISTORY OF GREECE (ماڈرن لائبریری، نیویارک، سن طباعت ندارد)

جب زیوس کے ماننے والے (آکیائی) آئے تو انہوں نے قدیم مقامی دیومالا کی شیرازہ بندی کی اور اسے اپنی دیومالا سے مربوط و ہم آہنگ کیا۔ اُلمپس کے خداؤں کو ایک منفی فوقیت حاصل تھی۔ وہ قبائلی یا مقامی نہ تھے لیکن خدا تھے۔ وہ اس وقت بین الاقوامی تھے کہیں بھی ان کی جڑیں مضبوط نہ تھیں البتہ جہاں کہیں مقامی خدا سے مماثلت نکل آتی بات بن جاتی۔[1] جو علاقے فاتحین کے زیرِ نگیں آئے ان کے مرکزی مقامات آسانی سے نئی دیومالا کی گرفت میں آئے لیکن دور اُفتادہ مقامات پرانی روش پر قائم رہے۔

آکیاؤں کے حمد گو شاعروں، ہومر اور ہی سیود نے قدیم و جدید کے مواد سے دیومالا کو سائنسی خطوط پر مرتب کیا۔ بے نام شے کو نام دیا، معیّن شکل وصورت دی، نوک پلک سنواری، حسن کی تخلیق کی اور دیومالا کو ایک دلفریب شعر بنا دیا۔ ناپختہ عبادت گاہوں، مقدس شجر گاہوں، لیپے پتے ہوئے میدانوں، مقبروں اور خانقاہوں کے وسیع آنگنوں میں عبادت کے طور پر جو لوک گیت اور لوک ناچ پیش کئے جاتے نیز جو ریتیں ادا کی جاتیں ان میں ترمیم و اضافہ کیا گیا۔

ہومر اور ہی سیود کی داستانیں نہایت آزادی سے یونان کے گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے لگیں۔ یہی جدید ادب کی جان تھیں اور معتقدات کا نیا مرقّع۔ ان دینی دستاویزوں اور صحیفوں میں فاتحین کا ذکرِ خیر تو موجود تھا لیکن ان کے پیشروؤں کے تمدّنی کارناموں کا بیان نہ تھا حالانکہ نئی دیومالا کے یہی سب سے اہم ماخذ ہیں۔

لاطینی شاعر اوِور نے بھی بڑی تفصیل سے دیومالا کی کہانیاں نظم کی ہیں لیکن وہ ان پر ایمان نہ رکھتا، ایمان تو درکنار وہ انہیں لغو قرار دیتا۔ چنانچہ کہتا ہے، ''میں تو پرانے لوگوں کے ہولناک جھوٹ کی بکواس کرتا ہوں۔ چشمِ انسانی نے اب یا تب کبھی اتنا بڑا جھوٹ نہیں دیکھا۔''

چھٹی صدی ق م کے آخر میں پندار نے کھیلوں اور کھلاڑیوں کی کامیابی پر بڑی دلآویز نظمیں کہیں۔ انہی میں دیومالا کی کہانیاں سموئیں۔ اس کے بعد پانچویں صدی ق م کے ڈرامانگاروں (ایسکی لس، سوفوکلیز اور یوری پیڈیز)[2] نے دیومالا کے مواد سے لازوال فن پارے تخلیق کئے۔

---

[1] FIVE STAGES صفحہ ۶۷۔

[2] ''عظیم المیہ نگار فقط چار ہیں جن میں سے تین یونانی ہیں'' یونانیوں کے نام اوپر متن میں مندرج ہیں۔ چوتھا فن کار شیکسپیئر ہے۔ ایڈتھ ہملٹن کی تالیف THE GREEK WAY TO WESTERN CIVILIZATION، باب گیارہ۔

افسوس! ان عظمت مآب فن کاروں کی بیشتر تخلیقات تلف ہو چکی ہیں تاہم چند اہم جو رہ گئی ہیں فنی اور علمی اعتبار سے گراں مایہ ہیں۔ انہیں سے تاریخیں مرتب ہوئیں اور ڈرامے کی روایت آگے بڑھی۔ یونانی دیو مالا کو غیر فانی اور عالمگیر شہرت ملی۔ طربیہ نگار اَرِسطوت آنیز کے یہاں دیو مالا کی تلمیحات ملتی ہیں۔ اسی زمانے میں یورپ کے مؤرخ اول ہیرودوطس نے سحریاتی ریتوں رسموں کے متعلق نہایت قیمتی مواد جمع کیا۔ مسیح سے اڑھائی صدی قبل اپولونیس اور تھیوکریطس نے بھی دیو مالا کے چند قصے نظم کیے۔

کیوپڈ اور سائیکی کا قصہ صرف لاطینی مصنف اپولیس (دو صدی بعد از مسیح) کے یہاں ملتا ہے۔

اووِڈ کی طرح اپولودورس نے بھی دیو مالا پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اگرچہ اس نے مبالغے سے کام نہیں لیا تاہم اس کی تحریریں خشک ہیں۔ سر جیمز فریزر کے خیال میں اپولودورس دوسری صدی بعد از مسیح میں ہو گزرا ہے۔

یونانی سیاح پوسینی ایس سیاحت کے دوران میں جہاں کہیں گیا وہاں کی داستانیں قلمبند کرتا گیا۔ اس کی تحریروں میں متانت کا عنصر غالب ہے۔ یہ بھی دوسری صدی بعد از مسیح میں ہوا۔

دیو مالا کے مصنفین میں لاطینی شاعر وَرجِل (۷۰ سے ۱۹ ق۔م) بڑا اونچا مقام رکھتا ہے۔ وہ اووِڈ کا ہم عصر تھا اور اسی کی طرح دیو مالا کی کہانیوں پر یقین نہ رکھتا۔ تاہم اس نے ان میں انسانی فطرت عیاں پائی۔ اس نے دیو مالا کی ہستیوں کو اس جذبے سے زندہ کیا کہ یونانی المیہ نگاروں کے بعد اس کے سوا کوئی نہ کر سکا۔[1]

عہدِ جاہلیت ہر نسل اور قوم کا عہدِ طفولیت معصوم سہی تاہم لاعلمی کا شکار ہوتا ہے۔ قدیم یونانی اس کلیئے سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کے یہاں بھی ایک ایسا عہد گزرا جو بعد کے ترقی یافتہ عہد کے مقابل کم آگاہی

---

[1] ایڈتھ ہملٹن کی تالیف MYTHOLOGY صفحہ ۲۳ مطبوعہ نیو امریکن لائبریری، بارھواں ایڈیشن ۱۹۵۹ء

کا عہد تھا۔ یوں تو عہدِ جاہلیت میں سحر و طلسم اور دیو مالا ناپید نہ تھی تاہم اوائلی لوگ مطمئن تھے۔ معمولاتِ حیات کے لئے اقرار و انکار اور تصورات کا حسب ضرورت کافی ذخیرہ رکھتے لیکن تہذیب و تمدن کے نئے ریلے کے سامنے ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ دیسیوں میں بڑھنے پھیلنے کی صلاحیت محدود تھی۔ انہوں نے اپنا اور اپنے دیس کا وہ نام پیدا نہیں کیا جو بدیسی فاتحین نے کیا۔ وہ تادیر دینِ اسلاف پر قائم نہ رہ سکے۔

عہدِ جاہلیت کا دین کہ اُصنام پرستی کا دوسرا نام تھا۔ امتیازی خدوخال سے عاری تھا۔ دیوتا معینہ اوصاف و خصوصیات تو در کنار رنام تک نہ رکھتے۔ دین میں ٹھہراؤ پیدا تھا اور نشو و ارتقاء کا سلسلہ ناپید۔ آکیاؤں کی آمد پر ارتقاء کی تحریک جاری ہوئی۔ ہیرودوطس کا یہ بیان اس پر شاہد ہے۔

''مجھے دودونا[1] میں جو کچھ بتایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ پرانے پیلازجی ہر قسم کی قربانی دیتے اور ایسے دیوتاؤں کو پوجتے جن کا نہ کوئی نام تھا اور نہ لقب کہ امتیاز قائم کیا جا سکتا۔ نام اور لقب ایسی چیز انہوں نے ہنوز نہ سنی تھی۔ وہ دیوتاؤں کو یونانی لفظ THEOI سے پکارتے جس کے معنی تھے نمٹانے والے۔ دیوتاؤں نے ہر چیز کو نمٹایا، باقاعدگی سے مرتب کیا اور موزوں شعبوں میں بانٹا۔ مدتوں بعد یونان میں مصر سے خداؤں کے نام لائے گئے جنہیں پیلازجیوں نے سیکھا۔ البتہ دائی اونائی سس مستثنیٰ رہا کیونکہ اس کی بابت ایک زمانے تک کچھ علم نہ ہوا۔ پھر زمانہ گزرتا گیا، آخر انہوں نے دودونا کے کاہن کے پاس آدمی بھیجا تب یونان بھر میں دودونا ہی ایک دارلکہانت تھا اور قدیم ترین بھی۔ قاصد نے مشورے کی نیت سے پوچھا کہ پردیس سے جو نام آئے ہیں انہیں اپنانا کہاں تک روا ہے، کاہن نے جواباً کہا کہ انہیں اپنانا درست ہے۔ پس تب سے پیلازجی قربانی پر نام لے کر خداؤں کو پکارنے لگے۔ پھر یہ نام پیلازجیوں کی وساطت سے یونان میں پھیلے۔''[2]

بے نام خداؤں کے باب میں مس ہیریسن بتاتی ہیں کہ عہدِ جاہلیت کے خدا بعض مشترکہ اوصاف و خصائل سے جانے پہچانے جاتے۔ غالباً یہ خدا زمین، آسمان اور سمندر ایسے مظاہرِ قدرت تھے۔

۱۔ DODONA

۲۔ ''ہسٹریز'' صفحات ۱۲۳، ۱۲۴ مصری دیو مالا کے اثرات اور آکیائی تحریک کے ضمن میں یہ بیان نہایت ہی اہم ہے۔ پہلے مس ہیریسن نے PROLEGO میں اور پھر پروفیسر گلبرٹ مرے نے FIVE STAGES میں اسے نقل کیا۔ پروفیسر مرے نے موصوفہ کی سرتاپا تائید کی ہے۔

انسان کے دماغ پر جب اور جہاں ہوش وخرد کی پہلی کرن پڑی شعور نے بیداری کی پہلی کروٹ لی اور اس نے گردوپیش کو دیکھا تو سب سے پہلے اسے زمین سے پالا پڑا جو پاؤں تلے تھی۔ جس پر وہ ٹھکانا بناتا اور جس کے دامن سے رزق کے اسباب وابستہ تھے۔ زمین ہی پر مرنا جینا تھا، یہی پروردگار تھی، ماں تھی، دیوی تھی۔ اسی سے زرخیزی کی ریتوں رسموں کو جنم ملا جو جذبات کی دنیا میں نچلی سطح پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتیں۔ دھرتی ہی سے دیومالا کی داغ بیل پڑی۔ زمین پرستی دنیا کا پہلا دین قرار پایا۔

پَیلا زجیوں کے خداؤں کے بے نام ہونے کی ایک وجہ ان کی کثرت تھی۔ بستی بستی اور قبیلے قبیلے کا خدا جدا تھا۔ مروجہ دستور کے بموجب آئے دن خدا پیدا ہوئے۔ ہر زعیم مر کر خدا بنتا اور دیومالا میں شامل ہوتا۔ خداگری کا سلسلہ برابر جاری رہتا، اسی لئے ناموں کے پھیر میں پڑنے سے تو یہی بہتر تھا کہ خداؤں کو عمومی اوصاف و خصائل سے موسوم کیا جائے، تب خدا شعبوں میں منقسم نہ تھے۔ شعبہ وارانہ تقسیم کے فقدان کی وجہ شاید یہ تھی کہ مرنے کے بعد تمام زعیم یکساں درجہ اور اوصاف و خصائل رکھتے۔ ''ہر مقامی زعیم کو لڑائی میں اپنے کنبے کی مدد کو آنا پڑتا۔ قبیلے والوں کو فصلیں فراہم کرنی پڑتیں اور ان کی نسل بڑھانی پڑتی۔ جب قبیلہ حیران و پریشان ہوتا تو کاہن بن کر اسے راہ دکھانی پڑتی۔ اسی کو ہر ہنگامی ضرورت سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا پڑتا۔ یہ بھی اسی کا کام تھا کہ وقت پڑے تو ٹوٹا ہوا برتن جوڑ دے۔''[1]

لیکن اس کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ بیماروں کو تندرست کرے۔ معالجانہ خوبی اسے اُلمپَس کے دیوی دیوتاؤں کے ہم پایہ کرتی اور فاتحین کے لائق۔ اسکی پیس ASKEPUS نامی زعیم معالج کو زیوس کا ہم شکل ظاہر کیا گیا۔ ایک تصویر میں یہ ریش ور دیوتا لاٹھی کا ٹیکا لئے کھڑا ہے۔ پہلو میں بہت بڑا ناگ بل کھائے کھڑا ہے، روبرو پجاری ہیں۔ اگرچہ ناگ بہت بڑا ہے تاہم بل کھا کر دیوتا کے ہم قامت ہو گیا ہے۔ ناگ اصل میں دیوتا کا وصف اور ظاہری روپ ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ایک ہی کے دو روپ ہیں۔ یہ ناگ پُراسرار اور مہلک زمینی کیڑا ہے جو مر کر دیوتا ہوا۔[2]

۱۔ PROLEGO صفحہ ۳۴۰ ۲۔ PROLEGO صفحات ۳۴۰ سے ۳۴۲ تک

عہدِ جاہلیت میں لوگ کم پختہ اور پریشان شعور کے باعث دیوی دیوتاؤں کو الگ الگ وشکل صورت دیتے۔ ہر قبیلے اور ہر بستی میں تخلیقی صلاحیت کا الگ الگ مظاہرہ ہوتا۔ دیو مالا میں حسبِ ضرورت ہر دم ترمیم و اضافہ کی گنجائش رہتی۔ دیو مالا میں بڑی لچک ہوتی اور لوگوں کے ذہنی تغیرات اس میں راہ پاتے۔ ''بھوت پریت اور باقاعدہ دیوی دیوتا میں جو فرق پایا جاتا وہ بہترین طریق پر اسی اصول سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی ہی صورت پر اپنے معبود وضع کرتا'' ۱؎ جوں جوں اس کی اپنی صورت بدلتی توں توں اس کے معبودوں کی ہیئت میں تبدیلی آتی۔

۱؎ ایضاً صفحہ ۳۵۷ مس ایڈتھ ہملٹن نے اس نظریے کی یوں صراحت کی ہے۔ ''یونانیوں نے اپنی صورت پر اپنے خدا وضع کئے۔ یہ خیال پہلے کبھی انسان کو نہ سوجھا۔ پہلے خدا اصلیت کا روپ نہ رکھتے وہ تمام جانداروں سے مختلف ہوتے۔ مصر میں مینار نما کولوسس بے حرکت تھا۔ اس کے باب میں حرکت کا تصور غیر ممکن تھا، پتھر میں یوں جمایا گیا جیسے معبد کا زبردست ستون ہو گویا انسانی صورت کی ترجمانی کرتا تاہم اسے دانستہ غیر انسانی روپ دیا گیا۔ یہی خدا کبھی بلی کے سر والی عورت کی سنگین صورت میں ظاہر ہوتے جس سے شدید قسم کی غیر انسانی سنگدلی کا گمان گزرتا یا پھر ہر ذی حیات سے الگ تھلک پراسرار راکھشس یا ابوالہول ہوتے۔ میسوپوتیمیا میں خداؤں کی شکلیں درندوں کی سی تھیں لیکن کسی ایسے درندے سے مماثل نہ تھیں جو آدمی کے علم میں ہو۔ انسانوں پر پرندوں کے سر، شیروں پر سانڈوں کے اور دونوں کو عقاب کے پر لگے ہوتے۔ یہ ان فن کاروں کی تخلیق تھے جو ایسی صورتیں بنانا چاہتے ہیں جنہیں کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ یہ تصویریں فن کاروں کے اذہان میں موجود تھیں۔ تصنع کی یہ انتہا تھی۔''
''یونان سے قبل دنیا ایسے ہی معبودوں کو پوجتی۔ بس اتنا ہوا کہ تصور میں ان کے برابر کسی معبود کا یونانی بت رکھ دیا جائے۔ یہ بت بہ کمال رعنائی کس قدر معمول کے مطابق اور فطری ہوگا۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ دنیا میں کیسے نیا خیال پیدا ہوا۔ اسی کے ساتھ دنیا تعقل پسند ہوئی۔''

سینٹ پال نے کہا کہ غائب کو حاضر کے ذریعے سمجھنا چاہیئے۔ یہ خیال عبرانی نہیں یونانی ہے۔ جہاں تک قدیم دنیا کا تعلق ہے صرف یونان والے حاضر کے خیال میں محو تھے۔ وہ دراصل گرد و پیش کی دنیا میں اپنی امنگوں کی تسکین پاتے۔ بت تراش کھیلوں کے دوران میں کھلاڑیوں کو مقابلہ کرتے دیکھتا۔ وہ ان جوانوں اور توانا بدنوں سے بڑھ کر اپنی چشمِ تصور میں کسی کو حسین نہ سمجھتا۔ داستان گو نے ہرمیز دیوتا کو بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں میں پایا۔ اس نے خدا کو ایسی عمر میں گھبرو جوان کی مانند دیکھا جب ہومر کے الفاظ میں جوانی سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ یونانی نقاشوں اور شاعروں نے جان لیا کہ آدمی کس قدر ذی شان، راست قد، تیز رو اور توانا ہوسکتا ہے۔ آدمی ان کی جستجوئے حسن کا جواب تھا۔ ان کی یہ خواہش نہ تھی کہ تخیل کی تراشی ہوئی کوئی فرضی تصویر پیش کریں۔

ان انسانی خداؤں نے قدرتی طور پر فلک کو خوش گوار مانوس مقام بنادیا۔ یونان کے لوگ یہاں اپنائیت محسوس کرتے۔ انہیں ٹھیک ٹھیک معلوم تھا کہ خدا فلکی مسکن میں کیا کرتے، کیا کھاتے پیتے، کہاں ضیافتیں اڑاتے اور کس طرح جی بہلاتے۔ لاریب لوگ ان سے ڈرتے کیونکہ وہ برہمی کے عالم میں بڑے قوی اور خطرناک ہوتے تاہم مناسب احتیاط برت کر آدمی خداؤں سے خاصے اچھے تعلقات پیدا کرسکتا۔ (اگلے صفحے پر)

فرائیڈ کی رائے میں خدا کو باپ کی شکل پر تخلیق کیا گیا۔ باپ کنبے اور قبیلے کا سربراہ ہوتا۔ بیٹے، کنبے اور قبیلے کی زندگی باپ کے گرد گھومتی۔ پھر یہ سب مل کر خدا کے گرد گھومتے۔ خدا میں عبادت کی ریتیں رسمیں اور تمام دینی مصروفیتیں سمٹ آتیں۔ خدا درحقیقت باپ ہی کی رفعت یافتہ صورت تھی۔[1] باپ سے پہلے خدا ماں کی شکل پر تراشے گئے۔

ناگ پوجا فراہم شدہ معلومات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ عبادت کے لائق سب سے پہلی ہستی دھرتی تھی۔ دھرتی ہی دیومالا کی کلید تھی اور دھرتی پوجا پہلا دین۔ دھرتی پوجا کی ایک شکل ناگ پوجا تھی۔

ناگ عہدِ جاہلیت کے معبودوں میں نہایت اہم معبود تھا۔ حشرات الارض میں سب سے زیادہ خوشنما، پراسرار اور مہلک تھا۔ زمین سے واسطہ رکھتا اور پاتال میں رہتا۔ معبود کو یہ اوصاف کافی تھے۔ وہ لوگ جو ابھی رموزِ کائنات اور حیاتیات کی الف بے بھی نہ سیکھ پائے اسے محیرالعقول طاقت کا حامل سمجھے۔ ان کے نزدیک یہ روح بردار تھا۔[2] زندگی اور موت سے گہرا رشتہ رکھتا۔

وہ تو بلکہ کامل آزادی سے ان پر ہنس لیتا۔ زیوس جو دوسری عورتوں سے اپنی محبت کے معاملات کو بیوی (ہیرادیوی) سے چھپانے کی کوشش کرتا، سب سے زیادہ تفنن و تمسخر کا موضوع تھا۔ اسی بنا پر یونانی اس کی ذات سے حظ پاتے اور اسے پسند کرتے۔ ہیرادیوی طربیے کا ایسا کردار تھی جو حاسد بیوی ہونے یا اپنے شوہر کو بے آرام کرنے نیز رقیب کو سزا دینے کی غرض سے دانشمندانہ تدبیریں اختیار کرنے کے باعث یونانیوں کو ناخوش تو کیا، اس طرح لطف اندوز کرتی جس طرح ہیرا کا نیک شریکِ حیات آج ہمیں لطف اندوز کرتا ہے۔ یہ داستانیں دوستانہ جذبات سے تراشی گئیں۔ مصر کے ابوالہول یا آشوریا کے درندہ نما پرندے کے حضور میں ہستی کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا لیکن المپس پر یہی حرکت بالکل فطری ہوتی۔ اسی لئے یونانی خدا ہم جلیس ہونے کے قابل ہوئے۔

"زمین پر دیوی دیوتا حد سے زیادہ بطور انسان جاذبِ توجہ تھے۔ حسین جوانوں اور کنواریوں کے روپ میں یہ دیوی دیوتا، خوشنما زمین اور بحر و دریا سے اپنا مزاج ہم آہنگ کر کے جنگلوں، دریاؤں اور سمندر میں جا بستے۔"

MYTHOLOGY صفحات ۱۶، ۱۷

۱۔ "ٹوٹم اینڈ ٹیبو" صفحہ ۱۴۷

۲۔ ناگ کے علاوہ بعض پرندے بھی روحوں کے نقل و حمل کے وسیلے تھے۔ یہ پرندے آدمی کا سر رکھتے۔ ان میں بعض گنبدوں پر بیٹھتے۔ ناگ بھوت اور پنچھی بھوت میں نمایاں فرق یہ تھا کہ اول الذکر آدمیوں کے لئے اور ثانی الذکر عورتوں کے لئے ہوتا۔ ناگ عام طور پر کسی جدِ امجد کا بھوت خیال کیا جاتا۔

زعیم مر کر ناگ بن جاتا اور پھنے لگتا۔ ایسے میں زعیم ''بہتر و برتر اور توانا تر'' سمجھا جاتا۔ ''یونان بھر میں مرنے کے بعد زعیم ناگ کی صورت میں پجتا اور ایسے توصیفی لقب سے مخاطب کیا جاتا جو ناگ کے مترادف تھا۔''[1]

ناگ پوجا فی الاصل زعیم پرستی کی واضح صورت تھی۔ زعیم دھرتی کا سپوت ہوتا۔ ناگ بن کر زعیم زیرِ تربت یا زیرِ گنبد رہتا۔ تربت پر علی العموم ناگ کے نقش بنائے جاتے۔ کون نہ جانتا کہ ناگ تربتوں میں گھر بناتا؟

عہدِ جاہلیت میں انسان کا ناگ بننا حقیقت مانا جاتا۔ چانچہ دوسری صدی بعد از مسیح کا مصنف ایلین [2] اپنی تالیف ''حیوانات کی فطرت'' میں بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد جب ریڑھ کی ہڈی کا گودا گل سڑ جاتا تو یہ سانپ بن جاتی۔ ریڑھ کی مالا کی شکل سانپ ہی کی سی ہوتی۔ عجب نہیں کہ نعش کے پاس سانپ کا پایا جانا اس خیال کا محرک ہو۔ پلوتارک بتاتا ہے کہ جب سپارتا کا آخری تاجدار کلی اوم اینیز (۲۳۶ سے ۲۲۲ ق۔م) شکست کھا کر مصر کو فرار ہوا اور اسے اذیت دی گئی تو اس کے سر سے ایک بڑا ناگ لپٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے اسے فانیوں سے بڑھ کر رتبے والا جانا۔ پلوتارک کے الفاظ میں ''پرانے وقتوں کے لوگ ناگ کو درندوں سے زیادہ زعیموں سے منسوب کرتے۔ حکماء کے خیال میں جب عملِ تبخیر سے ہڈیوں کے گودے کی رطوبت خارج ہو جاتی تو وہ بوجھل ہو جاتا اور سانپ پیدا کرتا۔''[3]

ناگ پوجا کسی نامعلوم زمانے میں فنیقیا سے در آمد ہوئی۔ چنانچہ ایم فوکارٹ M. FAUCART (بحوالہ مس ہیری سن) رقم طراز ہے کہ برلن میوزیم کے مہتموں نے زیوس ناگ ZEUS MELICHIAUS کے چند ایسے نقوش برآمد کئے جن سے فنیقی اثرات کا سراغ ملتا۔ انہیں فنیقی دیوتا بعل مولوک BAAL MALOCH متصور کیا گیا۔

ناگ پوجا کی ریت میں بہ تعدادِ کثیر سؤر جلائے جاتے۔ سوختی قربانی غضب آلود اور غضب ناک دیوی دیوتاؤں کے تمام گروہوں کی خصوصیت تھی۔

۱۔ PROLEGO صفحہ ۲۰   ۲۔ AELIAN کی تالیف چودہ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۳۔ PROLEGO صفحات ۳۳۰، ۳۳۱

"خوئی قسمت سے سیاح پوسینی اَیس نے مائی اونیا میں اپنے قیام کے دوران میں ایک خانقاہ کی زیارت کی جوزیوس ناگ سے موسوم نہ تھی تاہم ناگ دیو کے ماننے والوں کی جائے عبادت تھی۔ اس نے وہاں نہ مندر پایا نہ شجرگاہ اور نہ قربان گاہ۔ اس نے یہاں ناگ پوجا کی ریت کی حقیقت جانی۔ رات کے اندھیرے میں ناگ دیو کے نام کی قربانی دی جاتی اور رواجاً سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہیں اس کا گوشت کھالیا جاتا۔" [1]

ناگ پوجا سے تین باتیں واضح ہیں۔

+ ناگ بل میں رہتا۔ یوں زمین سے وابستہ ہوا۔
+ دھرتی سب سے قدیم زرخیزی کی دیوی ہے۔ دھرتی کے رشتے سے ناگ زرخیزی کا دیوتا ہوا۔
+ سؤر کو سوخت کیا جانا زرخیزی کی علامت ہے۔

ناگ پوجا کی غایت (فضل اور نسل کی افزائش) کے سواء اور کیا ہو سکتی؟ زعیم کرنے کے بعد کنبے قبیلے کی سلامتی، کامرانی اور ترقی کا ضامن ہوتا۔ اپنوں کی رہبری کرتا۔

آکیاؤں کی آمد کے بعد دھرتی پوجا جس کی ایک صورت ناگ پوجا یا بلوان پوجا، زعیم پرستی تھی مٹائی نہ جاسکی البتہ معبود کی ہیئت بدلائی گئی۔ ریش ور ناگ کا ظہور آکیاؤں کی جدّت تھی۔ یوں پیلا زجیوں کا ناگ دیو انسان نما بن گیا۔ یاد رہے کہ آکیاؤں کے زندہ دل اور کھلنڈرے خدا انسان نما بلکہ انسانوں کا نقشِ ثانی ہوتے۔ ریش کہ ارتقاء کی کڑی تھی، دیوتاؤں کو انسان نما بنانے کے عمل کو ظاہر کرتی۔ ریش ور ناگ (زیوس میلی کیوس) عبوری دور کی پیداوار تھا۔ بعض جانوروں کو انسانی چہرے لگانے کی بھی یہی توجیہ ہے اور پھر دیوتا موقع بہ موقع حسب ضرورت جانوروں کی ہیئت اختیار کر لیتے۔ چنانچہ جب زیوس حسین وجمیل یوروپا پر فریفتہ ہوا تو خوبصورت بیل بن کر اس کے پاس آیا اور دھوکے سے پیٹھ پر بٹھا کر اسے لے اڑا۔

---

[1] PROLEGO صفحہ ۱۶

ریش ورناگ کے ضمن میں مس ہیریسن نے ڈاکٹر ہینس گیڈو سے استفادہ کیا جو ناگ کے ڈھانچے اور خصائل پر سند تھے۔ موصوف ایک قدیم منقوش ناگ کی بابت بتاتے ہیں کہ COELOPELTIS LACERTINA کہلاتا اور ہسپانیہ میں پایا جاتا، عموماً چھ فٹ لمبا ہوتا۔ حیوانیاتی نام سے عیاں ہے کہ اس کا سر چھپکلی کی مانند اور دوسرے ناگوں کی طرح ابھرا ہوا نہیں بلکہ پچکا ہوا ہوتا۔ یہ نوع چوہوں، چھپکلیوں وغیرہ کے حق میں مہلک اور آدمی کے حق میں غیر مہلک بلکہ بے ضرر تھی۔ اس کا سبب زہر کی کچلیوں کی ساخت تھا۔ قدماء غالباً اس صورت حال سے آگاہ تھے البتہ ریش کی بات غلط تھی۔ اس کا نچلا جبڑا لٹکا ہوا تھا جس سے ریش کا شائبہ ہوتا۔ عجب نہیں کہ عہدِ اولین کے نقاشوں، بت تراشوں اور کوزہ گروں نے صرف لٹکا ہوا جبڑا دکھایا ہو لیکن بعد کے فنکاروں نے نئی دینی تحریک کے زیرِ اثر ریش ور بنا دیا ہو، ویسے بعض نقوش میں ریش کی جگہ نچلا جبڑا ہے۔

ناگ کو انسان نما بننے میں اس مروجہ نظریے سے مدد ملی ہوگی کہ مردے کی ریڑھ کی مالا سانپ بن جاتی۔

عہدِ جاہلیت میں ناگ دیو بے نام تھا۔ اس کا نام محض وصفی اور عمومی تھا۔ مس ہیریسن کی رائے میں رب الشمس اپالو، ارطمس اور زیوس ابتداء میں غالباً وصفی اور عمومی نام رکھتے۔ بعد میں انہیں تخصیصی اور انفرادی نام ملے۔ آکیاؤں کی آمد پر جب دو تہذیبوں میں ٹکراؤ ہوا تو ناگ دیو اور زیوس مل کر ایک ہوئے۔ نیا دیوتا (زیوس میلی کیوس) نہ تو اصلاً زیوس تھا اور نہ المپس کے محاسن کا حامل۔ فلک کی بجائے پاتال کا دیوتا اور وہیں کا باسی تھا۔ ناگ کی بہتات اور اس کی پوجا کی تعمیم نے اسے کسی زعیم سے موسوم نہ ہونے دیا۔ ہر زعیم بلا تخصیص ناگ ہوتا۔

زیوس ناگ اور ناگ پوجا کے باب میں جو شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں اہلِ قلم اور سالار زینوفون [1] کی شہادت قابلِ ذکر ہے۔ جسے مس ہیریسن نے اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

---

[1] XENOPHON ایتھنز میں غالباً ۴۳۰ ق۔م میں پیدا اور کورنتھ میں ۳۵۵ ق۔م کے لگ بھگ فوت ہوا۔ بچہ ہی تھا کہ ایک دن بازار میں اسے سقراط ملا۔ سقراط نے عام ضروریات کی چیز کی بابت اسے پوچھا کہ کہاں ملتی ہیں۔ زینوفون نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا، پھر سقراط نے پوچھا کہ بہادر اور بھلے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ اس پر وہ چکرایا۔ سقراط اسے ساتھ لے گیا۔ یوں دونوں میں یاری ہوئی۔ زینوفون بزرگ فلسفی کا مداح نکلا۔

"ایشیائی مہم سے لوٹتے وقت جب زینوفون کے پلے دام نہ رہے تو وہ راستے میں رہ گیا۔اس نے نیت کر کے ایک عالمِ دین سے مشورہ کیا۔اسے بتایا گیا کہ زیوس ناگ راہ میں حائل ہے۔وہ جیسے گھر پر قربانی دینے کا عادی ہے ویسے باالتزام دیوتاؤں کی راہ میں قربانی دے۔ چنانچہ اگلے دن زینوفون نے موروثی رواج کے مطابق بہ تعدادِ کثیر سؤروں کی سوختی قربانی دی۔شگون موافق ہو گئے۔

ناگ زیوس کی موروثی اور باقاعدہ ریت میں بھاری تعداد میں سؤر جلائے جاتے۔دیوتا دولت کا ذریعہ یعنی ایک طرح کا پلوطس [1] مانا جاتا۔اس آخری نکتے پر چنداں زور نہیں دیا جاسکتا کیونکہ زینوفون کے زمانے میں لوگ غالباً ہر مدعا کے لئے خالص اور سیدھے سادے طریقے سے زیوس کی عبادت کرتے۔بھاری تعداد میں سوختنی قربانی اور ناگ دیو کے لقب کو ملحوظ رکھ کر غور کیا جائے تو فی الآن ایک واضح حقیقت کا پتہ چلے گا۔اس امر کے ثبوت میں شہادت نہیں ملتی کہ زینوفون نے دی آزیا [2] تہوار پر قربانی دی، ویسے اس کا اِمکان ہے۔سرِ دست ہمیں عمومی طور پر زیوس ناگ کے مسلک سے سروکار ہے نہ کہ خصوصی طور پر دی آزیا تہوار سے۔تھوسی دی دیز کے جس پیرا گراف پر گفتگو کی گئی ہے اس کا شارح بتاتا ہے کہ دی آزیا تہوار پر بھیڑ قربان کی جاتی اور اگر اس بیان کی بنیاد کسی قدیم

---

[1] PLOUTAS PLUTUS دھرتی دیوی کا یہ سپوت یونانی دیو مالا میں دولت کا مشخص ہے۔زرعی معیشت زمین دولت کا مخزن ٹھہری۔یہی سونا اگلتی، پلوطس کا دھن دیو ہونا واضح ہے۔

[2] یونانی مورخ اور جرنیل THUCYDIDES (۴۶۰ سے ۴۰۰ ق۔م) نے زیوس ناگ کے سب سے بڑے تہوار دی آزیا کا حال لکھا ہے۔تہوار کی ریتِ قلعے سے باہر ادا کی جاتی سب لوگ مل کر قربانی دیتے۔ تھوسی دی دیز کا عظیم ترین اور لافانی شاہکار پیلو پونیشیا کی جنگ کی تاریخ ہے۔وہ بیس سال تک جلاوطن رہا اور آخر قتل کیا گیا۔ایتھنز کی سرحدوں سے باہر اس کا مدفن بنا۔

سند پر رکھی جائے تو مراد سؤر یا پالتو جانور ہے۔ رفتہ رفتہ اس لفظ کے معنی بھیڑ تک محدود کر لے گئے۔

یہ بات قطعی طور پر کہی جاتی ہے کہ دیوتا کی اصلیت متعین کرنے کے لئے قربانی کے جانور کو اہمیت حاصل نہیں۔ سؤر دھرتی دیوی (دی می تر) اور دوسرے پاتالی دیوی دیوتاؤں سے متعلق ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ دیوی دیوتا ابتدائی دور کے تھے۔ آج کی طرح تب بھی سؤر سستا پل جاتا اور غریبوں کا سہارا بنتا۔ قربانی کا جانور خدا کی حیثیت سے زیادہ پجاری کی حیثیت کے اظہار کی شے تھی۔ سؤر سے متعلقہ دلیل پر ہرگز زور نہ دینا چاہیئے۔ لاریب زیوس کے حضور سستے سؤر کی قربانی استثنائی صورت تھی۔

ناگ کے لقب کی نمایاں خصوصیت کی اصل کلید قربانی کا طریقہ تھا نہ کہ اس کی جنس۔ ناگ دیو کے روپ میں زیوس کثیر تعداد میں جانوروں کی سوختنی قربانی کا طلب گار ہوتا۔ جانور بالکل جلا دیے جاتے۔ ہومر کا زیوس بھی کثیر تعداد میں جانوروں کی سوختنی قربانی طلب کرتا۔ اس تک قربانی کے گوشت کے کچھ کھیرے ہی پہنچتے۔ پجاری دوستی کی علامت کے طور پر شرکت کرتے۔ المپس کے پرستاروں کی یہی عام ریت تھی۔ لیکن زیوس ناگ سب کچھ لیتا یا کچھ نہ لیتا اس کے نام کی قربانی کی ریت جشنِ عامہ نہ ہوتی۔ یہ تو ہیبت ناک قوت سے پیچھا چھڑانے کا اِقدام ہوتی۔ اسی لئے سنگین افسردگی کی فضاء طاری رہتی۔ یہ بات بعد میں دیکھی جائے گی کہ قہر ناک اور ارواح کے نام کی قربانی کا گوشت کھایا نہ جاتا۔ یہ ارواح چاہتیں کہ انہیں منایا جائے۔ پاتالی دیوتاؤں کے تمام گروہوں کی یہی خصوصیت تھی۔ یہ دیوی دیوتا ہومر سے قبل کے نظریات کی پیداوار تھے۔ سرِ دست اتنی نشان دہی کافی ہے کہ زیوس ناگ سے متعلق یہ ریت ہومر کے زیوس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔

یہاں زیوس کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا۔ ہمارے یہاں آزاد دیوی

دیوتا ہیں جو اپنی اپنی خصوصیات کے باعث پجتے ہیں۔ان سے متعلق تقاریب شبانہ بھی منعقد کی جاتی ہیں۔گمان گزرتا ہے کہ زیوس نے تقاریب شبانہ سمیت ناگ دیو کی پوجا پر قبضہ جمالیا۔یہ جان کر گمان یقین میں بدل جاتا کہ غضب کی دیویوں[1] کے مانند زیوس ناگ ہم نسل کے خون کا بدلہ لیتا۔ پوسے نے ایس نے کیفیسوس کے پاس زیوس ناگ کی پرانی قربان گاہ دیکھی۔

جب تھیسیوس نے دوسرے چوروں کے ساتھ مینس کو ہلاک کیا جو پیتھوس کے واسطے سے اس کا قرابت دار ہوتا تو اس نے فایئے لوس کے جانشینوں کے ہاتھوں خود کو اس قربان گاہ پر پاک کیا۔

پھر پوسینی ایس یہ بھی بتاتا ہے کہ لڑائی کے بعد آرگوس کے باشندوں نے اپنوں کا لہو بہانے کے گناہ سے دامن پاک کرنے کے لئے جو اقدامات کئے۔ان میں ایک اقدام زیوس ناگ کے مجسمے کی تنصیب تھا۔ ناگ دیو سے با آسانی التجا کی جا سکتی۔وہ بھلا بھی تھا اور مہربان بھی۔ قدرتاً لہو پاک کرنے والا تھا لیکن اسی طور قدرتاً ایک دوسرے وصفی پہلو سے لہو کا پیاسا، بے دم ہونے اور غضبناک خواہش ظاہر کرنے والا تھا۔ لغت نگار، ہیسی کی اس، یہ بات بڑی صفائی سے بتاتا ہے کہ رحم اور قہر کی دیویوں[2] کی مانند ناگ دیو کے بھی دو رخ تھے۔پانچویں صدی ق۔م کا ہر تعلیم یافتہ یونانی واحدانیت کا رجحان رکھتا۔ناگ پوجا کی تشریح کرتا۔زیوس[3] سب کچھ تھا۔لیکن زیوس ناگ پاتالی وصف رکھتا۔وہ پاتالی زیوس تھا۔

پوسینی ایس نے کورنتھ میں ایک کھلی جگہ زیوس کے تین بت دیکھے۔ایک کا لقب نہ تھا۔ایک پاتالی دیوتا کہلاتا اور ایک بلند ترین۔یہ بتانا ممکن نہیں کہ اس تہرے زیوس نے پہلے زمانے کے کون کون سے ادیان اپنی ذات میں جذب کئے۔"[4]

۱۔ ای ری نی ایز ERINYES
۲۔ FURIES اور GRACES
۳۔ ZEUS HEADS
۴۔ بحوالہ PROLEGO صفحات ۱۵ تا ۱۷

اس طویل اقتباس اور دودونا کے واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ آکیاؤں کی آمد پر نئے اور پرانے ادیان میں تصادم ہوا۔ آکیائی اپنے ہمراہ جو دیوی دیوتا لائے وہ نامور بھی تھے اور امور وفرائض کے الگ الگ شعبوں کے مختار بھی۔ ادھر پیلازجی انقلاب کی زد میں آئے تو دودونا کی کہانت گاہ پر گئے۔ کاہن جو بے حد باخبر اور سیانے ہوتے، وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے۔ ان کے گردوپیش خبر رسانی کا ایک عالمگیر جال پھیلا ہوتا۔ وہ آنے والے تہذیبی سیل کو نظر انداز نہ کر سکتے۔ انہوں نے اسی میں خیریت دیکھی کہ نئے دین کا خیر مقدم کریں اور بے نام خداؤں سے دست کش ہوں۔ دودونا کی کہانت گاہ سے نئی تحریک چلی اور شعوری انقلاب برپا ہوا۔ یونانی دیومالا نئے موڑ پر آئی اور دودونا کا واقعہ ارتقاء کی بنیادی کڑی بن گیا۔ [1]

ادھر آکیائی بھی دوراندیش تھے۔ انہوں نے آہنی فوقیت کے باعث پیلازجیوں کو شکست تو دی لیکن ذہنی تسخیر کا کام باقی تھا اور بے حد مشکل بھی۔ یہاں آہنی فوقیت بے کار تھی۔ لوگ اپنی تہذیبی متاع سے اپنے ولولوں، جذبوں اور امنگوں کو سرشار رکھتے۔ آبائی دین کی جڑیں ذہنوں اور ضمیروں میں دھنسی ہوتیں۔ مر کر بھی نہ نکلتیں۔ لوگ قبر اور چتا تک اسے لے جاتے۔ قدماء کو آبائی تہذیبی ورثے سے محروم کرنے اور نیا ورثہ قبول کروانے کے لئے بڑی احتیاط، تدبر اور تحمل کی ضرورت تھی۔ آکیاؤں کے تہذیبی ورثے کی چمک دمک سے انکار نہیں لیکن قدما اپنی ہی متاع کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کا دین ان کا مزاج تھا۔ اسی لئے فاتحین مجبوراً "کچھ لے اور کچھ دے" کے اصول پر اتر آئے۔ انہوں نے پرانی ریتوں اور روایتوں کو سمیٹ لیا، اپنا لیا۔ پرانے مال پر نئی مہر لگائی،

---

[1] پروفیسر برج دے کی EARLY AGE بحوالہ PROLEGO، صفحہ ۳۳۹ ارسطو بتاتا ہے کہ دودونا کے اردگرد کا علاقہ یونان سے تعلق رکھتا۔ یہیں زیوس اور اس کی دوسرے بیوی دائی اونی نے دھرتی دیوی اور اسکی پروہتنی کی جگہ لی۔ اسی سے عہدِ جاہلیت کے تابوت میں آخری کیل گڑی۔

مورخین اسی تہذیبی انقلاب کے لئے ۱۳۰۰ ق۔م کا زمانہ تجویز کرتے ہیں۔ پیلازجی فاتحین سے گھلنے ملنے لگے اور جب یونانیوں نے ایلیون کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو ان میں اتحاد تھا۔ ہومر نے بروئے حقیقت یا ازراہِ تعصب سب کو آکیائی کہا۔ بہرحال پیلازجی فاتحین میں مدغم ہونے پر مجبور تھے۔ جسطرح وہ مغلوب ہو کر آکیاؤں سے گھل مل گئے، اسی طرح ان کے دیوی دیوتا اور ان کی ریتیں فاتحین کی دیومالا میں گھل مل گئیں۔ پرانی تہذیب نے مل کر ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

نیا رنگ روغن کیا اور حق ملکیت بدل لیا۔ ناگ پوجا اس کی بین مثال ہے۔ ناگ کو ہتھیانے کے بعد اسے زیوس میلیکیوس بنایا گیا اور پھر ریش عطا کر کے آکیائی نظریات سے ہم آہنگ کیا گیا۔ ارتقا کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ہومر کا زیوس ظاہر ہوا جو آکیاؤں کا کھرا سکہ تھا اور عہدِ جاہلیت کے کھوٹ سے پاک۔ یہ حسب معمول خدا کم اور انسان زیادہ تھا۔ اس میں ایک طرف تو جاہ وجلال، قہر وغضب اور عظمت ورفعت تھی، دوسری طرف سفلی جذبات سے بہ عجلت مغلوب ہو جاتا۔ عورت اس کی کمزوری تھی۔ ایک اسی کی خاطر زمین سے اس کا رشتہ قائم رہا ورنہ ''یوں نہیں کہ المپس کے زیوس کی ذات میں پاتال کی کوئی خصوصیت پائی جاتی۔ یہ بھونڈی سی حقیقت ہے کہ عالمِ بالا، گرج اور چمک کا خدا پاتال کے قدیم ناگ دیو کا اخراج کرتا ہے۔ ناگ دیو پردیسی مولوک دیوتا نہیں بلکہ دیسی اور زیوس کی تخلیق وتشکیل سے قبل کی شے ہے۔''[1]

بہر حال آکیاؤں کے نظریاتی تعاون اور ان کی رواداری کی بدولت ناگ پوجا مدتوں جاری رہی۔ ناگ انسان نما بنا۔[2] یہی ڈراما نگار یوری پیدیز کا پاتالی زیوس ہوا۔

زعیم ـــــ مردہ اور زندہ عہدِ جاہلیت کے پیلازجیوں کا زعیم کہ مر کر پجتا زندگی میں غضب کی شخصیت ہوتا اور مہمات سر کرتا، عام ذہنی وبدنی سطح سے کہیں زیادہ بلند اور حسن کا دیدہ ور ہونے کے باعث قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ لوگ اس کی صلاحیتوں سے مرعوب ہو کر اسے انسان سے بالاتر سمجھتے۔ ہیرو سے مراد ''قوی، مضبوط، ذی شان اور قابلِ احترام'' تھا۔ آکیاؤں کے یہاں بھی یہ تصور پایا جاتا چنانچہ ہومر کا زعیم زبردست انسان اور خدا کا بیٹا ہونے کے باعث خدا کو پیارا ہوتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک خدا اس کی سرپرستی کرتا تو دوسرا دشمنی، اسی لئے تو کہتے ہیں کہ ایلیون میں دس سال تک انسان نہیں خدا لڑتے رہے۔ انہی نے محاذِ جنگ پر زعماء کو بامراد یا نامراد کیا۔ بیشتر کو خداؤں نے تربیت دی، اپنے اوصاف دیئے اور حربے بھی۔ مرنے پر قدیم وجدید ہر عہد کا زعیم ''برتر اور قوی تر'' ہو جاتا۔ قدیم دستور کے مطابق نام غائب ہو جاتا کیونکہ

۱۔ PROLEGO

۲۔ ANTHOROPOMORPHIC آدمی کے لئے یونانی لفظ ANTHROPOS ہے۔

نام عام ہوتا۔ لوگ اس پراسرار اور معبود بن جاتا۔ مرنے کے بعد نئی عظمت اور قوت جنم لیتی جو لوگوں کے متوہمانہ مزاج کا عکس ہوتی۔ قدیم قبائل تو ہم پرست تھے۔ وہ تو اپنے سایے سے بھی ڈرتے۔ مرنے والے کو یا تو مہربان، مردِ ضعیف اور سیاہ روایسے توصیفی ناموں سے پکارتے یا پھر صیغۂ غائب (مذکر یا مونث) کی ضمیر سے۔

زعماء کو اعزازی ناموں سے پکارنے کا بھی دستور تھا۔ چنانچہ اری نی ایز (بریاں دیویاں) ہی ''غضب کی دیویاں'' FURIES کہلاتیں۔ قاتل سے خون کا بدلہ لیتیں۔ پھر جب پرانا نظامِ عدل تمام اور آ کیاؤں کا نظامِ عدل رائج ہوا تو ''بُری دیویاں'' تائب ہو کر ''اچھی دیویاں'' (یومینیڈیز EUMEHIDES) بن گئیں۔ یہی ''مہر و کرم کی دیویاں''[1] کہلاتیں۔

---

[1] GRACES فاتحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تہذیب نو کا عملبر دار سردار اگا میمنون لشکر لے کر ایلیون فتح کرنے گیا تو اس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کلائی تیم میسترا (ہیلن کی بہن) کہ قدیم نسل کی شہزادی تھی۔ اپنے ہم نسل منگیتر شہزادہ ای جس تھس AEGISTHUS سے مل گئی۔ کئی سالوں کے بعد سردار گھر لوٹا تو بیوی نے اپنے آشنا کی مدد سے اسے ہلاک کیا۔ باپ کا بدلہ نئی نسل کی شہزادی الیکترا اور شہزادہ اوریسطیز ORESTES نے سگی ماں اور اس کے آشنا سے لیا۔ پھر جب غضب کی دیویوں نے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہا تو دیوتاؤں نے نظامِ عدل بدل دیا۔ پرانی تہذیب کو نئی تہذیب سے بدلہ نہ لینے دیا۔ اس موقع پر غضب کی دیویاں تائب ہوئیں۔

پانچویں صدی کے ڈراما نگار ایسکی لس نے اپنے سہ تمثیلہ اوریس طیا ORESTEIA میں اس قتل کے واقعے کی پوری داستان بیان کی ہے۔ یہ داستان فاتحین کے زاویۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اسی لئے نامعتبر ہے۔ مس ہیریسن بتاتی ہیں کہ ای جس تھس اتنا برانہ تھا جتنا ایسکی لس نے اسے ظاہر کیا۔ ای جس تھس کے پدر تھائی ایس طیز کو ملک بدر کیا گیا۔ چنانچہ اول الذکر پردیس میں رہا۔ یہ زیرِ عتاب کنبہ پیلازجی تھا۔ اسی طرح کلائی تیم میسترا بھی پیلاجی تھی اور جبراً فاتح سردار سے بیاہی گئی۔ سردار ایلیون کی مہم پر روانہ ہوا تو بیوی کو درباری شاعر کی زیرِ نگرانی چھوڑ گیا۔ شاعر کا فرض تھا کہ آ کیاؤں کے گن گاتا رہے۔ ایلیون کا محاذ دس سال تک گرم رہا۔ پھر واپسی پر کئی سال تک قہرناک سمندر کی موجیں یونانیوں کو بھٹکاتی پھریں۔ اس طویل مدت میں کلائی تیم میسطرا کا گمشدہ پیار اور نسلی جذبہ جاگا۔ وہ ای جس تھس سے مل گئی۔ ای جس تھس کا اس سے زیادہ قصور نہیں کہ اس نے اپنا حق جتایا اور غاصب کے اقدام کو ناجائز جانا۔ EARLY AGE جلد اول صفحہ ۹۷ PROLEGO صفحہ ۳۳۵ (اگلے صفحہ پر)

مرنے والے کے دو واضح اوصاف ہوتے۔ وہ کرم فرما بھی ہوتے اور ستم رساں بھی۔ لوگ ان سے پیار بھی کرتے اور خوف بھی کھاتے۔ مرنے کے بعد قاتل اور غدار بھی نیک ہو جاتے۔ چنانچہ فاتحین کا محمد گوشاعر ہومر ای جس تھس ایسے قاتل کو بے خطا کہتا حالانکہ آ کیاؤں کے نزدیک وہ بدکردار تھا کیونکہ اس نے ایسے زعیم کو ہلاک کی جس نے پیلازجی عورت اور ناموسِ وطن کی خاطر دشمن سے جنگ کی۔ جیتے جی کوئی کتنا ہی برا ہوتا، مرکران کی صف میں جاملتا۔ جو "برتر اور قوی تر" مانے جاتے۔ موت سارے دھبے دھودیتی۔ دراصل ان سے اعمالِ بد کا انتقام تو جیتے جی لیا جاتا۔ ای جس تھس مارا گیا تو اس کا دامن پاک ہوا اور زعیم بن گیا۔

یہی حال ہیلن کا ہوا جسے آ کیائی شعراء نے بالعموم زانیہ اور بدکردار کہا۔ مرنے کے بعد وہ زعیم ہوئی اور بچی۔

غیر معمولی زعیم ـــــ ہیراکلیز عہدِ جاہلیت کا ہر قریہ اور قبیلہ دیو مالا کے باب میں تنگی داماں کا علاج رکھتا۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق خدا تراشے، کبھی کبھی کوئی قریہ اور قبیلہ اپنے خدا یعنی مقامی زعیم کی غیر معمولی شخصیت کے باعث دوسرے قریوں قبیلوں پر بازی لے جاتا۔ بعض زعما اس قدر مقبول اور ذی اثر

اسی طرح یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ایلیون جاتے ہوئے جب اولس AULIS کے مقام پر یونانی بیڑا اڑ گیا تو سیانوں نے قربانی دینے کو کہا۔ اس پر سالار اَگا میمنون نے اپنی ہی بیٹی ایفی جینیا IPHIGENIA کو یہ چکمہ دے کر بلوایا کہ خدازاد زعیم آکل ایز ACHILLES سے بیاہی جائے گی۔ کلائی تیم نیسترا بیٹی کو لے کر آئی تو اور ہی گل کھلتا نظر آیا۔ سرپیٹ کر ہی تو رہ گئی۔ شقی القلب سردار نے بیٹی کو بھینٹ چڑھا دیا۔ ماں یہ صدمہ بھولی تو نہ ہوگی۔ شوہر کی ہلاکت کا منصوبہ بناتے وقت بیٹی کا خونِ ناحق چیخ چیخ کر اسے پکار رہا ہوگا۔

کلائی تیم نیسترا کی بہن ہیلن بھی پیلازجی تھی۔ ہر آ کیائی سردار اس پر فریفتہ تھا۔ بالآخر باہمی سمجھوتے سے اگا میمنون کے بھائی، سپارٹا کے حکمران مین اے لے اس MENELAUS سے بیاہی گئی۔ بعدہ ایلیون کے شہزادے پیرس کے ہمراہ فرار ہوگئی۔

اس فرار کی داستان بھی فاتحین کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ ڈرامانگار یوری پیدیز تین پیلازجی دیویوں (ہیرا، اتھینی، افرودائتی) کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کے خیال میں اصل ہیلین افرودائتی کے ایماء پر مصر پہنچائی گئی۔ ایلیون میں صرف اس کا سایہ گیا۔ یونانی اور یونانی دیوی دیوتا دس سال تک اس سایے کے لئے باہم دست و گریبان رہے۔ بالآخر مین اے لے اس نے اسے واگزار کیا۔ جعلی ہیروئن جل کر غائب ہوگئی۔

ہوتے کہ المپس کے خدا خود کو ان سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور پاتے۔ سمجھوتے ہی میں خیریت ہوتی۔ ہیراکلیز اس ضمن میں بہت بڑی مثال ہے۔ اس کے معنی ہیں "جوان اور محبوب زعیم" پیلازجی اس کے پرستار تھے۔ جناتی کارناموں کی بنا پر اس نے زبردست شہرت پائی۔ آکیائی اس کی شخصیت کو نیست و نابود نہ کر سکے۔ انہوں نے عہدِ جاہلیت کے اس معبود کو المپس کے کنبے سے وابستہ کر لیا۔ ذہنی زیروزبر اور اساطیری تغیر و تبدل کے بعد اسے نئے خداؤں کے وسیع تر زمرے میں جگہ مل گئی۔ اس کے لئے سوختنی قربانی روا ہوئی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ربِّ برق و رعد کی بیوی ہیرا کی پوشاک کے سلوٹوں میں سے اسے گزارا گیا۔ یوں وہ لے پالک بنا۔

یہ بھی روایت ہے کہ وہ ایک عورت کے بطن سے زیوس کا بیٹا تھا۔ اسی بنا پر ہیرادیوی اس کی دشمن ہوئی۔ انجام کار دیوی کی برہمی جاتی رہی اور اس نے اپنی بیٹی ہبی سے اسے بیاہ دیا جو المپس کی دیوداسی تھی۔ دیوتاؤں کی خدمت میں رہتی اور انہیں مقدس مشروب نیکٹر پلاتی۔ وہ دائمی شباب کی نمائندہ تھی۔

کوزہ گروں نے ہیراکلیز کو المپس میں داخل ہوتے تو دکھایا ہے لیکن اسے المپس کے اندرون میں کبھی نہیں دکھایا۔ اس سے فاتحین کی تنگ دلی کا راز افشاء ہوتا ہے۔ گویا انہیں نے ازراہِ مصلحت ہیراکلیز کو قبول کیا، اسے دل سے نہ چاہا۔

زعیم خداؤں کا خوف آکیائی تہذیب کی بنیاد زمین پر نہیں بلکہ فلک پر تھی اور اسی لئے بن پڑتا تو وہ زمین پرستی کی مخالفت بلکہ بیخ کنی کرتے۔ اپنے دین اور اپنی دیومالا کو آگے لانے کے لئے پیلازجیوں کے زعیم خداؤں کو رسواہ کرتے۔ انہوں نے اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مفتوحین کی مقدس ہستیوں کے خط و خال بگاڑے۔ ان کی پوجا مسدود کی اور انہیں ضرور رساں قرار دیا۔ ویسے اس حرکت میں ان کے توہم کا بھی عمل دخل تھا۔ کوئی عہد توہّم سے خالی نہیں رہا۔ پانچویں صدی کا ایک تمثیل نگار کہتا ہے ______

ہم ایسی خوفناک جگہ سے آگاہ ہیں جو بہت تاریک ہے۔
جہاں شمع نہیں جلتی
دن کو لوگ زعماء کے ساتھ ضیافت اڑا لیتے ہیں۔

لیکن رات کو؟ توبہ،توبہ، رات کو ایسا نہیں کرتے۔

تم جانتے ہو کہ رات کو خطرہ ہوتا ہے۔

اگر رات کو کسی فانی سے زعیم اور یسطر کی ملاقات ہو جائے۔

تو زعیم اسے برہنہ کر کے پیٹے اور خوب تماشا کر کے چھوڑے۔

رات کے وقت زعیم بدروح بن کر لوگوں کو گزند پہنچاتا۔ فاتحین کے مفسرین کہتے ''زعماء کی خانقاہوں کے پاس سے گزرنے والے چپ رہیں!'' مبادا ''برتر وقوی تر'' برہم ہو کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئیں۔ بقول کسے خداؤں اور انسانوں میں یہ امر مسلم تھا کہ بادشاہ سے خطا سرزد نہیں ہو سکتی اور مفتوح و مغلوب بھلائی نہیں کر سکتا۔[1]

استخارہ DREAM ORACLE فاتحین کی عصبیت سے قطع نظر مقامی زعیم پرانے لوگوں کے لئے موجب خیر و برکت ہوتے، ان کی تربتوں سے دو کام لئے جاتے۔ مورخ ہیرودوتس شاہد ہے کہ پجاری ان تربتوں پر آ کر حلف اٹھاتے یا استخارہ کرتے۔ عہدِ قدیم میں استخارے کا بڑا چلن تھا۔ مشکلات میں رہبری پانے اور مسائل حل کرنے کا یہ عام طریقہ تھا۔ ''حلف اٹھانے اور تطہیری عمل کے ضمن میں لوگوں کی ریت یہ تھی کہ وہ اپنے میں سے نیک ترین اور اعلیٰ ترین لوگوں کی تربتوں کو چھو کر ان کی قسمیں کھاتے۔ تزکیے کے لئے اجداد کی تربتوں پر جاتے۔ التجاء کر کے وہیں سو رہتے۔ خواب میں جو کچھ دیکھتے اس پر عمل کرتے''[2]

ہیرودوتس کے علاوہ دوسرے سیاحین بھی استخارے کے معمول سے آگاہ تھے۔

شہرِ اوروپس OROPUS کی کہانت گاہ پر جا کر پجاری طہارت کرتے۔ مینڈھے کی قربانی دیتے اور کھال بچھا کر سو رہتے، پھر خواب میں منشاء پانے کی امید رکھتے۔ معالج خدا الیس

---

[1] بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۳۹، ہم اس خیال سے آشنا نہیں۔ دیو بمعنی خدا فاتح کی لغت میں راکھشس اور فارسی میں رہزن ہے۔ اسی طرح ہند کے قدیم باشندے راون کو اپنے عہد کا زعیم تسلیم کرتے ہیں جسے کشتریوں نے پہلے ہلاک اور پھر رسوا کیا۔ دسہرے کے تہوار پر لنکا اور اسی کا کاغذی پتلا جلایا جاتا ہے۔ برہمنی تہذیب بھی اسے کمتر انسان سمجھتی ہے۔

[2] ہسٹریز کتاب چہارم

کلی پی اس سے شفا پانے کی غرض سے لوگ اس کی خانقاہ پر جاتے۔ کبھی سوتے میں مرض جاتا رہتا اور کبھی دیوتا پجاری کو نیند میں شفایابی کا گر بتا جاتا۔[1]

الپیا جہاں ۷۷۶ ق م المپک کھیلوں کی تنظیم نو ہوئی، حلف اٹھانے کے سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا۔ یہاں مقامی ناگ دیوسوسی پولس SOSIPOLIS کے نام پر حلف اٹھاتے، اس کی تربت عبادت گاہ تھی۔ جب نئی تہذیب کے علمبردار انسان نما خدا آئے تو ناگ اور زعیم کے درمیان رشتہ کمزور پڑ گیا۔ گو زعیم پہلے کی طرح ناگ نہ رہا تاہم نقاش اور بت تراش مدتوں زعیم اور ناگ کا تعلق ظاہر کرتے رہے۔

خواب کی نشانیاں بڑی اہم خیال کی جاتیں کیونکہ وہ بزرگ کی جانب سے ہوتیں رب الشمس اپالو کی نسبت کہا جاتا ہے کہ خود دھرتی دیوی نے اسے نیند میں فتح و نصرت کی خبر دی اور وہ خبر پا کر برسرِ اقتدار آیا۔[2]

استخارے کا معمول ابتدا سے انتہا تک فانی زعیم سے مخصوص و متعلق رہا۔ المپس کے دیوتاؤں سے اسے سروکار نہ رہا۔ چنانچہ یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کوئی پجاری استخارے کی نیت سے زیوس، اپالو یا کسی دوسرے فلکی خدا کے معبد میں سویا ہو۔ استخارے کا معمول زیوس کے برسرِ اقتدار آنے پر بھی جاری رہا۔ فاتحین عہدِ جاہلیت کے دین کی اس شق سے بلا تامل استفادہ کرتے رہے۔

ملیچھ، پلید لوگ جہاں تک بن پڑا پیلازجی اپنی دینی ریتوں روایتوں سے لپٹے رہے۔ وہ اپنی پراسرار رسوم رات کی پراسرار تاریکی میں ادا کرتے۔ پو پھٹنے سے پہلے پہلے قربانی کا گوشت کھا لیتے۔ آکیائی انہیں اچھا نہ سمجھتے۔ وہ ان کے پراسرار دین اور معمولات سے نفرت کرتے، انہیں پلید سمجھتے اور نالائق عظمت قرار دیتے۔

---

[1] ایتھنز میں معالج خدا کی عبادت ۴۲۱ ق۔م میں شروع ہوئی۔ باقاعدہ طور پر مکمل خدا کی صورت میں ایس کلی پی اس ہی نازل ہوا۔ یہ اصل میں تھیس اے لی THESSALY سے آیا۔ رب الشمس اپالو کا ہم پیشہ اور حریف تھا۔ اگرچہ پردیسی تھا اور قدیم تر، تاہم معالج اور زعیموں کو قبولِ عام حاصل تھا۔ اسی لئے ایس کلی پی اس کی آمد پر ہنگامہ نہ ہوا۔

[2] PROLEGO، صفحہ ۳۴۳

یہ سریت کی ایک شکل تھی اور پیلازجیوں پر کیا منحصر ہے، آکیائی بھی پیچھا نہ چھڑا سکتے۔ ان کی یہاں بھی سریت کا عمل دخل رہا۔ چوری چھپواں پر اسرار ریتوں رسموں کا چلن ہوگیا۔ سکندرِ اعظم کی بیوی سریت کی قائل اور مخفی ریتوں کی عامل تھی۔

بدروحیں اور بھوت پریت آکیاؤں کے نزدیک پیلازجیوں کے زمانے میں ناپاکی ہی ناپاکی تھی۔ بھوت پریت اور بدروحیں بہ افراط تھیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ کھلے بندوں پھرتیں۔ یہ آزاد روآفتیں کیریز KERES کہلاتیں۔ کائنات کا کوئی گوشہ ان کی دستبرد سے محفوظ نہ تھا لیکن یہ سب خلافِ حقیقت اور ایک منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ آکیاؤں نے ایک طرف بہ امرِ مجبوری دینِ زیوس میں دھرتی پوجا کی آمیزش کی اور دوسری طرف سوچے سمجھے ہوئے پلان کے تحت عہدِ جاہلیت کے کم اہم دیوی دیوتاؤں کو رسوا کیا اور انہیں ارواحِ خبیثہ بنا دیا۔ پیلازجیوں کے یہاں ان کا نام ونشان نہ تھا۔ تحقیق سے یہ بھید کھلے گا کہ پیلازجیوں کی قابلِ قدر ہستیوں کو بے قدر کیا اور جان بوجھ کر بھوت پریت بنایا گیا۔ خبثِ باطن کا یہ بدترین نمونہ تھا۔

کہتے ہیں کہ تہذیب کے قدیم ترین گہوارے کریت میں کورے طیز KOURETES نام کا ایک قبیلہ آباد تھا۔ اہلِ قبیلہ جادوگر تھے۔ انہی میں سفلیات کے عامل بھی ہوتے۔ اہلِ قبیلہ کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ دستکاروں اور ہنروروں کا تھا، دوسرا گروہ ہر اچھی چیز کا بیری تھا۔ یہ دوسرا گروہ بہیمانہ خصائل رکھتا۔ اساطیری داستانوں میں اس گروہ کی اصل تند ہوا بتائی جاتی۔ لوگوں کے پاس ایک پیالہ ہوتا جس میں پیڑوں کی جڑوں سے جادو کا محلول تیار کرتے۔ دوسری طرف پہلے گروہ نے دھاتیں دریافت کیں، بت تراشی کی بناء رکھی۔ یہ خشک وتر دونوں پر رہتے اور عجیب وغریب شکلیں رکھتے۔ کچھ بھوت پریت، کچھ انسانوں اور کچھ سانپوں کی مانند تھے۔ داستان کچھ یوں چلتی ہے کہ کچھ بے دست وپا تھے اور کچھ کی انگلیوں کے درمیان بگلوں کی سی جھلی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان کی کالی آنکھیں اور نیلی دُمیں تھیں۔ آخر میں بالوضاحت کہا گیا ہے کہ یہ زیوس کی بجلی یا اپالو کے تیروں سے ہلاک ہوئے۔ گویا نئے نظام نے پرانے نظام کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فاتحین کے نزدیک مفتوحین بیک وقت وحشی، جادوگر، بہائم صفت، قابلِ نفرت، خوفناک، ہنرور، معالج، بھوت پریت اور جن ہوتے۔ جن روحوں کی پرستش کرتے انہی کے سے اوصاف رکھتے۔

الختصر یہ کیریز طیلکا ئی نیز KARES TELCHINES ہوتے۔ جب ہم بھلے چنگے مفید اور خیر آفرین کیریز کی صورت بگڑتی دیکھیں تو اس حقیقت کو لازماً یاد رکھیں کہ ہم فاتحین کی وساطت سے مطالعہ کرر ہے ہیں۔[1]

یہ حقیقت ہے کہ آکیائی تازہ دم تھے اور ان کے سینے تازہ امنگوں سے معمور، وہ نئی صلاحیتیں اور نئے تہذیبی حربے لے کر آئے تھے۔ انہوں نے ہر ترکیب سے پیلازجیوں کا نظریاتی ڈھانچہ ڈھانا چاہا۔ اگرچہ انہوں نے رسوائی کی پیہم ضربات سے کیریز کو ہلاک کیا تاہم دو کیریز ربِّ برق و رعد اور ربُّ الشمس کے نشانوں سے بچ رہے۔ "یہ ضعیفی" اور "مرگ" تھیں۔

چند آفتیں آفتوں میں ہارپیاں بھی شامل کی جاتیں جن کے معنی ہیں۔ "نوچنے والیاں" یہ پرندہ نما عورتیں روح نوچ کر آندھی کی مانند اڑ جاتیں اور پھر اسے تباہ کر دیتیں۔ ساگر دیو اور ساگر دیوی کے بیٹے، بیٹی کی اولاد تھیں۔ ہارپیوں کا باپ ہوا کا بھوت تھا اور ان کی ماں ہوا کی بھتنی تھی۔ درجل بتاتا ہے کہ ان ہواؤں سے گھوڑیاں حاملہ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی ان کا سر ان تین بلاؤں کی مانند ہوتا جنہیں گورگن کہتے۔ گورگنیں آپس میں بہنیں تھیں۔ ان میں "میدوسا" سب سے نامور تھی۔ یہی سب سے بڑھ کر خبیث تھی اور فانی بھی۔ اسے زعیم پرسیوس نے ہلاک کیا۔ مس ہیریسن اسی کو اصل کیری مانتی ہیں، ان کے خیال میں باقی دو جو سلامت رہیں فاضل مخلوق تھیں۔

---

[1] PROLEGO بحوالہ EARLY AGE صفحہ ۱۷۲، ان نظریات سے قطع نظر فرائیڈ نے ویسٹر مارک کی تائید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اوائلی قبائل مرنے والوں کو ہولناک اور پراسرار بنالیتے۔ "یہ قیاس کہ مرنے کے بعد جو سب سے پیارے ہوتے بدروحوں میں منتقل ہو جاتے صاف طور پر مزید سوال پیدا کرتا۔ وہ کیا چیز تھی جو اوائلی لوگوں کو اپنے پیاروں کی نسبت اپنا احساس بدلنے پر آمادہ کرتی؟ وہ انہیں بدروحیں کیوں بنالیتے؟ ویسٹر مارک کی رائے میں ان سوالوں کے جواب با آسانی دیے جاسکتے ہیں۔ موت عام طور پر سب سے بڑی بدنصیبی ہے، لہٰذا مردوں کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اپنی تقدیر سے بے حد نا مطمئن ہیں۔ اوائلی قبائل کے خیالات کی رو سے آدمی تبھی مرتا جب اسے مارا جاتا۔ جبراً نہ مارا جاتا تو جادو کے ذریعے مارا جاتا۔ ایسی موت قدرتی طور پر روح کو انتقام پر اکساتی اور چڑچڑا بناتی۔ زندوں پر رشک کرتی اور پرانے دوستوں کی صحبت کی آرزو، پھر عجب نہیں کہ انہیں مارنے کی نیت سے روح ان پر بیماریاں نازل کرتی۔ لیکن یہ خیال کہ بے جسد کی روح مجموعی طور پر خبیث چیز ہے۔ لاریب مردے کے خوف کے وجدانی تصور خوف مرگ کا حاصل ہے۔" ٹوٹم اور ٹیبو صفحہ ۵۹۔ (اگلے صفحے پر)

ہارپیوں میں مہلک سائیرنیں بھی تھیں جن کے رسیلے گیت لوگوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوتے۔ دیوی دیوتا اپنے محبوب زعیموں کو ان کی دستبرد سے بچانے کے لئے بطور خاص کوشش کرتے۔

ہارپی ہر حال میں حسین ہوتی۔ اس کی صورت کبھی جل پری کی ہوتی اور کبھی انسان کی۔ نیم عورت اور نیم اسپ بھی ہوتی۔

ہارپیوں کو نسائی چہرے والے گدھوں کی صورت میں بھی پیش کرتے۔ یہی ہارپیاں زعیم فینیوس کی دشمن ہوئیں۔ اس کا کھانا خراب کرتیں اور اڑا کر لے جاتیں۔ بالآخر ایلیون کے مغرور اور سوختہ ساماں زعیم ایپی ایس نے ان کا مقابلہ کیا اور فینیوس کی جان بچائی۔

ہارپیاں فقط روح کش ہی نہیں بلکہ حیات افروز بھی ہوتیں۔

کیریز میں تقدیریں بھی نمایاں مقام رکھتیں۔ خدا ان سے بڑا کام لیتے۔ جب یونانی زعیم آرکل ایز نے ایلیون کی فصیل کے گرد چوتھی بار شہزادہ ہیکٹر کا تعاقب کیا تو زیوس نے سنہری ترازو سنبھالا اور موت کی تقدیریں پلڑے میں رکھ دیں۔

WUNDT بتاتا ہے کہ دنیا بھر کی دیومالا بدروحوں سے جو افعال و مشاغل منسوب کرتی ان کے بموجب بدروحیں راج کرتی ہیں اور مقبول عام نظریہ یہ ہے کہ بدروحیں بین طور پر نیک روحوں پر قدیم تر ہیں۔ فرائیڈ کے نزدیک ''اس تعلق میں فطرتاً جو متضاد جذبہ پایا جاتا۔ بعدہ ارتقائے انسانی کے سلسلے سے بدیں حقیقت ظاہر ہوا کہ اسی بنیاد سے دو کاملاً متضاد نفسیاتی رجحانات بروئے کار آئے۔ ایک طرف بدروحوں سے ڈرنے کا رجحان اور دوسری طرف آباؤ اجداد کے احترام کا رجحان۔'' ایضاً صفحہ نمبر ۶۵

اسی تالیف میں فرائیڈ نے یہ بھی بتایا ہے کہ دیوی دیوتاؤں سے قبل ایک تو دستور ممنوعات معرض وجود میں آیا۔ ''غالباً ممنوعات کا شعور ہی قدیم ترین شعور ہے اور اسی سے نظامِ شعور کو اولاً پالا پڑا۔'' دوسرے بھوت پریت پیدا ہوئے۔ اس کے نزدیک بھوت پریت کی تخلیق آدمی کا پہلا قیاسی کارنامہ ہے لیکن اس تخلیق کا سرچشمہ وہی ہے۔ جس سے ممنوعات کا شعور پیدا ہوا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ممنوعات کا شعور اور بھوت پریت بیک وقت پیدا ہوئے۔ زندوں نے مردوں کے حق میں اپنی کچھ طاقت اور کچھ آزادیٔ عمل قربان کی۔ یہ سب ضرورتاً ہوا۔ ''اوائلی انسان اسی نیت سے موت کی قوت کے آگے سر تسلیم خم کرتا جس نیت سے اس کا منکر معلوم ہوتا۔'' اور پھر ''روحیں اور بھوت پریت آدمی کے ذاتی تاثرات کی خارجی صورتیں ہیں۔ وہ انسانوں کی شکل میں جذباتی نکاس کرتا ہے۔ ان سے دنیا آباد کرتا اور پھر خارجی دنیا میں اپنی اندرونی ذہنی اعمال سے دوچار ہوتا ہے۔'' علی الترتیب صفحات ۶۷، ۹۳، ۹۲

شاعر ہی سیود کے خیال میں کیرِ یز عہدِ قدیم کی مخلوق تھی۔ یہ تقدیریں تھیں اور یہی پرندہ نما بھوت بھتنیاں۔

زیوس کے حکم سے جو حسین عورت (پینڈورا) تخلیق کی گئی، اس کے صندوق میں کیریز ہی مقید تھیں۔ جب اس نے خلافِ ہدایت ڈھکن کھولا تو یہ آفتیں انسان کو ستانے کے لئے رہا ہو گئیں۔

بنت الہول (تھی بیز کی خونخوار ساحرہ) SPHINX بھی ہارپی کے اوصاف رکھتی۔ اس کی شکل عجیب و غریب تھی۔ پانچویں صدی ق۔م کے نقاشوں نے اسے شہپر والی حسین عورت کے روپ میں پیش کیا۔ اس کی دم بھی تھی اور پنجے بھی تھے۔ پیغمبرانہ اوصاف رکھتی اور تھی بیز کے مہم جو آدمیوں کو ہلاک کرتی۔ کوئی اس کی یہ پہیلی نہ بوجھتا اور جان گنواتا کہ وہ کون ہے جو پہلے چار پیروں پر، پھر دو اور آخر میں تین پر چلتا ہے۔ شہزادہ ایدی پس ایک ایسا دانا نکلا، جس نے بتایا کہ یہ ذات شریف آدمی ہے جو شیر خوارگی میں دو ہاتھوں اور دو پیروں کی مدد سے چلتا ہے، بڑا ہو کر دو پیروں پر اور ضعیفی میں لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ جواب پا کر بنت الہول نے خودکشی کی اور ایدی پس نے مصیبت زدہ تھی بیز کو نجات دلائی۔ وہاں کا تخت سنبھالا بلکہ بے خبری میں اپنی بیوہ ماں جیکوستا کو بیوی بنالیا۔ یہ گل تقدیر نے کھلایا۔ تقدیر بھی روزِ اوّل ہی سے انسان کے دامن سے بندھی ہے۔

بدروحوں کی اصل اور اصلیت کی بابت آکیاؤں کے بیانات قابلِ اعتماد نہیں۔ انہوں نے پیلازجیوں کی روایات میں کیڑے ڈالے اور سو سو طرح سے پرانے دین کی تحریف کی۔ نئی تہذیب پرانی تہذیب میں شر کے سوا کچھ نہ دیکھتی۔ تہذیبی زیروزبر ہی کا نتیجہ تھا کہ بھلی چنگی ہستیاں کیریز[1] بن گئیں۔ کیریز درحقیقت آکیاؤں کے جذبۂ نفرت اور تعصب کا مظہر تھیں۔

رَبُّ الخمر کے خدّام کیریز کی طرح آکیاؤں نے رَبُّ الخمر (دائی اونائی سس) DIONYSUS کے پجاریوں کو بھی رسوا کیا۔ فرات و دجلہ اور نیل کی وادیوں سے آئے یا لائے ہوئے دیوتا پر بس نہ چلا۔ ارضی دین کا یہ قدیم دیوتا تو اس قدر قوی تھا کہ آکیائی اسے اپنے سماوی دین میں شریک کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اس کے پجاری انتقام اور تعصب کا نشانہ بنے۔ یہ پجاری سیٹر اور می نید MAENAD تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اول الذکر نیم حیوان تھے۔ پاؤں، کان اور

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو PROLEGO فصل پنجم

دم رکھتے، سر اور دھڑ آدمی کا ہوتا۔ ریش ور بھی ہوتے۔ اسپ نما انسان سینطور CANTAUR انہی کے مماثل ہوتے بلکہ ایک ہی جنس کے الگ الگ ملتے۔ مس ہیریسن کے خیال میں سینطور بادل راکھشس (گندھرو) کا روپ تھے۔ فاتحین کا شاعر ہومر انہی کی کینطوری KENTAURI کہتا اور غیر انسانی بتاتا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایتھنز والوں کے نزدیک گھوڑا عظمت والا جانور تھا۔

بعض نقوش میں سیطر یا سینطور کو کندۂ ناتراش قسم کے پہاڑی لوگ ظاہر کیا گیا۔ ان میں بہیمانہ اوصاف پائے جاتے۔ عورتوں سے بغلگیر ہوتے اور انہیں اغوا کرتے۔

بعض کے نزدیک سیطر انسان تو ہوتے لیکن دھڑ، دم اور ٹانگیں گھوڑے کی رکھتے۔

پندار کی شہادت پر کہا جا سکتا ہے کہ سینطور فی الاصل انسان تھے۔

مس ہیریسن کی تحقیق کی رو سے سینطور اور سیطر میں یہ فرق تھا کہ سینطور اولاً جنگلی آدمی تھا۔ بعدہ اس میں گھوڑے کی صفات ایزاد کی گئیں۔ لیکن سیطر شروع سے آخر تک ایک ہی حالت پر رہا۔ ایک بار دم، سم اور کان چسپاں ہوئے تو چسپاں ہی رہے۔

اس اسپ نما مخلوق میں کیرون CHIRON, CHEIRON کی ذات خصوصی توجہ کی محتاج ہے۔ تہذیبی زیر و زبر میں اس نے بڑی معنویت اور اہمیت پائی۔ نیک دل انسان قدیم نسل سے تھا۔ دانا اور عدل گستر تھا۔ ضرب الشال سناتا، گھوڑے سدھاتا۔ اس نے جیسن JASON ایسکلی پیس اور ایلیون کی دو سالہ جنگ کے یونانی زعیم آکل ایز ایسی نامور ہستیوں کو تربیت دی۔ طب اور موسیقی میں مہارت رکھتا، ان کا درس بھی دیتا۔ تصویر میں یہ نہایت عمدہ چغہ زیب تن کیے ہوئے ہے۔

کہتے ہیں کہ سینطور ایک بار زعیم ہیراکلیز سے لڑ پڑے۔ ہیراکلیز نے آبی ناگ ہیدرا HYDRA کے لہو سے تر کیا ہوا تیر ایک سینطور کو مارا جو زخمی ہو کر تڑپنے لگا۔ درد سے خلاصی پانے کی خاطر وہ اپنی لافانی زندگی پرومی تھیوس کو دینے پر آمادہ ہوا۔

سینطور نیس NESSUS نے ہیراکلیز کی بیوی دی آنی را DEIANIRA کو اغوا کیا اور اس کی آبرو ریزی کی۔ ہیراکلیز نے ہیدرا کے لہو والا تیر مارا۔ مجروح سینطور نے بظاہر نیک نیتی اور بباطن بدنیتی سے دی آنی را کو اپنا لہو دیا کہ کسی کپڑے پر مل رکھے۔ ہیراکلیز بے وفائی کرے تو

اسے یہ کپڑا پہنا دے۔ کپڑا پہن کر وہ دی آنی را سے رجوع کرے گا۔ دی آنی را سینطور کے چکمے میں آ گئی۔ اس نے سینطور کے لہو سے کپڑا تر کر لیا۔ ہیراکلیز ایک لڑکی کو لے بھاگا اور دی آنی را کو بھول گیا تو اس نے وہی کپڑا بھیجا۔ کپڑا زہر آلود تھا۔ اسے پہنتے ہی ہیراکلیز کا بدن سلگنے لگا۔

یہ آخر داستانیں ہیں۔ ان میں چھپی ہوئی حقیقت کا کھوج نکالنا سہل نہیں تاہم اتنا تو واضح ہے کہ عہدِ جاہلیت کے بھلے چنگے انسانوں، زعیموں اور دیوی دیوتاؤں کی صورتیں آ کیاؤں کے جذباتی سانچوں میں ڈھل کر بگڑ گئیں۔ فاتحین کو اپنے خدا عزیز تھے، یہی محترم تھے۔ ان کے نزدیک مفتوحین کے خدا وحشی اور نالائقِ احترام تھے۔ فاتحین کی آمد کے بعد مفتوحین کی زبان پر تالے پڑ گئے۔ تبلیغ اور نشر و اشاعت کے ذریعے مسدود ہوئے۔ وہ دھرتی سے اس بری طرح لپٹے چمٹے ہوئے تھے کہ نظر اوپر نہ اٹھتی۔ افلاک کی بلندیاں اور آفاق کی وسعتیں ان کے محدود عزائم و اعمال سے ماوراء ہی رہیں۔ ادھر فاتحین کے نقاشوں، سنگتراشوں اور شاعروں کی کھیپ فتح و نصرت کے نشے میں بدمست، تازہ ولولوں سے لیس ہو کر انتہائی گرم جوشی سے مصروفِ عمل ہوئی۔ انہوں نے عہدِ جاہلیت کے خام مواد کو اپنی منشاء کے بموجب اساطیری داستانوں میں ڈھالا اور مستقبل کو سونپا۔ نہایت وسیع پیمانے پر عملِ تحریف ہوا۔ ایسے میں اصلیت کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

"پروفیسر برج وے بتاتے ہیں کہ سینطوروں کی اساطیر میں ہمیں فاتحین کے اس رجحان کا پرتو ملتا ہے جو وہ مفتوحین کی نسبت رکھتے۔ پورے کرۂ ارض میں اس رجحان کے دو پہلو پائے جاتے۔ فاتحین مفتوحین کو ساحروں کے طور پر محترم جانتے اور مانتے کہ وہ اپنے دیس کی روح سے آشنا ہیں۔ ان سے سفلی عامل کا کام لیتے۔ کبھی کبھار جب صلح و آشتی ہوتی تو انہیں اپنے بیٹوں کا رضائی باپ بنا دیتے لیکن ہر برائی اور بہیمانہ خصوصیت انہی سے منسوب کرتے۔ باور کرتے کہ مفتوحین درندوں کی شکل اختیار کرنے پر قادر تھے۔

"مفتوحین پہاڑوں میں جا چھپتے، سینطوروں اور سیطوروں کے انداز میں فاتحین کی عورتوں کو بھگا لے جاتے اور یوں بدلہ لیتے۔"[1]

---

[1] EARLY AGE جلد اول صفحہ ۱۷۷ بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۸۴

فاتحین کے بغض کا یہ نتیجہ نکلا کہ اچھے بھلے آدمیوں کو سونڈیں، دمیں، ایال، سینگ اور سُم لگ گئے۔ ا انہیں تمسخر آمیز صورتیں دی گئیں تا کہ مفتوحین احمق لگیں اور ان کی تہذیب بیہودہ معلوم ہو۔ ان کے مقابل فاتحین ذی شان، ذہین اور برتر معلوم ہوں ان کی تہذیب کھری نظر آئے ''فاتح ہر اس شے کو بدشکل کرتا جو اس کے جذبات کو ٹھیس لگاتی۔ گویا ہوتی اور اس کی نفرت کے جذبات کا اظہار کرتی۔''

دائی اونائی سس کے یہ پرستار حیوان نما انسان نہ تھے بلکہ قدیم قبائل کے معزز ارکان تھے، انہیں جانور مشہور کیا گیا۔ ان کی مہیب شکلیں، دمیں، اپی کان اور سُم ان کی قوت افزائش کو ظاہر نہ کرتے بلکہ فاتحین کی بدگمانی کو عیاں کرتے۔ گھڑ دیو دراصل دیوا ونائی سس کے اوتار نہ تھے۔ گھڑ دیو دائی اونائی سس کبھی وجود میں نہیں آیا یہ تو بس سیطر تھے۔ البتہ اس سے انکار نہیں کہ یہ نوع آخرکار ضمیاتی ہستیوں میں گھل مل گئی۔ شکل وصورت کے تدریجی تغیر وتبدل سے فی الواقعی یہی واضح ہوتا ہے۔ اصولاً یونانیوں کی قوت متخیلہ ضمیاتی ہستیوں کو انسان نما بنانے پر مائل رہتی تاہم سیطر کے باب میں معاملہ دگرگوں رہا۔ وقت گزرنے اور فتح ونصرت کے تاریخی حقائق کے تدریجاً فراموش ہونے پر وہی جو پہلے قدیم نسل کا انسان تھا گھڑ راکھشس بن گیا۔'' ۲

فاتحین کے مصور ربُ الخمر کے پرستاروں (سیطوروں) کو شراب پیتے، لڑتے بھڑتے اور اودھم مچاتے دکھاتے۔ ایک حد تک وہ اصلیت سے کام لیتے۔ جب اول اول شراب ایسا تیز اور نشیلا مشروب رائج ہوا تو شراب خوری کے آداب سے ناآشنا ہونے کے باعث قبائل وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتے۔ ربُ الخمر کے تہواروں پر شرابیوں کی بدمستی اپنی نظیر نہ رکھتی۔ ان کے دینی جلوس میں غضب کا جوش پایا جاتا۔ اس جنون خیز جوش اور بدمستی کی آڑ لے کر فاتحین نے پیلا زجیوں کو

ا۔ ہند کی دیو مالا میں بھی یہی کچھ ہوا۔ رام چندر کے محسن ہنومان کو دم لگا دی جو دراوڑی لشکر کا کمانڈر تھا اور خود بھی دراوڑ تھا۔ رامائن میں دراوڑوں (مفتوحین) کو ملیچھ (پلید) بانر (بندر) اور داس (غلام) کے القاب عطا کئے گئے ہیں۔ رامائن، ہومر کے رزمیے ہی کی نقل ہے۔

۲۔ PROLEGO صفحہ ۳۸۶ مس ہیریسن نے ایک اور نظریے کا ذکر کیا ہے۔ ''یہ نظریہ جو اتنی تیزی اور وسعت سے پھیلا اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ سرخ وسیاہ نقوش والے کوزوں پر اپی انسان پیش کئے گئے ہیں، وہ کسی طور سیطر نہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ سیطر گوسفند نما انسان تھے۔ (اگلے صفحے پر)

انسانوں کے درجے سے گرادیا اور حیوانوں سے جاملایا لیکن پھر جب خود فاتحین ربُّ الخمر کو اپنانے پر مجبور ہوئے تو پاکباز اور پارسا ٹھہرے۔ اپنی جنوں انگیزیوں اور بدمستیوں پر معترض نہ ہوئے۔

نیا اور پرانا خانگی نظام۔ (تریاراج اور پدری نظام) عہدِ جاہلیت میں زمین ہی اہم ترین تھی اور دھرتی دیوی دیومالا کی اصل۔ اوائلی انسان اسی سے پہلا رشتہ قائم کرتا۔ اس کے دیوی دیوتا ارضی اور تحت الارضی ہوتے، ناگ کی مثال بالکل واضح ہے۔ زرخیزی، پیدائش اور افزائش دھرتی دیوی کی خوشنودی پر منحصر ہوتی۔ انسان ہی نہیں بلکہ تمام جاندار اور نباتات میں اسی کے مہر و کرم سے جان پڑتی۔ اسی کی رعایت سے عورت جو بچے جنتی اور انہیں پالتی پوستی، کنبے قبیلے میں پہلا مقام رکھتی۔ اسی سے حسب نسب چلتا اور نسل موسوم ہوتی۔ اسی کی نسبت سے رشتے اور قرابت داریاں مرتب ہوئیں۔ عورت کو اختیار تھا کہ وہ کئی کئی مرد کرلے۔ یوں اس کی فوقیت ظاہر ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ کنبے قبیلے میں اسے کلیدی مرتبہ حاصل ہے۔

اسی سے اولاد کی شناخت ہوتی۔ باپ کسی شمار قطار میں نہ آتا۔ ماں یقینی اور قابلِ اعتماد رشتہ قائم کرتی۔ دروپدی کے پانچ شوہروں کی کہانی اسی حقیقت پر اشارہ زن ہے۔ سپارٹا میں آخر وقت تک عورت آزاد رہی۔ نسل کشی کی خاطر وہ ہر مرد سے بلا تکلف رجوع کرتی اور مروجہ ضابطۂ اخلاق کی رو سے یہ فعل اس کی پاکبازی پر حرف نہ لاتا۔ سپارٹا کا آئین اسے ہدایت کرتا کہ وہ وطن کی خاطر توانا اولاد کو جنم دے۔ پروا نہیں، یہ اولاد اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور سے ہو۔ ماں کنبے قبیلے کی افضل ترین ہستی گردانی جاتی۔ اس خانگی نظام کی بنا پر دھرتی دیوی اور جنم دیوی وجود پذیر

کوزوں کے اپسی انسان SEILENOI کہلاتے۔ اگر یہ نظریہ درست ہے تو ہماری ساری دلیل بے بنیاد ہو جاتی ہے۔ سیطروں سے اپسی انسانوں کی مماثلت کو مسترد کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ سیطرائی (اوائلی عہد کی مخلوق) سے ان کی مماثلت کا انکار کیا جائے جو ربُّ الخمر دائی اونائی سس کو پوجتی۔"

"پھر ان بے شمار کوزوں کے نقوش کی شہادت پر ہم انہیں اپسی مرد نہ سمجھیں جو ربُّ الخمر دائی اونائی سس کی جلو میں چلتے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ٹریجڈی نغمہ گوسفندی ہے۔ اسی نغمہ گوسفندی نے سیطر ڈرامے کو جنم دیا، پس سیطر گوسفندی خدا ہوں گے۔ یہ اپسی خدا نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے دوسرا نام تلاش کرنا پڑے گا۔"

PROLEGO صفحہ ۳۸۷

ہوئی۔ زرخیزی کا خدا (جنم دیو، رت دیو) بعد میں نازل ہوا۔ فرائیڈ کے بیان کی رو سے ماتا دیویاں پہلے پیدا ہوئیں، باپ انکے بعد دیوتا بنا۔[1]

آکیاؤں کی آمد کے بعد طلسم ٹوٹا۔ پرانے ارضی رشتے کچھ ٹوٹے، کچھ کمزور پڑے۔ نئے تقاضوں نے مہم جو مرد کو آگے بڑھایا۔ پیلازجیوں کا مادری نظام MATRIARCHY شکست ہوا اور پدری نظام PATRIARCY بروئے کار آیا۔ باپ کنبے قبیلے کا سربراہ بنا۔ ماں کا مقام پہلے درجے سے گر کر دوسرے درجے پر آگیا۔ اب نسل باپ سے چلنے لگی۔ نسب ناموں میں اس کا نام سرفہرست آنے لگا۔ اسی کے واسطے سے رشتے ناطے قائم ہونے لگے۔ وہی رہبر ٹھہرا وہی سرداری اور حکمرانی کا اہل قرار پایا، وہی سب پر فائق ہوا۔[2]

پدری نظام کی رو سے آکیاؤں کے خدا زیوس کو سب پر فوقیت ملی۔ ہیرا جسے فاتحین کے مورخین اور صنمیات دان باغی دیوی اور لڑاکا بیوی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں دوسرے درجے پر آگئی۔ اساطیری داستانوں میں زیوس کے معاشقے جو ایک علاحدہ فصل کا مواد فراہم کرتے ہیں بالصراحت مذکور ہیں۔ وہ پرلے درجے کا دل پھینک تھا۔ ارضی مخلوق پر جھٹ فریفتہ ہوتا اور اختلاط جنسی سے کم پر مطمئن نہ ہوتا۔ ہیرا اسی سبب سے لڑتی۔ ویسے ہیرا نئی نہ تھی، زیوس اسے ہمراہ

۱۔ ٹوٹم اور ٹیبو، صفحہ ۱۴۹

۲۔ فرائیڈ اس مسئلے کو جنسی جہت سے دیکھتا اور بیکوفین (۱۸۶۱) کے بیانات پر تکیہ کرتا ہے۔ اسکے نزدیک پدری نظام میں بھی مادری نظام کے جراثیم پائے جاتے۔ ماں کا احترام اور زنا بالمحرمات INCEST کو قتل کے مساوی گناہ ماننا اس امر کی دلیل ہے کہ معاشرے کے قیام اور قبیلے کی بقاء کے لئے مادری نظام از حد ضروری تھا۔ سحریات داں بتاتے ہیں کہ پدری نظام میں باپ کنبے اور قبیلے کی سلامتی کا ضامن ہوتا۔ اس میں سحری قوت پائی جاتی اور اس کا لمس مہلک ہوتا۔ جب خشک سالی یا وبا پھیلتی اور قبیلے کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی تو سمجھ لیا جاتا کہ سردار (قبیلے کا باپ) سحری قوت کھو بیٹھا اور امورِ فطرت میں دخیل نہیں رہا۔ اس کے بیٹے اسے ہلاک کر دیتے اور قبیلے کی منجی کہلاتے۔ بڑا بیٹا سردار بنتا اور ایک دن باپ ہی کی طرح مارا جاتا۔ فرائیڈ اس ضمن میں بتاتا ہے کہ باپ عورتوں کی ایک کھیپ کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا۔ ''جنسی خواہشیں لوگوں کو متحد نہیں کرتیں۔ یہ تو ان میں پھوٹ ڈالتی ہیں۔ اگر ماں کا احترام لازم اور محرمات سے زنا ممنوع قرار نہ دیا جاتا تو قبائل کا شیرازہ یوں بکھرتا کہ پھر شیرازہ بندی نہ ہوتی۔'' ٹوٹم اینڈ ٹیبوص ۱۴۴ (اگلے صفحے پر)

نہ لایا۔وہ تو عہدِ جاہلیت کی نہایت محترم دیوی تھی اور زمین سے مربوط۔اس کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ آکیائی انہیں مٹا نہ سکے۔وہ آلے اور حربے جن سے یونان فتح کیا گیا اس کے حضور کند ہوئے۔بالآخر آکیائی پیلازجیوں کی اس دھرتی دیوی کو المپس کے کنبے میں شریک کرنے پر مجبور ہوئے۔دراصل زیوس کی آڑ میں ہیرا نے نئی تہذیب سے بغاوت کی۔زیوس کو پرانی تہذیب سے جو کد تھی،وہ ہیرا کو نظر انداز کرنے اور غیر عورتوں سے ناطہ جوڑنے سے ظاہر ہے۔ہیرا اور زیوس قدیم و جدید تہذیبوں کی علامتیں تھیں۔ان کی داستان مادری اور پدری نظاموں کے تصادم کی داستان ہے۔دونوں ہستیاں بڑی مضبوطی سے اپنی اپنی جگہ پر قائم رہیں۔

مادری پدری نظام کی آویزش مدتوں جاری رہی۔آرگوس کے علاقے میں ہیرا ابلا شرکت غیرے راج کرتی۔کنواری اَتھینی شہر ایتھنز کی نگہبانی کرتی۔اس کا کنوارا رہنا پدری نظام سے بغاوت تھی۔ایلی یوسس ELEUSIS کی مقدس سرزمین جہاں شریکِ قبیلہ ہونے کی وہ مخفی رسوم ادا کی جاتیں جن کا انکشاف ہلاکت کو دعوت دیتا تھا۔دھرتی دیمی تر DEMETER اور کنواری بیٹی KORE کے قبضے میں تھی۔

سحریاتی معاشرے میں باپ اور بیٹے کے درمیان جنسی رقابت کی بناء پڑی۔باپ بیٹا ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوئے۔یہ پدری نظام کا کرشمہ تھا کہ بیٹے کو ٹھکانے لگانے کی تدبیر شروع ہوئی۔ایدی پس کا واقعہ مشہورِ عام ہے جسے اس کے باپ نے روزِ اوّل ہی ہلاک کرنے کی سعی کی۔

کرونس دیوتا اپنے بچوں کو زندہ نگل جاتا۔ماں کی چالاکی سے بیٹا (زیوس) بچ نکلا۔پھر بڑا ہوا تو اس نے باپ کو مار بھگایا۔خود تاجدار ہوا۔

پدری نظام میں بیٹے نے بڑی اہمیت پائی کیونکہ آگے چل کر وہی باپ بنتا۔پھر زرعی معیشت میں وہی دھرتی ماتا کو زرخیز کرتا اور فرائیڈ کے بقول علامتی طور پر زنا بالمحرمات کے جذبے کی تسکین ہوتی۔اسی رعایت سے لنگ زرعی معیشت میں زرخیزی کی علامت بنا۔زرعی معیشت میں اٹس،ادونس اور تموز ایسے جوان دیوتا پیدا ہوئے۔ان پر ماتا دیویاں فریفتہ ہوئیں اور زنا بالمحرمات کی وارداتیں بھی۔ان پر باپ یعنی پدری نازل ہوا چنانچہ ادونس کو (افرودائتی کے محبوب جانور) جنگلی سؤر نے ہلاک کیا۔اٹس جس پر سب ای لی CYBELE دیوی مرتی،اپنے ہاتھوں آلاتِ تناسل قطع کر کے مرا۔پدری نظام نے ایدی پس روگ کو جنم دیا۔ٹوٹم اور ٹیبو ۱۵۲۔اسی کے ساتھ زرخیزی کے خداؤں کے متعلق فریزر کی گولڈن بو GOLDEN BOUGH کے ابواب پڑھے جائیں۔

فاتحین کے رب الشمس کی آمد سے قبل ویلفی کی کہانت گاہ پر بیسیوں دھرتی دیویاں مسلط رہیں۔ یہاں کی کاہنہ پرانے دین (دھرتی دھرم) کی داعیہ تھی اور بوقتِ عبادت صرف دھرتی دیویوں کو پکارتی جیسا کہ تمثیل نگار ایسکی لس کے ان اشعار سے عیاں ہے۔

''کاہنہ دیوی دیوتاؤں میں سب سے پہلے دھرتی دیوی کو پکارتی ہوں جو اگلے وقتوں کی دیوی ہے۔ پھر ارض وسماء کی بیٹی تھیمس THEMIS کو پکارتی ہوں جس کی نسبت روایت ہے کہ اس نے ترکے میں ماں سے تخت اور معبد پایا۔ اس کے بعد جیسا کہ مقدر ہے۔ دوسری زمین زادی فیبی FHAEBE کو پکارتی ہوں جو اگلے وقتوں کی دیوی ہے اور جسے لوگ خوشی خوشی خراجِ عقیدت دیتے ہیں۔ اس نے اپنے یومِ ولادت کی تقریب پر بطور تحفہ تخت اور معبد کہ قدیم سے اس کے قبضے میں تھے۔ اپنے نام سمیت رب الشمس فیبس PHOEBUS کو دے دیے۔''[1]

یہ اقتباس فاتحین کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا اور دھرتی پوجا کے غیر معمولی اثرات کا پتہ دیتا ہے۔ ایسکی لس یہ بھی بتاتا ہے کہ تھیمس اور جی آ[2] اصل میں دھرتی دیوی ہی کے الگ الگ دو نام تھے۔ دھرتی ہی مادری نظام کی بنائے اوّلین تھی۔

پدری نظام کہ فلکی اور شمسی دیومالا کی پیداوار تھا۔ ہیرا کو دوسرے درجے پر لے آیا۔ وہ عورت تھی، عہدِ جاہلیت کی معبود اور زمین سے وابستہ۔ اس کے بعد زیوس کے برادرِ خورد ربّ البحر (پوسائیدون) POSEIDON کا درجہ آتا۔ پھر بیٹے اور بیٹیاں ماں باپ کے اردگرد نشست سنبھالتے۔

۱۔ تمثیل یومی نیدیز کے ابتدائی اشعار

۲۔ GAIA, GAEA یہ نام آج تک علوم وفنون کی دنیا میں پایا جاتا ہے چنانچہ جیوگرافی (جی آ گرافی)، جیومیٹری (جی آ میٹری)، جیولوجی (جی آلوجی)، جیوفزکس (جی آ فزکس)، جیوڈیسی، جیومورفولوجی، جیوسٹیٹسکس ایسے متعدد علوم ہیں جو زمین (جی آ) سے تعلق رکھتے ہیں۔

نیا نظام پرانے نظام سے ٹکر لئے بغیر نہیں آیا۔نئی روایت پرانی روایت پر بآسانی غالب نہیں آتی ۔اگرچہ ماحول اور وقت کے تقاضے اس کی گرفت ڈھیلی کرتے ہیں تاہم جوں جوں روایت عمر رسیدہ ہوتی توں توں کنبوں قبیلوں کے خمیر میں شامل ہوتی۔مزاج کا جزو بنتی،خون میں رچ بس جاتی اوران کی رگوں میں جڑ پکڑ لیتی ۔عصبیت اور عقیدت اس جڑ کو سینچتی ۔پرانی روایت سے روگرداں کرنے کے لئے خمیر بدلنا،مزاج درہم برہم کرنا اور پرانا خون خارج کرنا پڑتا۔فصد کھولنی پڑتی۔عقیدت وعصبیت کے تارو پود بکھیرنے پڑتے اور یہ کام ہر کام سے مشکل تر ہوتا۔جب بھی آدمی کواس کے پسندیدہ اور دیرینہ عقائد سے محروم کرنا چاہا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا گھر،اس کا دارالامان ڈھایا جانے لگا ہو۔اسے اس کی واحد پناہ گاہ سے نکالنے،اس کی ہستی اور ہیئت بدلنے کی تدبیر کی جانے لگی ہو۔اسی لئے تو انسان نے بارہا ذہنی انقلاب قبول کرنے پر مرمٹنا گوارا کیا۔

یہی کچھ اس وقت ہوا جب پدری نظام نے مادری نظام پر غلبہ پانا چاہا۔دونوں میں بلا کا تصادم ہوا۔اس تصادم کی ایک مثال مس ہیری سن نے نقل کی ہے۔[1] ملاحظہ ہو۔

> ”یونانی دیو مالا میں مادری نظام کے متعدد بچے کھچے تصورات میں سے ایک قابلِ توجہ ہے۔دیوی اَیتھ اَینی اور دیوتا پوسائیڈ ون کی باہمی رقابت کا قصہ سناتے ہوئے بزرگ آگسٹائن بتاتا ہے کہ دونوں میں مقابلے کی ٹھنی جس کا فیصلہ شہریوں کی رائے سے ہوا۔رائے شماری میں مردوزن دونوں شامل ہوئے۔اس عہد کے رواج کے مطابق عورتیں امورِ عاملہ میں حصہ لیتیں۔چنانچہ مردوں نے پوسائیڈون کے حق میں اور عورتوں نے اَیتھ اینی کے حق میں رائے دی۔ایک کے بقدر عورتوں کی تعداد بڑھ گئی اور ایتھ اَینی غالب آئی۔پوسائیڈون کا غضب رفع کرنے کے لئے مردوں نے عورتوں کو تین سزائیں دیں ــــــــ

---

[1] PROLEGO صفحات ۲۶۱،۲۶۲

الف۔ انہیں رائے دہندگی کے حق سے محروم کیا۔

ب۔ اولاد کا ماں کے نام سے پکارا جانا موقوف کیا، اور

ج۔ وہ دیوی سے منسوب ہو کر ایتھ ای نیائی نہ کہلا سکتیں'' تصادم کی یہ ایک اور مثال ہے۔[1]

یہ ضمنیاتی قصہ منطقی نوع کا ہے اور فی الحقیقت ایتھنز کے معاشرتی نظام میں کسی قدر تغیر و تبدل کی عکاسی کرتا ہے۔ شاہ سکیر وپس[2] نے شہریوں کو مدعو کیا۔ یہ امر لائق توجہ ہے کہ پدری نظام کے تحت شادی بیاہ کی عالمگیر روایت کی ابتداء کا سہرا اسی کے سر ہے۔ ارسطو کے شاگرد کلیرکوس کا حوالہ دیتے ہوئے ایتھ ای نیس ATHENAEUS کہتا ہے کہ ایتھنز میں سب سے پہلے شاہ سکیر وپس نے عورت کا مرد سے ناطہ کیا۔ یوں تو بیاہ کی رسم عام تھی لیکن تعلقات قائم کرنے میں آزادی تھی۔ اسی لئے سیکروپس کو ''دو کا جنا ہوا'' کہتے کیونکہ اس سے پہلے کسی کو اپنے باپ کا پتہ نہ چلتا۔ ہر ایک کے کئی کئی اِمکانی باپ ہوتے پھر جس معاشرے نے پدری نظام قبول کیا اس نے قدرتی طور پر مادری نظام کے ازدواجی قوانین کو غلط جانا اور بدنظمی پر محمول کیا۔ بروئے روایت سب سے پہلے اسی تاجدار نے زیوس کو ارفع ترین کہا۔ غالباً زیوس پوجا کی ابتداء کے ساتھ ہی اس نے پدری نظام کے معاشرتی قوانین جاری کئے۔

ایتھ ای نیس کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ مادری نظام میں عورت کو کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مادری نظام عورتوں کی عشرت کاری اور بدکرداری کی خاطر تھا۔

۱۔ PROLEGO صفحہ ۲۶۲

۲۔ روایت ہے کہ CECROPS کمر کے نیچے نیچے ناگ کی صورت تھا۔ اسے زمین زادہ خیال کرتے۔ کچھ مدت تک اے طیکا کی ریاست جس کا صدر شہر ایتھنز تھا اس کے نام پر سکروپیا کہلائی۔

یہ نظام قبائلی نظم و نسق کی بہتری، افراد کی بہبود اور نیک نیتی سے رائج کیا گیا۔ اس کی خوبیاں اور خرابیاں کسی دوسرے مماثل نظام سے چنداں مختلف نہ تھیں۔

اہلِ یونان ہر عہد میں اپنے رشتے اور رابطے اپنی دیومالا میں منتقل کرتے رہے۔ ان کا یہ چلن بالکل قدرتی تھا۔ جب وہ تخیل کی مدد سے اپنے خدا تراشتے تو ان کی قرابت داریوں کے لئے اپنے معاشرے کو مدِ نظر رکھتے۔ اس سلسلے میں پدری نظام میں بڑی صحت سے مادری نظام کی پیروی کی گئی اور دیومالا کو منقلب کیا گیا۔ انسانی اور خدائی معاشروں میں قرابت داریوں کی مماثلت فینا غورث کے اس بیان سے واضح ہے۔[1]

> ''عورتیں اپنی عمر کے مختلف درجوں کو وہی نام دیتیں جو دیوی دیوتا دیتے۔ ناکتخدا لڑکی کو دوشیزہ KORE کہتیں، بیاہتا کو دلہن، بچے جننے والی کو ماں اور جس کے یہاں اولاد دراولاد ہوتی اسے نانی یا دادی MAIA کہتیں۔ اس بیان کو الٹ دیں تو مادری نظام کا سارا فلسفہ کوزے میں بند ہو جائے گا۔ مادری نظام کی دیویاں نسائی زندگی کی عکاسی کرتیں نہ کہ عورتیں دیویوں کی زندگی کی۔''

پیلازجیوں کی دیومالا میں اسی طور مادری نظام کا عکس ملتا جس طور آکیاؤں کی دیومالا میں پدری نظام کا۔ پیلازجیوں کے یہاں دھرتی ماتا دیمی تر اور اس کی بیٹی کوری کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ کوری جو کنواری اور کنیز کا مفہوم ادا کرتی دخترِ ارض تھی۔ دیمی تر سب دیویوں کی ماں تھی۔ ہر زعیم مقامی دھرتی یا زمینی جل پری EARTH NYMPH کو ماں کہتا۔ زمینی جل پری صرف مردوں ہی نہیں بلکہ تمام جانداروں کی جنم دیوی ہوتی۔ انسانیت دانوں کی تحقیق کے بموجب جنم دیویوں کا وجود قدیم ترین ہے۔ انہی پر ارضی اور حیوانی زرخیزی کا دارومدار تھا۔ انہی کے بعد جنم دیو، رت دیو اور ربُ الخمر پیدا ہوئے۔ یہ خانگی نظام کے بدلنے سے ہوا۔

1۔ PROLEGO صفحہ ۲۶۲

نیا خانگی نظام اپنے جلو میں نئی دیو مالا لایا۔ پرانی تہذیب کے پرستاروں نے نئے دیوی دیوتاؤں کو طوعاً و کرہاً اپنے یہاں جگہ دی۔ ویسے آکیائی اپنی دیو مالا کو خوب چمکا دمکا کر لائے۔ پاتال کی تاریکیوں کی بجائے انہوں نے آسمان کے اجالوں کا خیر مقدم کیا۔ وہ زمین پرست نہیں، فلک پرست تھے۔ عسکری قوت کے علاوہ تازہ فکری آلات سے لیس تھے۔ ان کے نظریات میں نیا پن تھا۔ بلند پروازی تھی اور لچک بھی، بڑھنے پھیلنے کی صلاحیت تھی۔ ان سے معاشرتی انقلاب اور مردانہ خانگی نظام کے تقاضے پورے ہوتے۔ پیلازجی پرانی روایتوں سے چمٹے رہنا چاہتے۔ زمین سے واسطہ رکھتے بلکہ اس سے چمٹے رہتے اور اسی لئے امن پسند اور قانع ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی امنگیں کھیتوں میں بوئی جاتیں اور وہیں اگتیں۔ اس سے آگے نہ سوچتے، نہ دیکھتے، ان کی سوچ اور ان کا فلسفہ اپنی زمین تک محدود تھا۔ گو ان کی بعض روایتیں کم فطری اور کم جاندار نہ تھیں تاہم انہیں نیا دین قبول کرنے اور دھرتی پوجا کے ساتھ ساتھ فلک پرستی اختیار کرنے ہی میں اپنی سلامتی نظر آئی۔

جب تک اور جہاں تک بن پڑا انہوں نے اپنے پرانے دین سے وفا کی۔ انہی کی وفاداری اور استواری یوں رنگ لائی کہ ان کی ایک دیوی لیطو آکیاؤں کے رب الشمس اور شکار دیوی ارطمس کی ماں بنی۔[1] رب الخمر (اور رُت دیو) المپس کے کنبے کا معزز رکن بنا۔ ہیرا اور ایتھا اپنی دھرتی سے اٹھ کر فلک پر پہنچیں۔ پاتال کہ ارواح کا دار القرار تھا نئے دیوتا ہیدیز کی تحویل میں چلا گیا۔ ایلیوس کی مخفی رسوم جوں کی توں قائم اور پراسرار رہیں، انہی نے زمین اور آسمان کو متوازی اور مساوی نہ سہی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھا۔ آسمان کو پہلا درجہ ملا۔ زمین دوسرے درجے پر آ گئی۔

---

[1] جنگل آدمی کا پہلا مسکن تھا۔ یہیں وہ درندہ بن کر رہا اور شکار اس کا بنیادی مشغلہ۔ اس ضمن میں شکار دیوی کی پوجا بالکل قدرتی تھی۔ پھر جب وہ جنگل سے نکل کر زرعی دنیا میں آیا ہل چلانے اور جانور پالنے لگا نیز زراعت کے سلیقوں سے آشنا ہوا تو اس نے زرعی معیشت، معاشرت اور زرعی تہذیب وثقافت (ایگری کلچر) کی داغ بیل ڈالی۔ اب دیمی تر بجنے لگی جو اناج دیوی بھی تھی اور دھرتی دیوی بھی۔ یہ دیوی زرعی زمین سے تعلق رکھتی، غیر زرعی زمین سے نہیں۔

اُلمپس، نیا مرکزِ فکر و نظر آکیاؤں نے دھرتی کو چھوڑ کر فلک سے ناطہ جوڑا۔ المپس ان کے خیال کی رفعت اور وسعت کی علامت تھا۔ بڑی بڑی دھرتی دیویاں، آقایانِ فلک (ربِّ برق و رعد، ربُّ الشمس وغیرہ) کی معیت میں المپس پر چلی گئیں اور پدری نظام میں شامل ہوئیں۔ یہی وہ لازوال اور فلک بوس پہاڑ تھا جس پر نئے خدا زیوس کی قیادت میں پرانے خداؤں سے برسرِ پیکار ہوئے۔ کرونس کے طرفدار بڑے بڑے پتھر، چٹانیں اور پیڑ اکھاڑ کر المپس پر حملہ آور ہوئے۔ ربِّ برق و رعد نے مضبوط قلعہ بندی کی، کالی گھٹائیں چھیڑیں، راستے دھندلائے اور بزرگ خداؤں کو گمراہ کیا، پھر بجلی چکا چکا کر ان کی آنکھیں چندھیائیں۔ دس سال تک المپس کے ہولناک محاذ پر چشمِ فلک نے قیامت کا سماں دیکھا۔ دس برس تک اس شد و مد سے جنگ ہوئی کہ زمین کی قوتِ برداشت معرضِ خطر میں پڑ گئی۔ المپس ہی تھا کہ یہ صدمے سہہ گیا۔ اسے تو جیسے کائنات کے صدمے سہنے کے لئے بطورِ خاص بنایا گیا تھا۔ بالآخر زیوس کہ نئے نظام کی علامت تھا، کامیاب ہوا اور اس کا باپ ہارا۔ اس کے بعد المپس فاتح خداؤں کی اقامت گاہ بنا۔[1]

المپس کی دیویاں نئے نظام کے تحت آسمان پر جو زمینی مخلوق پہنچی اس میں معزز خواتین شامل تھیں کہ انہیں ہر عظمت زیب دیتی۔ زعیم کے برابر درجہ رکھتیں۔ صفِ اوّل کی دیویاں ربُّ الارباب زیوس کی قرابت دار بن گئیں اور ان سے کم رتبے والیاں خدائی کنبے کی خادمائیں، جو المپس کے لائق نہ رہیں انہیں نیک روحیں مان کر آکیاؤں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ باقی کو بدروحیں قرار دے کر پیلازجیوں کے حوالے کیا۔

---

[1] خداؤں کی جنگ کے حالات ارضیات دانوں کے دریافت کردہ بعض حقائق سے نہایت خوبصورت رشتہ اور مماثلت رکھتے ہیں۔ زمین میں بانکپے پڑنا، پہاڑوں کا نمودار ہونا، چٹانوں کی سطح کا ٹلنا جسے ارضیاتی اصطلاح میں FAULT کہتے ہیں، آتش فشانی زلزلوں کی بھرمار اور تخلیقِ عالم کے باب میں متعدد ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کی جھلک مخصوص افسانوی رنگ میں اساطیری کہانیوں میں ملتی ہے۔ ارضیات اور صنمیات کا تقابلی مطالعہ نئی راہ بھاتا ہے نیز اوائلی انسان کے شعور کی پیائش کے لئے تیسری جہت قائم کرتا ہے۔

تثلیث کا معمہ مادری نظام ماں کی دوہری شخصیتوں پر مشتمل تھا۔ ایک ماں کہ دھرتی دیوی اور جنم دیوی (یا جنم ماتا) ہوتی اور دوسری اس کی دوشیزہ بیٹی (کوری) ہوتی۔ کوری کبھی کبھی کنیز بھی ہوتی لیکن صورت حال سدا یوں نہ رہی۔ ماں اور بیٹی کا طلسم توڑا اور نسائی تثلیث کو رواج دیا گیا۔ چنانچہ آکیاؤں کی روایات کے بموجب خیر اور لطافت کی تین دیویاں تھیں۔[1] پیار کی یہ دیویاں ابتدا میں دھرتی دیویاں تھیں، پھر تہذیبی زیروزبر کی بدولت قہر و غضب کی دیویاں بنیں۔ آکیاؤں نے ازراہِ مصلحت انہیں خیر اور لطافت کی دیویاں بنا دیا۔ ان کے ماں باپ مختلف بتائے جاتے۔ اساطیری داستانوں میں انہیں ثانوی مقام دیا اور کسی بڑی دیوی سے منسلک رکھا گیا۔ ان کی بارہ (۳x۴) خادمائیں تھیں۔ عقل و دانش کی دیویاں[2] جن سے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی (۳x۳) نو تھیں۔ رُت دیویاں[3] بھی جوگری، سردی اور بہار سے وابستہ کی گئیں تین تھیں۔ یہ زیوس اور تھیمس کی بیٹیاں تھیں۔ گورگنیں HORAE بھی تین تھیں اور ان کی بہنیں گرائی آ GRAIA بھی اتنی ہی تھیں۔ ایک آنکھ، ایک دانت اور سفید بالوں والی بڑھاپے کی یہ دیویاں گورگنوں کی نگہبانی کرتیں۔ تقدیر کی دیویاں موئی رائی MOIRAI جن کا حکم ربُ الارباب بھی نہ ٹال سکتا تین تھیں۔

۱۔ CHARITIES, GRACES

۲۔ MUSES میں CALLIOPE رزمیہ شاعری سے CLIO تاریخ سے ENTERPE نے نوازی سے TERPSICHORE رقص سے MELOPOMENE المیے سے THALIA طربیے سے ERATO بربط سے POLYHYMNIA متبرک گیت سے اور GRANIA نجوم سے وابستہ تھی۔

۳۔ ان کے نام STHENNO بمعنی قوت EURYALS بمعنی پرلے درجے کی آوارہ گرد میدوسا بمعنی ملکہ تھے۔ ان کی صورتیں مہیب اور آنکھیں چمکدار تھیں۔ بالوں میں سانپ لہراتے، چہرہ ہمیشہ مہیب نہ بناتے بلکہ دلآویز بھی بناتے۔ ڈھالوں پر ان کے سر کا نقش بناتے جسے دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جاتے۔ میدوسا پر ربُ البحر پوسائیدون فریفتہ تھا۔ مرتے وقت ربُ البحر کے نطفے سے حاملہ تھی۔ اس کے لہو سے براق PEGASUS پیدا ہوا۔ اس کا سر دیکھنے والا پتھرا جاتا۔ یہ وصف مرنے کے بعد بھی رہا۔ اسی بنا پر سلامتی کے لئے فرنیچر اور زیوروں پر اسے نقش کرتے۔

مورخ پلوتارک اور سیاح پوسے نی ایس کے بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دیویاں اوائل میں دو تھیں، بعد میں تین ہوئیں۔ چنانچہ ایتھنز والے قدیم الایام میں خیر و لطافت کی صرف دو دیویوں، آکسو AUXO اور ہی گے مونی[1] کو پوجتے۔ بعدہ مقدس پہاڑی آکروپ اولس ACROPOLIS کی عبادت گاہ کے دروازے پر خیر و لطافت کی تین دیویوں کے بت نصب ہوئے۔ یہی صورت سپارٹا میں پیدا ہوئی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ جب یہ دیویاں دو تھیں تو ماں اور بیٹی کا روپ تھیں، تین ہوئی تو بہنیں بن گئیں۔ یہ تبدیلی آکیاؤں کی مہربانی سے ہوئی۔ وہ مادری نظام کو کلیتہً معدوم تو نہ کر سکے تاہم انہوں نے مادری نظام کا زور توڑا۔ اس نظام کی قوی اور کلیدی ہستی ماں غائب کر دی۔

جنسِ قوی کے لائے ہوئے نظام میں باپ بیٹے کے سوا تیسرا کوئی نہ ہوتا۔ مادری نظام میں ماں اور بیٹی ہی سب کچھ تھیں۔ آکیاؤں نے تثلیث وضع کی جو ہمیشہ کنواریوں پر مشتمل رہی۔ یہ آپس میں بہنیں ہوتیں۔ انہیں کبھی ماں نہ بننے دیا مبادا شکستہ مادری نظام پھر پروان چڑھے۔

پلوتارک کی صراحت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ماں اور بیٹی جوں کی توں رہیں تثلیث نہ بنی۔ جہاں عہد جاہلیت کے دین (دھرتی پوجا) کا سکہ رواں رہا وہاں صرف دو دیویوں (ماں اور بیٹی) کا راج رہا۔ یہ دوہری نسائی ہستیاں کامل وجود رکھتیں۔ دھرتی دیوی دیمی تر اور کوری اس کی واضح مثال ہیں۔ ان میں تیسری کو کسی طور راہ نہ ملی، البتہ جہاں تکمیل کے تمام مراحل طے نہ ہوئے تثلیث نمودار ہوئی۔[2]

---

[1] HEGEMONE پروفیسر ڈینیل جونز مولف AN ENGLISH PRONOUNCING DICTIONARY اس کا دوسرا تلفظ ہے جی مونی بتاتے ہیں۔

[2] اساطیری داستانوں میں اولمپس کی ایک نسائی تثلیث کا واقعہ توجہ طلب ہے۔ اس کے کردار ہیرا، اتھرانی اور افرودائتی عظمت و رفعت کے باعث لازوال اولمپس پر قیام رکھتے۔ شاید یہ دیویاں گھل مل کر رہتیں لیکن فساد کی دیوی اے رس ERIS نے انہیں آپس میں لڑایا اور ان میں پھوٹ ڈالی۔ انہی کی مخاصمت کے باعث ایلیون کی دس سالہ جنگ چھڑی۔ دراصل یہ جنگ انسانوں نے نہیں دیوی دیوتاؤں نے لڑی۔ انسان تو کٹھ پتلی بنے رہے۔ گو مورخین اساطیری صداقت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ایلیون کی ہولناک جنگ یونانیوں کے جذبۂ ملک گیری اور ہوسناکی کا کرشمہ تھی۔ وہ تمام عالم کو اپنی شاہراہ بنانا اور ایلیون کا مضبوط قلعہ سر کرنا چاہتے جو ان کے توسیعی عزائم کی راہ میں حائل تھا تاہم اساطیر داں اپنی سی کہتے۔ ہومر کی ایلید اور یوری پیڈیز کی تمثیل کو ملا کر پڑھیں تو داستان یوں مرتب ہوتی ہے۔ (اگلے صفحے پر)

مادری نظام کو پوری طرح تمام اور دوہری ذات والی سربراہ ماں کو کالعدم کرنے کے لئے تثلیث کا حربہ نہایت مؤثر ثابت ہوا۔ ویسے اوائلی عہد میں تین کے عدد کو بڑی اہمیت حاصل تھی مِس ہیرسَن اس کی یوں تشریح کرتی ہیں۔

"پہلے اور غالباً سب سے پہلے مردوں اور تحت الارضی دیوی دیوتاؤں میں کسی نہ کسی وجہ سے تین کا عدد متبرک تھا۔ چنانچہ مُردوں کو تین بار پکارا جاتا۔ تیسرے دن ان کے نام پر قربانی دی جاتی۔

المپس پر شاہ پیلیوس PELEUS اور بنت البحر تھی طس THETIS کے بیاہ کی تقریب پر سب دیوی دیوتا جمع ہوئے لیکن موقع کی رعایت سے ایرس مدعو نہ کی گئی۔ اسے یہ بات سخت ناگوار گزری۔ اس نے پھوٹ کا بیج بونے کی ٹھان لی اور بھری محفل میں آ کر سنہری سیب پھینکا۔ جس پر لکھا تھا" یکتائے حسن اسے لے لے" ہیرا، اسِتھ اینی اور افرودائتی نے اس پر حق جتایا۔ ایلیون کے شہزادے پیرس کو ایلچی دیوتا ہومیز نے زبردستی منصف مقرر کیا۔ دنیا کے اس پہلے مقابلہ حسن میں دیویوں نے خود کو اپنے اپنے مخصوص انداز میں سنوارا۔ ہیرا نے مددگار کے بغیر حجاب درست کیا۔ آرسی کے سامنے نظروں کے تیور سنوارے۔ اسِتھ اینی نے دارے والی خانقاہ پر جا کر غسل کیا۔ سر پر اونچا خود رکھا اور ڈھال سنبھالی۔ افرودائتی کے دلآویز بازو پر پیار کے دیوتا نے کڑا چڑھایا۔ پھر افرودائتی نے چالاکی کی اور پیرس کو لالچ دیا کہ اگر اس نے اسے سنہری سیب کا حق دار قرار دیا تو وہ رشوت کے طور پر دنیا کی حسین ترین عورت، شاہ مین اے لے اس کی بیوی ہیلین اس کی نذر کرے گی۔ تینوں دیویاں بے نظیر تھیں۔ زیوس کے حکم پر ربط نواز ہرمیز انہیں ایدا پہاڑ کے غار میں منصف کے روبرو لے گیا۔ ہیرا سامنے آئی تو پیرس اس کے حسن کی تاب نہ جھیل سکا اور اس نے نقاب سے منہ ڈھانپ لیا۔ دیوی سر بسر شان و شوکت کی علامت تھی۔ اسِتھ اینی بھی کسی سے کمتر نہ تھی۔ کبھی سراپا دانش تھی تو کبھی جنگ کی علمبردار، افرودائتی سراپا پیار تھی اور نوجوانوں کو پیار ہی سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ یہاں انصاف سے زیادہ انتخاب مدِ نظر تھا اور مقدر بھی۔ PROLEGO (صفحات ۲۹۲ تا ۳۰۰)

خوبرو پیرس نے افرودائتی کو سنہری سیب تھمایا اور خود کو ہیلین کا حق دار ٹھہرایا۔

بالآخر شرارت کا پتہ چل گیا۔ ہرمیز کے ذریعے اصل ہیلن کو فرعون پروطیوس کے ایوان میں پہنچایا گیا۔ پیرس کے ہمراہ جعلی ہیلن گئی۔ یونان کے حکمران ایلیون پر چڑھ دوڑے۔ افرودائتی نے ہیلین اور اہل ایلیون کی طرف داری کی۔ ہیرا اور اسِتھ اینی نے ان کی مخالفت۔ زیوس کے علاوہ دوسرے دیوی دیوتا بھی جانب دار ہو گئے اور یوں ایلیون کی جنگ دیوتاؤں کی جنگ بن گئی۔ اسپائے دیوتا کرونس اور اس کے بیٹے زیوس کی جنگ کی طرح طروئے (ایلیون) کی جنگ بھی دس سال تک جاری رہی۔

مقابلہ حسن قدماء کی دھرتی دیویوں کو خفیف کرنے اور آپس میں لڑانے کا بہانہ تھا۔

یونان کے بعض حصوں میں تین دن ماتم کیا جاتا۔ آری لوپ آگس کی عدالت[1] جس پر تحت الارضی دیویاں نگران رہتیں تین دن تک برسرِ اجلاس رہتی۔ تہری ذات والی پاتال کی ہیک آتی[2] تین طرح پجتی۔ یہ سہل اور عین فطرت تھا کہ تہری ذات والی ریت کی نگرانی کرنے آئیں، پھر جب زمین تلے کی دیویاں زرعی رتوں کی نگران ہوئیں تو دو کی بجائے تین موسموں کا رواج پڑا۔ دو موسموں کے لئے دوہری ذات کی دیویاں کافی تھیں۔ زرخیز گرما کے لئے مادرِ گیتی اور بنجر سرما کے لئے کوری لیکن جب موسموں کی تعداد تین ہوئی تو تثلیث کی ضرورت لاحق ہوئی یا کم از کم اس کا خیر مقدم کیا گیا۔''[3]

بہرحال نئے نظام نے اپنے استحکام کی خاطر تثلیث کے حربے سے ماں کو سابقہ حربے سے محروم کیا اور اسے دوشیزہ بنا دیا۔ گو ہیرا ماں بنی رہی لیکن اسے زیوس کے کنبے میں دوسرا درجہ ملا۔

ہیرا زیوس اور ہیرا کے بیاہ سے انسانی تاریخ، ثقافت اور معاشرے میں نئی روایت کی داغ بیل پڑی جنسی تعلق میں گھریلو پن آیا۔ یہ ریت المپس کے آقاؤں کی اپج نہ تھی بلکہ انسانوں کے چلن کی آئینہ دار تھی۔ ابتداء میں یہ ریت ناپید رہی۔ تب جنسی تعلقات میں قرار نہ تھا۔ مرد و زن میں جنسی مفاہمت تو ہوتی ہوگی، عورت غالباً خود مختار اور آزاد تھی۔

ہیرا کہ زعیم جیسن JASON کی سرپرست کے طور پر مشہور ہے، زیوس سے قدیم تر اور مادری نظام سے وابستہ ہے۔ عہدِ جاہلیت میں اسی کا بول بالا تھا۔ اس کا معبد ہائی رے ای اون[4] زیوس کے معبد سے بہت پہلے معرض وجود میں آیا۔

۱۔ ایتھنز کی یہ قدیم عدالت بہت اہم ادارہ تھی۔ یہاں نہ فقط قتل کے مقدمات فیصل ہوتے بلکہ قانون، دستورِ اخلاق، تعلیمی امور اور منصفوں کی نگرانی کی جاتی۔ یہیں اوریسطیز کو اپنی ماں (کلائی طیم نیسطرا) کے قتل پر معاف کیا گیا۔ اس طرح مادری نظام کی ماں کا احترام تمام ہوا اور دھرتی دیویوں کا زور ٹوٹا۔

۲۔ HECATE جادوگروں اور چڑیلوں کی نگہبان تھی۔

۳۔ PROLGO صفحہ ۲۸۸

۴۔ HEIRAION مس ہیریسن کے علاوہ اے۔ بی کک جن کی تالیف ''زیوس'' نہایت بلند پایہ خیال کی جاتی ہے اور ایچ ڈی طر بتاتے ہیں کہ ہیرا اور زیوس نسلاً الگ الگ تھے۔ ان کا بیاہ جبراً ہوا۔ کک کے یہاں مسئلہ بڑی تفصیل سے مذکور ہے۔

قدیم ایام میں سے موس کو "دوشیزہ کا جزیرہ" (پارتھینا) کہتے اور ہیرا سے منسوب کرتے۔

آرکیدیا[1] کے ایک دُور افتادہ حصّے میں ہیرا کے تین معبد اور تین لقب تھے۔ پہلے وہ بچی کہلائی، زیوس سے بیاہ کر کے زنِ کاملہ TELEI اور الگ ہو کر بیوہ CHERA کہلائی۔

زنِ کاملہ وہ پہلے بھی تھی لیکن نئے نظام میں زوجہ ہی زنِ کاملہ متصوّر ہوتی۔ عہدِ جاہلیت کی ماں (زنِ کاملہ) کو ایک نئے واسطے سے زنِ کاملہ بننا پڑا۔ رشتہء ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اس کی سرکشی ایک قدرتی ردِّ عمل تھا۔ پدری نظام اس کی خودسری کو دبا نہ سکا۔ اسی طرح ہیلن کا اپنے شوہر مین اے لے اس کو چھوڑ کر اِلیون کے شہزادے کے ساتھ بھاگ جانا، اس کی بہن کلائی تیم نسیٹر اکا اپنے شوہر (مین اے لے اس کے بھائی) اَگیمَمنُون کو مارنا اور اپنے عزیز ای جس تھس سے جنسی رابطہ قائم کرنا دراصل مادری اور پدری نظام کا تصادم تھا۔

ہیرا حقیقی طور پر بیوی نہ بنی اور زیوس سچا شوہر نہ بنا۔ گویا المپس پر فاتحین اور مفتوحین کے ادیان متصادم رہے۔

اسِتھ ای نی زیوس اس خوف سے اپنی پہلی بیوی میٹس کو نگل گیا کہ کہیں وہ اس سے قوی تر لڑکا نہ جنے۔ غیب دان پرومی تھیوس یا صنّاع دیوتا ہی فیس طس HEPHAESTUS نے کلہاڑا مار کے زیوس کا سر پھوڑا اور یوں اَسِتھ اپنی ماں بن کے پیدا ہوئی۔ وہ صحیح معنی میں پارتھی نوس (کنواری) تھی۔ اس کے شہر ایتھنز میں پارتھی نون (ایوانِ دوشیزگی) اس کو قیام گاہ بھی تھا اور عبادت گاہ بھی۔ مادری نظام میں مادرِ زعماء تو تھی لیکن اصل مادر نہیں بلکہ رضائی مادر تھی۔ وہ تو کنواری تھی اور اصل مادر دھرتی دیوی جی آتھی، زعیم ہیراکلیز کی محبوبہ تھی۔ مہمات میں اس کی نگہبانی کرتی اور مشکلیں آسان۔

اس کے نام کی اصل اسِتھ ای نائیا ATHENAIA ہے۔ اس توصیفی نام کے معنی "ایتھنز کی دوشیزہ" ہے۔ نام سے پہلے پیلیس آیزاد کرتے جو خاتون کا مترادف تھا۔ افلاطون نے اس لائقِ صداحترام اور قابلِ پرستش خاتون کی نسبت کہا ______

---

[1] ARCADIA بیشتر پہاڑی علاقہ تھا بالخصوص اس کا شمالی حصہ۔ یہاں کے لوگ خود کو قدیم ترین یونانی بتاتے۔ ہرمیز اور پین دیوتا یہیں کے معبود تھے۔ ایک روایت کی رو سے زیوس نے یہیں جنم پایا۔ یہیں ربُّ الشمس کا معروف معبد تھا۔ زیوس کے ایک بیٹے سے لوگوں نے اپنا نام لیا۔

''میرے خیال میں ہماری دوشیزہ اور محبوبہ جو ہمارے درمیان رہتی ہے
رقص کے مشغلے سے لُطف اندوز ہوتی ہے۔خالی ہاتھوں شغل فرماتی لیکن زرہ
بکتر سے سراپا لیس رہتی اور یونہی رقص کو پایہء تکمیل تک پہنچاتی۔ہمارے
جوانوں اور ہماری کنواریوں کو دیوی کی پیروی مناسب ہے۔'' [1]

اور مس ہیریسَن کے بقول ______

''وہی تو ایک تھی جس نے اپنے جوانوں اور کنواریوں کی نقالی کی۔وہ
ان کی زندگی اور ہستی کا سچا روپ تھی۔وہ انہی کی طرح ناچتی۔جب وہ لڑے تو لڑتی
پھر جب وہ روشنی اور منطق والی نسل کے رُوپ میں از سرِ نو پیدا ہوئے تو وہ باپ کے
سر میں سے پیدا ہوئی۔'' [2]

یونانیوں کے یہاں نہایت دلکش گردشِ نقل و عمل پائی جاتی۔پہلے تو وہ اپنی زندگی کے خط و خال،اپنے شعور،اپنے ماحول نیز دینی و اخلاقی تقاضوں کے مطابق اپنے دیوتا تراشتے،ان میں اپنا رنگ بھرتے،ان کی آڑ میں اپنی ذات کی ترفیع کرتے،انہیں مثالی بناتے اور پھر ان خودساختہ دیوتاؤں کو پوجتے،مشعلِ راہ بناتے۔ایک اعتبار سے وہ اپنے ہی گرد گھومتے۔اگر دیوتا اپنے پجاریوں کی نقل تھے تو پجاری اپنے دیوتاؤں کی نقل تھے۔

کوری اور پیلیس ہم معنی تھے۔لغت دان سوئیدیس اس کے معنی عظیم دوشیزہ بتاتا۔مصری تھی بیز کے ادیان کا ذکر کرتے ہوئے سطرے بوذی قدر خاندانوں کی ان دوشیزاؤں کا حال بیان کرتا ہے جنہیں زیُوس کی نذر کیا اور پلیدیز کہا جاتا ہے۔پلیدیم PALLADIUM کی قدیم عدل گاہ مقامی دوشیزہ کے زیرِ اقتدار ہوتی۔ایری اوپ آگس کی متبرک عدالت میں پَیلس کا بُت نصب تھا۔

اَیتھ اینی کے آغاز اور ارتقاء کی کہانی شہر ایتھنز کے آغاز و ارتقاء کی کہانی ہے۔اس سلسلہء ارتقاء میں دین سے بڑھ کر سیاست کی کڑیاں ملتی ہیں۔عہدِ پارینہ میں وہ ربُ البحر پوسائیدون کی شریکِ عظمت تھی۔ربُ البحر ایتھنز کے قدیم رؤسا کا معبود تھا۔پدری نظام کے زیرِ اثر وہ اسے اپنا جدِّ امجد بتاتے۔جاگیرداری کے بعد جمہوریت نے پر پرزے نکالے تو دیومالا میں

---

[1] PROLEGO صفحہ ۳۰۰ [2] STRABO بروزن لے لو۔

نئے نقوش ابھرے۔ احیائی عمل میں ایتھ اینی کے بعض حسین پہلو معدوم ہو گئے۔ ''لوگوں نے اسے بے جنس SEXLESS کر کے رکھ دیا، نہ وہ مرد رہی نہ عورت۔ سنگتراش فائیدی ایس PHEIDIUS کے پارتھی نوس (کنواری) کے مجسمے کی مانند اس کی ذات سے بعض اوصاف وابستہ کر دیئے گئے۔ یوں وہ ایک خاص مقصدیت کا مظہر بنی۔ آخر میں محض صناعی کا نمونہ، ایک غیر حقیقی شے ہو کر رہ گئی جو ہمیں کبھی متاثر نہیں کرتی۔ اصل میں وہ تائیکی TYCHE شہر کا مقسوم تھی۔ اہلِ شہر کا معبود حقیقی دیوی نہ تھی، شہر تھا۔ گروہ عشاق کا لافانی محبوب یہی شہر تھا۔''[1]

سب سے بڑا تصنع اس کی داستانِ ولادت میں موجود ہے۔ بقول ہومر ''اس کی حیات برق کے طور پر باپ کے نور سے درخشاں ہوئی۔'' اس داستان میں ایک راز ہے۔ دیوی کو اس بہانے مادر گیتی کے قدیم رشتے سے رہا کر لیا گیا۔ اب سے وہ زمین کی نہ رہی، جنسِ فلک بن گئی۔ نئی دیومالا نے اسے اپنا لیا۔ وہ طلوع آفتاب پر جنم پاتی۔ ''ہائی پیرین کے پرنور صاحبزادے رب الشمس اپالو نے کچھ دیر کے لئے اپنے تیز رفتار گھوڑوں کو لگام دی۔''

ایتھ اینی کی اس نئی اور غیر حقیقی صورت کو سیاست اور ادب نے جنم دیا۔

قدیم ایتھ اینی کو ناگ دیو سے نسبت تھی۔ ناگ دیو اس کے قہر و غضب کا مظہر تھا۔ وہی اس کے معبد کی نگہبانی کرتا۔ ایتھنز میں یہ ناگ دیوی کے مجسمے کے پول میں ڈھال تلے پڑا رہتا۔ یہی شہر کا مقسوم تھا۔ ہیرودوٹس بتاتا ہے کہ جب ایرانیوں نے قلعے کا محاصرہ کیا تو ناگ نے شہد کی روٹی کھانی چھوڑ دی۔ یہ روٹی ہر مہینے اس کی نذر کی جاتی۔ جب پروہتنی نے بتایا کہ ناگ دیو نے نذر قبول نہیں کی تو لوگ خوف زدہ ہوئے اور خود کو غیر محفوظ سمجھ کر شہر سے چلے گئے۔

بعض نقوش و تصاویر سے استناد کیا جا سکتا ہے کہ ناگ ایتھ اینی ہی کی ذات کا حصہ تھا۔

عہدِ جاہلیت میں اس میں بعض حیوانی علامات پائی جاتیں اور اس کے مجسمے سے عیاں ہوتیں۔ اس کے سر پر خود ہوتا جو اسے انتقام کی دیوی ظاہر کرتا۔ جب ایری اوپاگس کی عدالت نے پرانا نظامِ عدل جس کی بنیاد خون کا بدلہ خون پر تھا، بدل دیا۔ ماں (کلائی طیم نیسطرا) کے قاتل بیٹے

---

[1] پروفیسر گلبرٹ کی تالیف ANCIENT GREEK LITERATURE صفحہ ۱۷۸ بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۰۲

(اور یسطیز) کو پدری نظام کی فضیلت جتانے کے لئے رہا کردیا تو دیوی بھی بدل گئی۔ انتقام کے منصب سے دستبردار ہوئی۔ نور، منطق اور حریت کی علامت بن گئی۔ اس کے ایماء پر قہر و غضب کی دیویاں خیر و لطافت کی دیویاں بن گئیں۔

نئی ایتھا اینی نے جنم لیا تو وہ پرانی تہذیب کے امانتداروں، پیلا زجیوں کی نہ رہی۔ نئی تہذیب کے علمبرداروں، آکیاؤں کی بنی۔ زمین کی بجائے فلک پر اقامت گزیں ہوئی۔

افرودائتی　　مس ہیریسن کے رائے میں وہ کنواری تو ہے لیکن کنوار پن کی بنا پر نہیں بلکہ جمال و رعنائی کی بنا پر۔ ویسے وہ زمینی جل پری [1] اور عُروس تھی۔ قبرص کے سمندر کے جھاگ میں سے نکلی۔ افرودائتی کے معنی ہیں کف زائیدہ۔ تبھی تو جل پری ہوئی۔ رہی عُروس کی بات سو وہ لفظاً عُروس تھی، عملاً نہیں۔ آزاد منش تھی۔ پدری نظام کی الجھنوں سے حتی المقدور بچتی رہی۔ وہ مادری نظام کی معتبر ہستی تھی۔ زیوس کے لنگڑے اور بدصورت بیٹے ہی فیس طس کی برائے نام بیوی تھی۔ ہومر نے ایک گیت میں اسے محبت کی ماری بتایا۔ گیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اُلمپس کے ایوانوں میں اس ملکۂ حُسن کو اجنبی کے طور پر قبول کیا گیا۔ اسے بس گوارا کر لیا گیا۔ مقامی طور پر جنوب کی دیوی تھی اور سرد شمالی علاقے میں رہنا نا پسند کرتی۔ شمال میں تو بس شکار اور زرخیزی کی دیوی ارطس ہی رہنا پسند کرتی۔ افرودائتی ہر وقت رسیاں تڑاتی اور فرار ہوتی رہی۔ اس کا وہی حال رہا جو ربُّ الحرب ایرز ARES (مریخ) کا رہا۔ اسے ہر دم اپنے گھر کا فکر دامن گیر رہا۔

فاتحین کے خیال میں وہ عیش و عشرت کی دلدادہ تھی۔ ہومر اسے کیتھریا KYTHEREIA اور کپرس KYPRIS کے نام سے یاد کرتا۔ آہنگر دیوتا کی بیوی کے طور پر کیرس CHARIS کہلاتی۔

ہومر کے یہاں یہ ایک شعبے کی دیوی تھی اور ایک ہی انسانی جذبے کی حامل رہی۔ قبل ازیں جیسا کہ مذکور ہوا دیوی دیوتا بے نام اور ہر فن مولا ہوتے۔ عبوری دور میں مفتوحین اور فاتحین کی دینی و تہذیبی کشمکش نے کچھ انتشار پیدا کیا۔ دیو مالائیں ٹکرائیں اور دیوی دیوتا خلط ملط ہوئے لیکن پھر آکیاؤں کے فطین و ذہین شاعروں اور مفکروں نے ابہام و انتشار کا انسداد کیا۔ دیوی دیوتاؤں کے اوصاف، مدارج اور شعبے متعین کئے۔ اس کے بعد افرودائتی جنسی خواہش کی علامت

---

[1] مادری نظام کی جل پریاں زمین سے وابستہ ہوتیں اور اسی بنا پر زمینی جل پریاں کہلاتیں۔

قرار پائی۔ ربّ البحر پوسائیدون کہ مقامی طور پر فیطل میوس PHYTALMIOS کہلاتا، پانی کا ہو کر رہ گیا۔ ہرمیز کہ عہدِ جاہلیت میں بھیڑ بکریوں، دوسرے پالتو جانوروں اور ہر نوع کی زندگی کا سرچشمہ مانا جاتا، پیشگام HAROLD بنا دیا گیا۔ افرودائتی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ طوائف تھی۔ اس کے مندر میں کنواری لڑکیاں اپنی دوشیزگی زائل کرنے آتیں اور اجنبی یہ فریضہ ادا کرتے اور جاتے ہوئے کوئی سکہ لڑکی کی جھولی میں ڈال دیتے۔ لڑکی یہ سکہ مندر کے پجاری کو دیتی اور اس سے سند لیتی کہ اس نے کنوارپن زائل کروالیا ہے۔ سند لے کر گھر چلی جاتی۔ اب وہ اس قابل ہوتی کہ بیاہ کر لے۔ طوائف دیوی (افرودائتی) کی پوجا کا یہی طریقہ تھا۔ سب لڑکیاں واپس گھر نہ جاتیں۔ جو گھر نہ جاتیں، طوائف دیوی (افرودائتی) کے مندر کی دیوداسیاں بن جاتیں۔ یہ طوائفیں ہوتی۔ رقص و موسیقی میں تعلیم پاتیں اور مندر کے پروہتوں اور پجاریوں کی جنسی بھوک مٹاتیں۔ پھر جب ان کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہو جاتی تو بازار میں جا بیٹھتیں اور تن فروشی کا دھندا کرتی۔ قدیم مصر کی دیوی آئی سِس کے بارے میں اس کی زندگی میں اس پر طوائف کا لیبل لگا۔ یونان میں آئی سِس اور افرودائتی کو طوائف دیوی بنایا اور قدیم مصری روایت کو بڑھایا گیا۔

اسی طرح افرودائتی عہدِ جاہلیت میں درندوں کی دیوی تھی۔ زرخیزی اور پیدائش کے جانور بالخصوص فاختہ اور بکری اس کے خاص جانور تھے۔ آثار قدیمہ کے نامور ماہر آرتھر ایونز ARTHUR EVANS نے مسیح سے ایک ہزار سال قبل پرانا دیوی کا مجسمہ برآمد کیا جس کے سر پر فاختہ بیٹھی تھی۔ پوپے ای POMPEI میں چوتھی یا پانچویں صدی قبلِ مسیح کا مجسمہ ملا جس میں دیوی ہاتھ میں عصائے اختیار لئے بنی سنوری بیٹھی ہے۔ پجاری اس کے حضور بھیڑ اور فاختہ لئے کھڑے ہیں۔

افرودائتی کو بنت البحر قرار دینے اور سمندر کی کوکھ سے جنم پانے کی کہانی ایک شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ کف کے انبار میں سے نکلی تو رحم و کرم کی دیویاں کہ پہلے انتقام کی دیویاں تھیں اور قاتلوں کو سزا دینے پر مامور، دیوی کے حضور آن کھڑی ہوئیں۔ فائیدی الیس کے ایک فن پارے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دیوی برآمد ہوئی تو کام دیو اراوس (کیوپڈ) نے خیر مقدم کیا اور پائیتھو PEITHO نے سر پر تاج رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فائیدی الیس نے ہومر

سے تحریک پائی۔ بہرحال ایک منظم اقدام کے تحت ذی وقار افرودائتی کو زمین سے بے واسطہ کیا اور مادری نظام سے خارج۔

آبی ولادت سے ''غسلِ دوشیزگی'' کی ریت پر روشنی پڑتی ہے جو دیویوں میں مروج تھی۔ پانچویں صدی ق۔م کے شاعر اور قواعد دان کے لم آکس CALLIMACHUS نے دیوی پیلس (استھ اینی) کے غسل پر حمدیہ گیت کہا۔ دوشیزگی کو نکھارنے کیلئے دیوی دریائے ان آکس INACHUS میں ہر سال نہاتی۔ احیائے دوشیزگی کا یہ عمل خیالی نہ تھا۔ سیاح پوسے نی ایس نے نوپلی آ NAUPLIA میں کینے تھس CANATHUS نام کا چشمہ دیکھا۔ آرگوس والوں نے بتایا کہ ہیرا دیوی ہر سال یہاں نہاتی اور دوشیزگی میں نیا پن پاتی۔ یہ مخفی رسوم کی ریت تھی۔ لوگ ہیرا دیوی کی شان میں مخفی رسوم ادا کرتے۔ پرانے لوگ دوشیزگی کو لازوال جمالی وصف مانتے۔ اسی لئے تو افرودائتی کی لافانی دوشیزگی کا تصور پیدا ہوا۔[1] ''اسے دوشیزاؤں کی تثلیث میں مرکزی درجہ حاصل رہا۔ وہ بط پر بیٹھ کر سیرِ افلاک کرتی۔ ویسے فضائے بالا پر گزر رکھتے ہوئے بھی وہ حیات و حقیقت سے رشتہ رکھتی۔ دوسری دیویوں کی اصلیت تمام کر دی گئی۔ ارطمس غیر انسانی ہونے کے باعث غیر حقیقی ہو گئی۔ استھ اینی ایک بے جان تجریدی ہئیت اختیار کر کے رہ گئی۔ المپس پر دھرتی دیوی دیمی ترلے دے کے ایک خوبصورت استعارہ تھی۔ جب قوائے قدرت پر آدمی کا اختیار بڑھا اور سرمایہ علم میں اضافہ ہوا تو صنمیاتی ہستیاں اور پراسرار اشیاء سائنس کی نذر ہوئیں بس زندگی اور پیار کا راز باقی رہ گیا۔ یہی پیار زندگی کو جنم دیتا رہا۔ یہی پیار اور زندگی ناقابلِ بیان مگر ناقابلِ حصول حقیقتیں ثابت ہوئیں۔ اسی لئے تو افرودائتی کی ہستی برقرار رہی''۔[2]

البتہ پیار دیوتا اراوس نے جنم لیا تو افرودائتی کی دوشیزگی داغ دار ہوئی اور ماں بنی تاہم حسن و جمال میں یکتا رہی۔ اصل میں افرودائتی عہدِ جاہلیت کی وہ امنگ تھی جو آکیاؤں کی آمد اور پدری نظام کے قیام پر مفتوح تو ہوئی لیکن مرنہ سکی۔

۱۔ PROLEGO صفحات ۳۱۲،۱۱۳

۲۔ ایضاً صفحہ ۳۱۴

عظیم مقامی خواتین دیویاں آسماں سے نہ ٹپکتیں، نہ پیڑوں سے لگتیں بلکہ انسانوں میں جنم لیتیں۔ غیر معمولی صلاحیت کی بدولت عظمت یاب ہوتیں اور دھرتی کی وارث بنتیں۔ بزرگوں کی روحیں ان میں حُلول کر آتیں۔ مادری نظام میں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا عورت معاشرے کی کرتا دھرتا ہوتی۔ بچے ماں کے قبیلے سے تعلق رکھتے۔ قبائلی اَملاک عورت کے قبضے اور ورثے میں آتیں۔ متصوفانہ پیرائے میں زمین عورت کی تھی۔ یہ عورتیں ہی تھیں کہ دیویاں بن جاتیں اور پجنے لگتیں۔ جس زمین پر پیدا ہوتیں اسی کا روپ تصوّر ہوتیں۔ پھر وہ دیویاں ظاہر ہوتیں ہیں جن کی ذات کے ذریعے اوائلی لوگ اِفراط کے تصور کی پرستش کرتے۔ [1] قبائلی زندگی انہی کے گرد گھومتی۔

سیاح پوسے نی ایس نے یونان بھر کا گشت کیا اور نزد و دور کے علاقے کھنگال کر مقامی دیویوں کا کھوج نکالا۔ یہ دیویاں پرانے کنبے قبیلوں کے لئے کافی تھیں۔ ہیلین، پینڈورا، کیسینڈرا CASSANDRA ہی بی یا گینی میڈ HEBE, GANYMEDE ارطمس اور کیلستو عہدِ جاہلیت کی مقامی بزرگ ہستیاں تھیں۔

ہومر کی مہربانی سے ہیلن رسوائے عالم زانیہ کہلائی حالانکہ ''سپارتا ایسے شہر میں پجتی جہاں اس کا معبد تھا۔ مجسمہ اور مقدس شجر بھی۔ سپارتا کے علاوہ رہوڈز RHODES میں بھی پجتی۔ ساتویں صدی کے ایک منقش کوزے سے گمان گزرتا ہے کہ ہیلین کے اغواء کی داستان بیوی اور عورت سے زیادہ دیوی کے اغوا سے تعلق رکھتی۔ نو آباد کاروں (آکیاؤں) کا شاعر ہومر عہدِ جاہلیت کی اس دخترِ گیتی کو فانی زعیمہ اور یکتائے حسن مانتے ہوئے بھی بدکردار سمجھتا۔'' [2]

سپارتا کے صدر مقام لاکونی آ LACONIA میں لیوک طرا LEUCTRA کے مقام پر ایلیوں کی شہزادی کیسینڈرا (شاہ پرائی ایم اور ملکہ ہیکوبا کی دخترِ نیک اختر) کا معبد تھا۔ یہاں اس کا مجسمہ بھی تھا لوگ اسے ''انسان کی مددگار'' کے نام سے پکارتے اور پوجتے۔ ربُ الشمس کی محبوبہ تھی۔ جس نے اسے پیشگوئی کا وصف عطا کیا۔ لیکن جب شہزادی نے سرد مہری دکھائی تو دیوتا

---

[1] اے ہسٹری آف سیکس، مترجمہ پار ہلے صفحات ۹۱، ۹۳ (مادری نظام کی پوری بحث کیلئے باب دوم وسوم) مطبوعہ نیو انگلش لائبریری، لندن (۱۹۶۱ء).

[2] PROLEGO صفحہ ۳۲۴

نے اس کا وصف بیکار کر دیا۔ وہ پیشگوئی تو کر لیتی لیکن اسے کوئی باور نہ کرتا چنانچہ اس نے جب وطنِ عزیز ایلیون کی تباہی کی خبر دی تو کسی نے یقین نہ کیا۔ ایلیون کے سُقوط پر وہ ایتھ اینی کے مجسمے سے جا چمٹی۔ یونانی زعیم آجیکس AJAX اسے وہاں سے لے آیا۔ بے حرمتی کے اس فعل پر ایتھ اینی نے اسے سخت دردناک اور مہلک سزا دی۔ گناہ سے دامن پاک کرنے کے لئے آجیکس کا قبیلہ ہر سال اونچے خاندان کی متعدد کنواری لڑکیاں دیوی کے معبد میں بھیجتا کہ وہاں دیوداسیاں بن کر رہیں۔ اگر وہ معبد تک پہنچنے سے قبل علاقائی لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتیں تو ہلاک کر دی جاتیں۔

جنگ کے بعد کیسینڈرا فاتح سالار ایگ آمیمنون کے حصے میں آئی اور اسی کے ساتھ کلائی تیم نیسٹرا کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

نئے خداؤں کی فلکی قیام گاہ (المپس) پر خوش اندام ہی بی دیوی دیوتاؤں کی ساقیہ تھی۔ تصاویر میں بہت بڑا قدح لئے نظر آتی۔ فلائی اس PHLIUS کے لوگوں نے اس کی خانقاہ بنائی، وہ اسے پوجتے۔ یہ مقامی ہیروئن "پرانے وقتوں کی انتہائی پاکباز ہستی" گردانی جاتی ہے اس کا پہلا نام گینی میدتھا۔ اس کی خانقاہ دارالامان تھی۔ یہاں جو غلام آکر پناہ لیتے محفوظ ہو جاتے۔ رہائی کے بعد قیدی بیڑیاں اتار کر خانقاہ کے پیڑوں سے ٹانگ دیتے۔[1] عہدِ قدیم میں خانقاہیں اور خداؤں کے مجسمے جان کی امان پانے کے کام آتے۔[2] افسوس! غلاموں کی سرپرست ہبی فلکی قیام گاہ پر خداؤں کی خادمہ بن کر رہ گئی۔

ہبی کی خانقاہ مرجع خلائق تھی۔ آکیاؤں نے دیوی کی سرزمین فتح کرنے کے بعد خوف کے مارے اسے گزند نہ پہنچایا اور لوگوں کی تالیفِ قلوب کے لئے دیوی کو بامِ فلک پر پہنچا دیا۔ شاید وہ گینی میدیز کی عزیزہ تھی جسے اس کی خوبصورتی کے باعث ایک روایت کی رو سے خود زیوس اور دوسری روایت کی رو سے زیوس کا پرندہ (شاہین) المپس پر لے گیا۔ گینی میدیز المپس کا خوبرو ساقی تھا۔

1۔ PROLEGO صفحہ ۳۲۴

2۔ ایک ناٹک میں خداؤں کی بے حرمتی ہوتے دیکھ کر لوگ بھڑک اٹھے اور مصنف پر پل پڑے۔ مصنف بھاگ کر ناٹک دیو (ڈائی اونائی سس) کے مجسمے سے لپٹ گیا اور یوں اس نے اپنی جان پائی۔

(شاہین عہدِ قدیم کا نہایت اہم پرندہ کہ پرندوں کا بادشاہ ہے۔ فرعون کے مرنے کے بعد اس کی نقل کو اہرام کی چوٹی سے اڑا کر سوئے فلک (ربّ الشمس) کے پاس لے جاتا۔ اقبال نے شاہین کی بلند پروازی، جاہ و جلال اور سادہ زندگی کے پیشِ نظر اسے خودی کی علامت بنایا۔

ہیراکلیز المپس پر پہنچا تو بھی اس کی بیاہتا بنی۔ فلک نشین ہو کر بھی اس کی مقامی ہستی قائم رہی۔ ایک محدود علاقے کے قبائل بھی کو پوجتے رہے۔

اسی طرح ارطمس بھی زرخیزی کی مقامی دیوی تھی۔[1] کیلستو کو بھی یہی حیثیت حاصل تھی۔ سیاح پوسے نی ایس نے آرکیدیا کی ایک بستی میں بڑے ٹیلے پر کیلستو کی تربت دیکھی۔ یہاں ثمر ور اور بے ثمر دونوں طرح کے پیڑ تھے۔

کیلستو کے معنی ہیں "حسین ترین"، ہر دیوی اور ہیروئن حسین ترین ہوتی۔ دیوی اور ہیروئن کے روپ میں جو ہستی ابھرتی بے نظیر ہوتی۔ یوں ہر بار نئے رنگ میں حسن کی تجسیم و تشکیل ہوتی۔

اسی طرح پینڈورا بھی کھوٹا سکہ نہ تھی بلکہ مادری نظام کا تابدار موتی تھی۔ دھرتی دیوی تھی اور سامانِ حیات مہیا کرتی۔ اس کی شان میں نئی رت کے پھولوں کا میلہ لگتا مرد اس کے نام کی قربانی دیتے۔ چنانچہ فاتحین کا طنز نگار شاعر اور ڈراما نویس ارس طوف آنیز ARISTOPHANES (۴۴۸ سے ۳۸۰ ق۔م) کا یہ مصرعہ پینڈورا کی اصلیت کا غماز ہے۔

"سب سے پہلے پینڈورا کے حضور سفید پشم والا مینڈھا قربان کرو!"

ایک یونانی مصنف فلوس طریطوس PHILOSTRATOS بتاتا ہے کہ کسی شخص کو بیٹی کے جہیز کی ضرورت پڑی تو اس نے پینڈورا کے حضور قربانی دی اور خزانہ مانگا۔ دیوی نے التجاء قبول کی اور اسے ایک باغ میں خزانہ مل گیا۔

---

[1] لارڈ ٹینی سن کی تمثیل THE CUP میں مسٹر کوٹیرل کا طویل دیباچہ ارطمس دیوی کی ہستی پر روشنی ڈالتا ہے۔ مقدس پیالہ جس سے تمثیل کی ہیروئن (قامہ) نے خود زہر آلود شراب پی اور فاتح سالار (سناری قوس) کو پلائی ارطمس کی آتش زدہ خانقاہ سے اٹھایا گیا تھا۔ راقم الحروف نے "دی کپ" کو اردو میں منتقل کیا۔ یہ غالباً ماہنامہ "عالمگیر" لاہور میں ۱۹۴۰ء کے خاص نمبر میں شریکِ اشاعت ہوا اور تقسیم سے پہلے ریڈیو (دتی) سے اختصاراً نشر ہوا۔

پینڈورا کا انجام — نئی تہذیب کے داستان سراؤں اور قصیدہ خانوں نے دیوی کو عجیب و غریب بنادیا۔ شاعر ہیسی اود HESIOD جو پرانی دیومالا کو بدلنے میں پیش پیش رہا۔ پینڈورا کی کایا پلٹنے کا ضامن ہے۔ اس نے اس تحت الارضی دیوی کو اُلمپس پر پہنچایا اور زیوس کی دستکاری کا ادنیٰ نمونہ بنایا۔ اسے پینڈورا کی لوک کہانی اتنی پسند تھی کہ اس نے ''تھیوگ اونی'' THAGONY اور ''کام اور ایام'' دونوں تالیفات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ اسے خوبصورت بلا اور عیاری کا دام کہتا۔ وہ بتاتا ہے کہ آقا کرونس کے بیٹے زیوس کے کہنے پر لنگڑے دیوتا ہیفیس طس نے مٹی کا پیکر بنایا۔ سرمئی آنکھوں والی خاتون دلنواز (اَیتھ اینی) نے بال سنوارے پیٹی باندھی اور مہر و کرم کی دیویوں سے مل کر اسے سنہری چوڑیاں چڑھائیں۔ ساعات THE HOURS نے اس کے دلکش گیسوؤں میں بہار کی کلیوں کے ہار سجائے۔ دیوی نے زیبائش پر زیبائش کی، پھر آرگس [1] کے قاتل ہرمیز نے مکر و فریب اور خوشامدانہ الفاظ سے اس کی چھاتی معمور کی۔ یہی نہیں بلکہ اسے رہزنوں کے آداب سکھائے۔ افرودائتی نے حسن کی دولت دی اور اپالو نے موسیقی سکھائی۔ یوں خدائے برق و رعد کے ایماء پر پینڈورا معرضِ وجود میں آئی۔ اسی نے گویائی بخشی اور نام عطا کیا جس کے معنی ہیں مجموعۂ تحائف۔ ہر دیوتا نے اسے کوئی نہ کوئی تحفہ دیا۔

دیویوں کے ہم شکل اس دلفریب پیکر کو دیکھ کر بادا زیوس تو کیا اُلمپس کا ہر باسی دنگ رہ گیا۔ پھر یہ پہلی عورت زیوس کا ایسا ہتھیار بنی کہ اس کی ضرب سے بچنا آسان نہ رہا۔ پرومی تھیوس نے انسان کو آگ دی اور زیوس نے عورت۔ ایک نے دائمی نعمت دی دوسرے نے دائمی زحمت۔

پینڈورا کی تعمیر میں مضمر تھی اک صورت خرابی کی۔ دراصل زیوس نے پرومی تھیوس کی انسان دوستی سے جل بھن کر انسانوں کو سزا دینے کے لئے پینڈورا کو جنم دیا۔ پینڈورا سراپا حسن نہ تھی۔ اس کا ظاہر جس قدر خوشنما تھا، باطن اسی قدر بدنما۔ فاتحین نے اس کے باطن ہی کو بدلا۔

---

[1] ARGUS چرواہے کے سارے بدن پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ اسی لئے ہیرا دیوی نے زیوس کی ایک آشنا پر اسے نگہبان مقرر کیا۔ ہرمیز نے موقعہ پا کر آرگس کو ٹھکانے لگایا۔ ہیرا نے اس کی آنکھیں نوچ کر مور کی دم پر چسپاں کیں جو آج تک موجود ہیں۔

عہدِ جاہلیت میں وہ نیک باطن تھی۔ عہدِ نو میں بدباطن ہوگئی۔ باد ازیوس کے مردانہ المپس پر اس عظمت مآب دھرتی دیوی کے لئے جگہ نہ تھی جو بیک وقت ماں بھی تھی اور دوشیزہ بھی۔ اگرچہ وہ ابتداء سے تھی تاہم اسے پھر سے پیدا کیا گیا۔ وہ جو فکر کو تحریک دینے والی تھی ورغلانے والی بن گئی۔ جو فانیوں، غیر فانیوں اور ہر شے کی یکساں طور پر جنم دیوی تھی اب ان کا کھلونا بن گئی۔ کنیز ہو کر رہ گئی۔ پیکرِ حسن تھی۔ کنیز کے سے ناز و عشوہ دکھاتی۔ پدری نظام کے اس بورژوا آقا زیوس کے لئے المپس پر پہلی عورت پینڈورا کی پیدائش کا چرچا بہت برے مذاق کی شکل میں ہوا۔[1] اسے دیکھ کر آقائے فلک نے زور کا قہقہہ مارا۔

پینڈورا زمین سے گہرا رشتہ رکھتی۔ اسی لئے اسے زمین پر اتار دیا گیا۔ ویسے پدری نظام نے اس سے برتری اور فضیلت چھین لی۔ مادری نظام نے عورت کو فریب آلود سحریاتی فضیلت بخشی، پدری نظام کی آمد پر ایک ایسی ناگزیر حقیقت سے پالا پڑا جو عورت کی فطری کمتری سے عیاں تھی۔ جب توانا تر جنس یعنی مرد نظریاتی اعتبار سے عورت کی سحری قوت سے بلند تر ہوا، ناتواں تر جنس یعنی عورت کو غلام بنانے اور اسے بہ نظر تحقیر دیکھنے کے لئے ناقابلِ عفو عملی منطق کا عامل ہوا۔

آسمانی ہتھیاروں سے لیس کر کے زیوس نے اس حسینہ کو سادہ لوح اپی می تھیوس کے پاس بھیجا۔ اس کے سیانے بھائی پرومی تھیوس نے اسے خطرے سے آگاہ کیا لیکن اپی می تھیوس سے نہ رہا گیا۔ اس نے زیوس کا تحفہ قبول کر لیا۔ گو پینڈورا دیویوں کی نسبت کم قامت تھی تاہم بے نظیر تھی۔ گھر میں شجرِ ممنوعہ کے طور پر پرومی تھیوس کا ایک پراسرار صندوق پڑا تھا۔ اس میں انسان کے لئے کچھ ایسی چیزیں تھیں۔ جن کی تقسیم کا ابھی وقت نہ آیا تھا۔ پینڈورا نے غلطی سے صندوق کھول دیا۔ طاعونیں، وبائیں اور طرح طرح کی کیریز (آفتیں) باہر نکل آئیں۔ ان میں نقرس، عرق النسا، دردِ قولنج، رشک، حسد، انتقام اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ پینڈورا نے ڈھکن بند کرنے میں عجلت کی لیکن اکارت گئی۔ کیریز رہا ہوئیں اور ایک انمول شے امید صندوق ہی میں رہ گئی۔ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا انسان کیریز کا تختۂ مشق ہے۔ بس ایک امید موہوم ہے جس کے سہارے جی رہا ہے۔

---

[1] PROLEGO صفحہ ۲۸۵

ایک اہم خانقاہ ایسکلی پی اس (معالج دیوتا) کی خانقاہ نہایت معلومات انگیز ثابت ہوئی ہے۔ مس ہیریسن کے بقول زعیم اور خدا یہیں پگھل پگھل کر گھلے ملے اور ایک ہوئے، یہیں سے زیوس ناگ کے نقش ونگار برآمد ہوئے۔ یہیں سے وہ تصویر ملی جس میں زیوس تخت پر نیم دراز ہے۔ پائینتی میں اس کی ماں فیلیا (بمعنی مہربان) بیٹھی ہے، ایک طرف پجاری ادب سے ایستادہ ہیں۔ ماں کی موجودگی مادری نظام کے اثرات مترشح کرتی ہے اور بیٹے کے حضور پجاریوں کی آمد پدری نظام کے غلبے کی وضاحت۔ اس خانقاہی تصویر میں گویا پیلازجیوں اور آکیاؤں کے دین شیر وشکر ہو رہے ہیں۔ نئے اور پرانے نظاموں کے تانے بانے مل رہے ہیں۔ عبوری دور گزر رہا اور نئی دیومالا پر پرزے نکال رہی ہے۔

تصویر سے یہ بھی واضح ہے کہ زیوس ہنوز برق وباراں کا دیوتا نہیں۔ اس میں جنم دیو کے اوصاف ہیں اور فلک کی بجائے زمین سے وابستہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں بکری کا سینگ ہے جو زرخیزی اور فراوانی کی علامت ہے۔ یوں گویا پرانی دیومالا سے سمجھوتے کی صورت پیدا ہوئی۔

مس ہیریسن بتاتی ہیں کہ اسی خانقاہ میں زیوس نے ایسکلی پی اس سے سمجھوتا کیا۔ دونوں خانقاہ پر قبضہ رکھنا چاہتے۔ سمجھوتے کے بعد فریقین نے مقامی اعزازات بانٹ لئے۔ [1]

معلوم ہوا کہ لوگوں نے دو زیوس تراشے۔ ایک فلک کا زیوس جو آقائے برق وباراں تھا اور دوسرا زمین کا جو جنم دیو تھا۔ یہ زمینی زیوس وہ نہ تھا جس نے اپنے مربی پرومی تھیوس سے وحشیانہ سلوک کیا اور انسانوں کو مٹایا بلکہ انسانوں پر مہربان تھا۔ یہ پیلازجیوں کا زیوس تھا جنھوں نے نیم دلی سے نیا نظام قبول کیا اور اس میں اپنے نظام کے اجزاء شامل کئے۔

زیوس نے از راہِ مصلحت اپنی ذات میں لچک پیدا کی۔ وہ اہلِ زمین سے گھلتا ملتا، ان کے یہاں جا کر کھانا کھاتا۔ عورتوں سے اختلاط اور لنگ دیو کے فرائض سے عہدہ برآ ہوتا۔ دھرتی پوجا لنگ دیو کا دین تھا۔ اس نے پیلازجیوں کے دباؤ سے یا تالیفِ قلوب کی خاطر عہدِ جاہلیت کے بے نام دیوی دیوتاؤں کی خاصیت اختیار کی اور ہر رنگ میں جلوہ گر ہونے لگا۔

---

[1] PROLEGO صفحہ ۳۵۶

⌘

دوسرے حصے میں صرف ایک مقالہ بہ عنوان "یونان کا عہدِ جاہلیت اور دیو مالا کا ارتقاء" شریکِ اشاعت ہے۔ اس طویل مقالے کے لئے مجھے کئی سال تک کام کرنا پڑا۔ جدید علمائے بشریات، شاعروں اور تمثیل نگاروں کی تصانیف کا مطالعہ کرتا رہا۔ ریزہ ریزہ حقائق سمیٹتا رہا اور پھر شیرازہ بندی کا آغاز کیا تو اس میں بھی خاصا وقت لگ گیا۔

یہ مقالہ فی نفسہٖ خاص افادیت رکھتا ہے انگریزی ادبیات اور علم البَشَر سے خصوصی شغف رکھنے والے طلباء کے لئے اس میں بہت کچھ ہے۔ اسلام اور جادوگری کے تقابلی مطالعے کے ضمن میں اس کا حوالہ ضروری ہے۔

جاہلیت کے تین عہد میرے پیشِ نظر رہے۔ یونان کا عہدِ جاہلیت، مصر کا عہدِ جاہلیت اور عرب کا عہدِ جاہلیت ـــــــــ مصر کا عہدِ جاہلیت میری تیسری تالیف کا حصہ ہے۔ اس کا ذکر وہیں موزوں ہے۔ عرب کا عہدِ جاہلیت رسولِ اکرم ﷺ کی آمد اور اسلام کے ظہور سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیوستِ زمیں ہو گیا۔ اب کوئی شخص لات و منات اور ہُبل و عزّیٰ کے بھونڈے پتلے گھر میں نہیں رکھتا۔ بچیوں کو زمین میں زندہ نہیں گاڑتا، فال نکلوانے کے لئے کاہن کے پاس دوڑا دوڑا نہیں جاتا۔ بت کے نام پر قربانی نہیں دی جاتی۔ اللہ کے سواء کسی سے مدد مانگی جاتی ہے نہ کسی کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ سجدہ تعظیمی کیوں نہ ہو (اور اگر کوئی کلیتہً یا جزواً اپنی صوابدید سے کفر و شرک کرتا ہے۔ تو اس کا یہ اقدام اسلام سے انحراف کے سواء اور کیا ہے؟)

عرب میں شعروادب، خطابت، فصاحت وبلاغت اور سخن شناسی کے بڑے چرچے تھے لیکن دیومالا کا ویسا پیچیدہ اور وسیع نظام نہیں تھا جیسا مصر، یونان، ہند اور عراق میں پایا جاتا تھا۔ دوسرے ممالک میں جہاں بت گری، تعمیر وتصویر کے فنون اور دیگر علوم (نجوم، ہندسہ، کیمیاء وغیرہ) نے ترقی کی اور اس کے شاندار نمونے آج بھی حیرت خیز ہیں وہاں عرب میں کم ہی ایسا ہوا۔ عاد وثمود کے سالم پتھروں سے گھڑے ہوئے ایوان یقیناً بے مثال ہیں لیکن ان کے دیومالائی گورکھ دھندے کا ذکر اتنا عام نہیں، زیادہ تر عرب کے شرک کا ذکر ہے۔ لوگ اللہ کے ساتھ بتوں کو بھی شریکِ عبادت کرتے تھے۔ بے سری تماثیل اور بھونڈے بت، گھروں اور کعبہ میں رکھتے تھے۔ اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے عرب کے عہدِ جاہلیت سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا، اسے یکسر مسترد کیا اور ۲۳ سال میں اسے نیست ونابود کر دیا۔ اسلام اس قوت اور شدت سے حاوی ہوا کہ عہدِ جاہلیت کے بت اپنے ہی ملبے میں ڈھیر ہو گئے اور کوئی ان کا نام لیوا نہ رہا۔

رہی یونان کے عہدِ جاہلیت کی بات تو اس سے بالصراحت اور بالتفصیل یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کس طرح فاتح قوم کے شاعروں، ساحروں، پروہتوں اور دانشوروں نے مفتوح قوم کے ثقافتی کھنڈروں پر اسی کے گچ گارے سے، سوچ کی اسی ڈگر پر چل کر وہ نیا ایوان تعمیر کیا جس پر وہ نازاں ہوا۔ اس ایوان کا مصالحہ ہی نہیں اس کے اندر چمکنے دمکنے والے نگینے بھی مسروقہ تھے۔ ایک طرف تو فلک پرست آکیاؤں ـــــــ ہومر کی پردیسی فاتح قوم نے علم وفن کے باب میں بھرپور طریقے سے مصر کی خوشہ چینی کی، اسکے دانشوروں اور معلموں سے استفادہ کیا، دوسری طرف مفتوحہ مگر ترقی یافتہ اور امن پسند دراوڑی قوم ـــــــ زمین پرست پیلازجیوں کی ثقافت اور دیومالا کو تہس نہس کر کے اسے مذموم انداز میں اپنی تخلیقات میں سمویا۔ جی کھول کر جھوٹ بولا۔ ہومر نے اس سلسلے میں بڑی فراخدلی سے کِذب وافترا کے دفتر کھولے۔ مقالے میں اسے بالوضاحت بیان کیا گیا ہے ـــــــ یہ حصّہ ادبیات اور بشریات کے طلباء کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے۔

ہومر کا رزمیہ بلاشبہ دنیا کی پہلی بہت بڑی کہانی ہے، اعلیٰ درجے کی مہماتی سرگزشت یا ناول ہے لیکن یہ جھوٹ کا پٹارہ بھی ہے۔

چوری اور سینہ زوری اور کِذب بیانی کے واقعات وڈیرہ شاہی اور پروہت مت

(پریسٹ ہڈ) کے دور میں ہوئے۔ دینِ ساحری کا وجود ہی پروہتوں اور وڈیروں کے دم سے قائم تھا۔ انہی کے گٹھ جوڑ اور انہی کی ذہنی پیداوار تھا۔ پھر اسی سے پروہتی اجارہ داری اور وڈیرہ شاہی کو قیام واستحکام ملا۔ محققین نے اچھی طرح تحقیق وتفتیش کے بعد ڈھول کا پول کھولا ہے۔

خلاف ازیں اسلام کسی گٹھ جوڑ، کسی سمجھوتے یا مصلحت کی پیداوار نہیں۔ اس نے بلکہ ان وڈیروں اور پروہتوں ہی کا خاتمہ کیا جو اجارہ داریاں قائم کئے ہوئے تھے۔ جنہوں نے وڈیرہ شاہی اور پروہتی اجارہ داری کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، رسول اکرم اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، وہ سب ظلم توڑے جو وہ اپنی سوچ کے ذریعے ایجاد کرسکے، ہر طرح سے پروپیگنڈا کرتے رہے، انہوں نے تحریص وترغیب کے سارے حربے بھی آزمائے اور آخر میں رسول اکرم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا لیکن اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو ہر شر سے محفوظ رکھا۔ تبلیغ دین، تکمیلِ دین اور اس مشن کی کامیابی کے لئے پوری مہلت دی جو ابد تک کے لئے انسانوں کی بھلائی، فلاحِ دین ودنیا کے لئے لوحِ محفوظ پر رقم کیا تھا۔

اسلام کسی قدیم مسلک، فلسفے اور حکمت ودانش کے کھنڈروں پر استوار نہیں ہوا، اس کی اپنی اساس تھی۔ محمد عربی ﷺ نے کسی بندے سے کچھ نہیں مانگا۔ آپ ﷺ کی ذہنی تربیت خالقِ اکبر نے کی، وہی معلّم تھا، وہی ہادی تھا اور اسی کی بخشی ہوئی لازوال حکمت ودانش آپ کو ملی۔ آپ ﷺ نکتہ شناس تھے اور بوجوہ حرف شناس نہ تھے۔ اس زمانے میں مکّے کے اندر چند لوگ (کفار) لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن کون اس قابل تھا جو آپ ﷺ کو لکھنا پڑھنا سکھاتا۔ پیغمبرِ اسلام کی فراست لکھنے پڑھنے کی محتاج تھی نہ کسی بشر کی تعلیم وتربیت کی۔ کسی شخص کو شرف معلّمی نہیں دیا جاسکتا تھا کیونکہ اس طرح ــــــــ

ا۔ اور جینیلیٹی مشکوک ہوجاتی۔

ب۔ استاد کی نیت میں فرق آجاتا تو وہ اپنے شاگرد کے تشخص کو مجروح کرنے کے لئے دانستہ کفار کی تخریبی مہم میں شریک ہوسکتا اور بدگمانی پھیلا سکتا تھا۔

لہٰذا اپنے محبوب کی معلّمی کا فرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا۔ نہ اللہ جیسا کوئی معلّم تھا، نہ محمد ﷺ جیسا کوئی متعلّم۔

ایک موقع پر کفار نے الزام لگایا کہ آپ ﷺ جبر مسیحی غلام کی باتیں سن کر اپنے الفاظ میں دہرادیا کرتے ہیں لیکن ایسا کیونکر ممکن تھا۔کون تریسٹھ سال تک کسی کو ایسی باتیں سنا سکتا ہے جو ایسی بے مثال ہوں کہ ـــــــ

ا۔ ان کے ذریعے ایک بندہ تو پیغمبر بن جائے اور باتیں سنانے والا گمنامی کی موت مرے۔

ب۔ جن سے بندہ عملاً سراپا خیر بن جائے۔

ج۔ جو کبھی کبھی غیب کی خبر دینے کی صلاحیت بھی پیدا کردیں۔

د۔ جو بے مثال اور بروقت اپنی حربی فراست سے کثرت وقلت کا صدیوں پرانا مستند اور محکم جنگی فلسفہ ہی بدل دے۔ناقابلِ یقین فتوحات حاصل کرے۔

ہ۔ کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو مٹھی بھر مجاہدوں سے تہس نہس کروا دے......اسلحہ،سامان اور اسباب کی فراوانی ہیچ ہو کر رہ جائے۔

و۔ جو غلام کو آقا کے برابر لانے کا سبب بنیں۔

ر۔ جو پانچ ہزار سالہ پرانا پروہت مت اور وڈیرہ شاہی کا تختہ الٹنے کا موجب قرار دی جاسکیں۔

ز۔ جن کی بدولت کوئی شخص بت پرستی،شراب خوری، جوابازی اور ایسی ہی معاشرتی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے جو لوگوں کے رگ وپے میں سرایت کر چکی تھیں اور ان کی بیخکنی کا امکان نہ تھا۔

ح۔ جو ۲۳ سال کی مدت میں صدیوں کی بگڑی ہوئی قوم کی عادتیں ہی نہیں اس کا مزاج،اس کا خمیر اور اس کے سوچ کی اساس ہی بدل دے۔

مشرکینِ مکہ رسولِ عربی ﷺ کا امیج بگاڑنے اور آپ ﷺ کے مشن کو ناکام بنانے

کے لیئے ہر قسم کی چالیں چلتے رہے۔ جبر میکی کا من گھڑت قصہ بھی ایک چال ہی تھی لیکن دوسری چالوں کی طرح یہ بھی ناکام رہی۔

اس باب میں اللہ کی جانب سے یہ تردیدی آیۂ کریمہ بھی نازل ہوئی۔

"اور ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کو آیات قرآنی کی تعلیم دیتا ہے لیکن جس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔" (ترجمہ)

قرآن کی زبان فصاحت و بلاغت، معنویت اور جامعیت میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ایسی قادر الکلامی اور جلال و جمال کی مثال ناپید تھی۔

دیدہ دلیری دیکھیئے! یہ الزام اس قوم نے لگایا خود جس میں بڑے بڑے ادیب، بلند پایہ شاعر، شعلہ بیان خطیب، غضب کے سخن شناس اور نکتہ ور موجود تھے۔ انہیں چیلنج دیا گیا کہ جرأت ہو تو قرآن جیسی ایک آیت ہی لے آئیں۔

کوئی جبر میکی، کوئی شاعر اور خطیب اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ کفار کا پورا لشکر جو رسولِ عربی ﷺ کے مقابل صف آرا تھا۔ رات دن آپ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا کرتا۔ چار لفظی آیت بھی نہ پیش کر سکا۔ اس سے بڑا دنیا میں کبھی لسانی معجزہ رونما نہیں ہوا۔ کلامِ الٰہی اور حدیثِ رسول ﷺ دونوں علم و ادب کا لازوال سرمایہ تھے۔ ان کا ہر جملہ جمالیاتی اور فنی اعتبار سے اس قدر اعلیٰ ہوتا، اس میں ایسی جامعیت اور معنویت ہوتی، حسنِ بیان اور اسلوب ایسا پختہ ہوتا کہ لوگ کانوں میں روئی ڈال لیتے، مبادا اسے سن لیں، وہ تیر کی طرح دل پر جا لگے اور انہیں اپنے بتوں سے منحرف کر دے۔ ایک سردارِ قبیلہ طفیل دَوسی یونہی کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمت کر کے حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے کلام الٰہی سن ہی لیا تو رہ نہ سکے۔ فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ اس کی ایک آیت، ایک جملہ، دل کی کایا بدل دیتا ہے۔

ابو جہل جیسا دشمنِ اسلام بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے کلمات کی تاثیر اور خوبصورتی کا معترف تھا۔ وہ مسلسل تین رات تک چوری چھپواں آپ ﷺ کے حجرے

کے باہر بیٹھ کر کلامِ پاک کی تلاوت سنتا رہا۔اس کے علاوہ ابوسفیان اور اخنس تینوں ایک دوسرے سے بے خبر الگ الگ بیٹھے تلاوت سنتے رہے۔صبح کو روانہ ہوئے تو تینوں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو گیا۔بہت شرمندہ ہوئے اور پھر ایسی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کر کے اپنے اپنے گھر گئے۔ رات ہوئی تو پھر آپ ﷺ کی آواز نے انہیں بیقرار کیا اور وہ کشاں کشاں، ایک دوسرے کو خبر دیئے بغیر حسب سابق آپ ﷺ کے حجرے کے باہر تلاوت سننے کے لئے بیٹھ گئے۔اگلی صبح بھی وہی کچھ ہوا جو پہلی صبح کو ہوا تھا۔پھر وہی وعدہ کیا لیکن تیسری شب بھی ان سے رہا نہ گیا اور وہ کلام پاک سننے چلے آئے۔یہ اللہ کا کلام تھا جسے ایسی قوم کے افراد میں نازل کیا گیا۔ہر سال باقاعدہ عکاظ کے میلوں پر شعر وسخن اور خطابت کے اکھاڑے جمتے، جو قصائد سبعہ معلقہ سن کر اس درجہ مسحور و محظوظ ہوئے کہ انہوں نے انہیں سنہری حروف میں لکھ کر کعبے پر آویزاں کیا، وہ قرآن کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے حیران و پریشان ہوئے کیونکہ یہ کلام ان کے ہر کلام سے منفرد و مختلف ہی نہیں بلکہ اس پر بے حد و حساب فائق بھی تھا۔ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔سوچ جواب دے گئی۔قریشِ مکہ کے بے بدل شاعروں اور دانشوروں کی بے بسی کا اندازہ کون لگائے؟

یہ اللہ کا کلام تھا جو اس کے خاص الخاص حبیب ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچا۔ اپنے پیارے حبیب ﷺ کو کسی بشر کا شاگرد بنانا تخلیقِ خداوندی کے آئین کی توہین تھی۔خود رسولِ اکرم ﷺ کا اپنا کلام بھی ہر بشر کے کلام سے برتر وافضل تھا۔یہ بالکل نیا کلام تھا اور اس کے ذریعے ابد تک کے لئے ساری دنیا اور پوری مخلوق کو رشد و ہدایت کی روشنی دکھانا مقصود تھا۔

دیومالا کے قصص اور اساطیری ادب کے نمونے بھی موجود ہیں۔ہر قوم، ہر ملک کا ادبی اور مذہبی سرمایہ بھی کم وبیش موجود ہے۔چاہو تو اسے کھنگال لو، دیکھ پرکھ لو اور پھر قرآن کا مطالعہ بھی کر لو۔فرق معلوم ہو جائے گا۔قرآن اِنشراحِ صدر کرے گا، اندھیرے چھٹ جائیں گے اور سیدھی راہ صاف نظر آئے گی۔

بنی نوعِ انسان کی بہتری کے لئے اس سے بہتر کوئی کلام نہیں یہ کل بھی معجزہ تھا، آج بھی معجزہ ہے، آئندہ بھی معجزہ رہے گا۔

اسلام کے فکری اور عملی نظام نے ماضی کے تمام نظاموں، تمام فلسفوں اور حیلوں بہانوں

کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا کیونکہ یہ سب وڈیروں، ان کے حواریوں، پٹواریوں اور پروہتوں نے صرف اور صرف اپنے مفاد کے لئے ایجاد کئے تھے۔ اجارہ داری اور آپس کی سوداکاری کے سواء ان میں کچھ نہ تھا۔ ان میں حکمران طبقے کے بے پایاں حقوق اور ان کی نگہداشت کا وافر سامان موجود تھا۔ عوام کے لئے غلامی، محرومی، گھٹن اور موت کے سواء کیا رکھا تھا؟ مراعات و مفادات اوپر سے شروع ہوتے اور نیچے آتے آتے صفر ہو جاتے۔ مخلوقِ خدا تو خواب میں بھی ان مراعات و مفادات کی خفیف سے خفیف جھلک نہ دیکھ سکتی۔ یہ عوام کے خلاف بدترین سازش تھی جس کے ذریعے ان کا استحصال کیا گیا۔

اسی پروہت مت (اور وڈیرہ شاہی کے گٹھ جوڑ) کا کرشمہ تھا کہ فرعون ربُ الشمس کا بیٹا بن گیا اور کوئی اسکے آگے دم نہ مار سکا۔

اسلام آیا تو رسولِ عربی ﷺ نے وہ بساط الٹ دی جس پر بے دریغ عوام کا خون بہایا جاتا۔ کھوٹے سکّے پاؤں تلے مسل دیئے اور ان کا چلن موقوف کر دیا۔ پروہتوں اور ان کے گھڑے ہوئے لافانی خداؤں کا سر کچل دیا۔ گھڑی کی سوئیاں الٹی گھوم گئیں۔ صدیوں پرانے استحصالی نظام کی کمر ٹوٹ گئی۔ مخلوقِ خدا کے لئے مراعات و مفادات کا سلسلہ نیچے سے اوپر جاتا اور جا کر کچھ نہ بچتا۔ اس طرح مساوات کا معاشی و معاشرتی نظام قائم ہوتا۔ ہر قسم کی غلامی کے بندھن ٹوٹ گئے۔ آدمی کا احترام بحال ہوا۔ گھٹن جاتی رہی۔ مال و دولت کی بجائے سرمایۂ اخلاق وجۂ عزّ و شرف ہوا۔

بوریہ اِساس بنا، پیوندی لباس مستحسن قرار پایا۔ اس کے آگے کمخواب و زربفت کے ملبوسات، قالینوں اور غالیچوں کے فرش، سمور کے بچھونے، سیم و زر کے تاج اور تخت ہیچ ہو کر رہ گئے۔ جنس کی ظاہری چمک دمک اور خوبصورتی کی بجائے اس کی اصل اِفادیت اور باطنی وصف پر زور دیا گیا۔

اسلام کو دینے کے لئے ماضی کی جھولی میں کچھ نہ تھا۔ ماضی کے اَدیان ______ دینِ ساحری اور دیو مالا کے سارے نظریات اور مسلک کچی اور خود ساختہ بنیادوں پر کھڑے تھے۔ یہ بنیادیں ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ نئی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ اسلام نئی قوت و توانائی کا نیا سرچشمہ، ہر تصنّع سے مبّرا نیا جمالیاتی ذوق، نئی انقلاب آفریں سوچ، آسان اور قابلِ عمل فارمولے لے کر آیا تھا۔ اسلام فلسفہ نہیں، ایک مثبت تعمیری پروگرام تھا جو زندگی کے تمام تقاضے بطریقِ احسن پورے کرتا تھا۔

یہ درست ہے کہ ہم نے اسلام کو ترک کر کے مغرب کے تصنع، چمکتے دمکتے جھوٹ اور مہلک تہذیب کے اثرات قبول کیے ہیں تاہم ہماری بداعمالی سے قرآن وسنت کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ ہم بدعملی کا شکار ہیں۔ بہر حال ہماری زندگی کے حوالے سے اسلام کی قدر ومنزلت کا تعین نہیں ہوسکتا۔ اس کا حوالہ تو قرآن اور نبی ﷺ کی سنت ہے جو صِدق وصفا، جسم وجاں کی پاکیزگی اور ہدایت کا لافانی ذریعہ ہے۔

جب بھی ہم نے سچے دل سے قرآن وسنت کو قبول کیا۔ اِن
پر عمل کیا۔ سرفراز وسر بلند ہوئے۔

بوریہ نشینی بڑی چیز ہے۔ بوریہ بہر طور قالین سے بہتر ہے،
بوریہ نشین تاجدار سے افضل ہے۔

اسلام اخلاقی اور روحانی، دینی اور دنیوی فلاح کا ضامن ہے۔ ہر خیر والعمل عبادت ہے۔ اسلام کے ضابطۂ حیات سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ دنیا کے کسی نئے اور پرانے، مروّجہ اور معدوم مسلک و مذہب میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اسلام کے آئین وقوانین، روزمرّہ کے معمولاتِ حیات، اطوار وافعال میں جو سہولتیں ہیں وہ اور کہیں نہیں یہاں کوئی راز نہیں، سیرتؐ نہیں، راستے کھلے ہیں۔ اگر کہیں، کسی معاملے میں رکاوٹ ہے تو وہ مفاد پرست اور بھولے بھٹکے لوگوں نے کھڑی کی ہے۔

اسلام کی اساسی دستاویز ـــــ قرآن سہل اور سادہ ہے۔ اس کی دفعات اور تعلیمات فطرت کے مطابق ہیں۔

اسلام نے دین کو آسان جمہوری قدر بنادیا ہے، اجارہ داری سے پاک ہے۔

دیومالا، دیومالا سے نکلی، بظاہر گھٹیا سے بڑھیا کی طرف قدم اٹھے لیکن یہ سب جھوٹ تھا۔ جھوٹ نے جھوٹ کو جنم دیا۔ یونان کے عہدِ جاہلیت کا جھوٹ زمین سے پاتال تک اور ہومر کے عہد کا جھوٹ پاتال سے آسمان تک گیا۔ یہی فرق تھا پرانی اور نئی دیومالا میں۔ نئی دیومالا کا پیمانہ بھی بڑا تھا اور اس کی سج دھج بھی بڑی تھی۔ تجدید اور ارتقاء کے عمل میں بڑھ چڑھ کر جھوٹ بولا گیا۔

اسلام کسی نوع کے جھوٹ، ایجاد و اختراع اور ترمیم وتجدید کا محتاج نہیں۔ یہ سراسر گھٹیا سے انتہائی تک ایک مستقل دائمی قدر ہے۔ اس کا تعلق قطعاً دینِ ساحری سے نہیں۔ اسلام سے قبل الہامی کتابیں نازل تو ہوئیں لیکن علمائے یہود نے ہیکل میں بیٹھ کر ایک صدی تک چپ چاپ اور مسلسل ان میں تحریف کی، اپنے غلط سلط مگر پسندیدہ افکار ونظریات ان میں شامل کئے۔ خدا پر اپنے نظریے کے مطابق رنگ چڑھایا۔ عُزیر اور عیسیٰ کو اس کا بیٹا بنایا۔ باپ کے کنبے میں بیٹیاں بھی شامل کیں۔ اس تحریف، تنسیخ کے عملِ پیہم سے ماضی کی الہامی کتابوں کی اصلیت اور افادیت جاتی رہی۔ پیغمبروں کا تشخص بھی داغدار ہوا۔ قرآن نے حقیقت بیانی سے کام لیا اور پرانے قِصَص کو صحیح رنگ میں پیش کیا۔ پیغمبروں کی ذات کے بارے میں جو غلط سلط روایتیں گھڑی گئی تھیں ان کی تصحیح کی گئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایک واقعہ یہاں بیان کیا جاتا ہے ______

۵ھ نبوّت کا ذکر ہے۔ مکّے کے مشرکوں نے مسلمانوں کو اتنی اذیتیں دیں کہ حالت ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمان حبشہ چلے جائیں جس سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ چنانچہ مسلمانوں حبشہ چلے گئے۔ کفّار کو علم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کا ان کے شکنجے سے نکل جانے کا خطرہ بھانپ لیا۔ وہ تو یہی چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی گرفت میں رہیں اور وہ ان پر ظلم توڑتے رہیں تا کہ وہ نئے مذہب، (اسلام) سے منہ موڑ لیں، دوبارہ مشرک ہو جائیں۔ اپنی ہٹ پر قائم رہیں تو انہیں ہلاک کر دیا جائے چنانچہ کفّار نے عمرو AMR بن عاص (بزمانۂ کُفر) اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو پیچھے بھیجا تا کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلوائیں اور واپس مکّہ لائیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ نادر تحائف لے گئے جو انہوں نے حبشہ کے فوجی کمانڈروں، پادریوں اور درباریوں میں تقسیم کئے۔ انہیں کہا کہ بادشاہ پر دباؤ ڈال کر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوا دیں کیونکہ یہ قریشِ مکّہ کے باغی ہیں۔ باپ دادا کا صدیوں پرانا مذہب ترک کر کے نیا مذہب لائے ہیں۔ یہ نیا مذہب عیسائیت بھی نہیں۔ یہ باتیں سن کر حبشہ کے بڑوں نے کفار کی منشاء کے مطابق اپنے فرماں روا اَصحم بن ابجر نجاشی تک معاملہ پہنچایا اور اچھی طرح اس کے کان بھرے۔ اسے قریش مکّہ کے بھجوائے ہوئے تحائف بھی پیش کئے جنہیں نجاشی نے قبول کر لیا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ وہ کیا مذہب رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت جعفر طیارؓ نے کہا ______

"اے بادشاہ! ہم وحشی تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بدکاریوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ فطری رشتوں کی بے حرمتی کرتے تھے، مہمانوں سے بری طرح پیش آتے تھے اور طاقتور لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، پھر جب اللہ نے رسول ﷺ بھیجا تو اس نے ہمیں ایک خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کے لئے کہا۔ یہ بھی فرمایا کہ ان پتھروں اور مورتیوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے۔ جرائم اور خونریزی سے باز رہو۔ رسول ﷺ نے ہمیں سچ بولنے، رشتہ داروں کا خیال رکھنے اور مہمانوں کی تواضع کرنے کی تاکید کی۔ بدکاری، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ یہ حکم بھی دیا کہ ہم خدا کی عبادت کریں اور کسی بت کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ صدقہ دینے اور روزہ رکھنے کو بھی کہا۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ ایک خدا کی عبادت کرنے لگے۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم توڑے اور ہم سے کہا کہ خدا کی عبادت ترک کر کے پھر سے بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔ جب انہوں نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا تو ہم آپ کی پناہ میں چلے آئے۔"

اس کے بعد نجاشی کی فرمائش پر حضرت جعفر طیارؓ نے چند آیاتِ قرآنی بھی سنائیں جنہیں سن کر وہ اور اس کے پادری اشکبار ہو گئے۔ پادریوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے صحیفے ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ میں رکھنے کا اعلان کیا اور قریشِ مکّہ کے نمائندوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ کفار دربار سے چلے تو گئے لیکن سخت پریشان ہوئے۔ سوچتے رہے کہ اب کیا تدبیر کریں تاکہ مسلمان حبشہ سے نکالے اور مکّہ واپس لائے جائیں۔ بالآخر عَمرو بن عاص کو ایک بات سوجھی۔ وہ اگلی صبح دربار میں پہنچا اور اس نے نجاشی سے کہا کہ ابنِ مریم کے بارے میں مسلمان خوفناک باتیں کرتے ہیں انہیں طلب کیا جائے۔ مسلمان اسی نئی شرارت پر سخت گھبرائے لیکن انہوں نے کہا، پروا نہیں جو کچھ ہمیں ہمارے ہادی برحق ﷺ نے بتایا

ہے وہی ہم نجاشی کے گوش گزار کریں ۔ چنانچہ جب دربار میں پہنچے اور ان سے ابنِ مریم کے بارے میں اظہارِ خیال کو کہا گیا تو حضرت جعفر طیارؓ نے کہا ــــــــــ

"وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، روح اور کلمۃ اللہ تھے جو رحمتوں والی مریم کے شکم میں اتارے گئے۔"

یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا، "خدا کی قسم! مسیحؑ ابنِ مریم کے بارے تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ اس تنکے سے ذرا کم یا زیادہ نہیں۔"

اس واقعہ سے واضح ہوا کہ ــــــــــ

۱) عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہ تھے (سورۂ اخلاص میں قطعیت سے کہہ دیا گیا ہے کہ اللہ ایک ہے، نہ اسے کسی نے پیدا کیا، نہ وہ کسی کا باپ ہے)

۲) مریم عفیفہ تھیں۔

۳) دیومالا ــــــــــ بت پرستی اور شرک کسی طرح بھی قابلِ قبول نہ تھے۔ اسلام سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

۴) اسلام کی حقانیت نے اَصحم بن ابجز نجاشی کو متاثر کیا (نجاشی معترف تھا کہ محمد عربی ﷺ وہی رسول ہیں جن کے نُزول کی بشارت یسوع مسیحؑ نے دی ہے)

الغرض اسلام کا اپنا مزاج ہے جو مکہ میں بدلا نہ حبشہ میں۔ یہ مانگے تانگے کی چیز نہیں۔ کسی فرسودہ، گھسے پٹے، برے بھلے دین کی کوکھ سے برآمد نہیں کیا گیا۔ یہ قائم بالذّات ہے۔ اللہ کی طرف سے نازل ہوا، اسی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اب یہ قرآن کے اوارق میں محفوظ ہے۔ اس کا ہر حکم قابلِ عمل ہے۔ اس کی اِفادیت روزمرّہ کی زندگی میں جانچی اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھی جاسکتی ہے۔ یہ اِفادیت ہر شخص، ہر حال، ہر دور اور ہر خطۂ ارض کے لئے ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا، ہر نوع کے معاشرتی ــــــــــ معاشی، اخلاقی اور روحانی مسائل منطقی انداز سے حل کرتا ہے۔ اس سے بہتر حل موجود تھا، نہ موجود ہے، یہ بہترین ضابطہ ہے۔

قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی زندگی بعینہٖ اس کا نقشِ جمیل تھی۔ آپ ﷺ زندہ قرآن تھے اور ہیں۔

خلاف ازیں دینِ ساحری لے دے کے ایک شعری صداقت ہے۔ شاعروں نے اپنی تخلیقی اُپج کو حقیقت سے ماوراء رکھا۔ حقیقت سے دور رہ کر عجیب وغریب افسانے تراشے اور اسے اپنی ذات تک محدود کرلیا اور اپنی ضرورت کی چیز بنالیا، یہی کچھ ان سے بن پڑا۔ انہیں مخلوقِ خدا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مخلوقِ خدا تو کیا انہوں نے اپنے خداؤں کو بھی تگنی کا ناچ نچایا اور انہیں تابع فرمان کیا کیونکہ یہ تو ان کی اپنی شعری تخلیق تھے اور انہیں لکڑی اور پتھر میں ڈھالا یا کاغذ پر اتارا۔ ان کی مُورتیاں اور مُورتیں (تماثیل) ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ کا کرتب تھیں۔ دیوی دیوتاؤں کے قِصص دلآویز اور دلچسپ تو ہیں لیکن آدمی کے مسائل اتنے گھمبیر اور مشکل ہوتے ہیں کہ یہ قِصص ان کا حل پیش نہیں کرتے۔ پھر ایسے قصے بھی ہیں جو آدمی کے اپنے ہی اطوار، محاسن ومصائب کو دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ عورتوں سے ناجائز تعلقات، عورتوں کا اغواء، اِزدواجی تعلقات میں میاں بیوی کی بے وفائی، معرکہ آرئی، مہم جوئی اور دیگر اعمال وافعال جو آدمی کی زندگی سے تعلق رکھتے وہی دیوی دیوتاؤں کے معمول بھی تھے۔

اسلام کا دامن ان خرافات سے پاک ہے۔

کافرو مشرک نضر بن حارث جو ماضی کی حکایتیں اور داستانیں بیان کیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ کے اذکار و مواعِظ کو بھی ان حکایتوں اور داستانوں کے مترادف قرار دیتا تھا چنانچہ وہ بھی رؤسائے کفار کی طرح ذلیل وخوار ہوا اور غزوہ بدر میں قیدی بنایا گیا۔ آپ ﷺ کے ارشاد پر واصلِ جہنم کیا گیا۔

آپ ﷺ نے ابتداء ہی میں بت پرستی اور شرک کو رد گیا۔ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیروکاروں نے اس اقدام پر بڑے بڑے مظالم سہے۔ حضرت بلالِ حبشیؓ کا بدبخت مالک اُمیہ بن خلف ایذارسانی میں انتہا کردیتا۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا اور تپتا ہوا پتھر سینے پر رکھ دیتا۔ مشکیں باندھ کر لکڑی سے پیٹتا، دھوپ میں بٹھاتا۔ حضرت بلال حبشیؓ ہر حالت میں احد، احد پکارتے، کسی دیوی دیوتا کا نام زبان پر نہ لاتے۔

بتوں کو برا کہنے اور انہیں پوجنے کی بجائے اللہ کی عبادت کرنے والوں کو ایسی ایسی اذیتیں دی جاتیں کہ ان کا حال سن کر دل لرز جاتا ہے لیکن اللہ کے نام میں کچھ ایسی کشش تھی کہ مسلمان اس سے منحرف نہ ہوتے۔

اسلام کسی پہلو، کسی طور دینِ ساحری اور اس کی دیو مالا سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو اس کا قلع قمع کرنے اور اس پر آخری فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے نازل ہوا تھا۔

کوئی مسلک اسلام کا متبادل اور اس کے مساوی نہیں۔ اسلام کا متبادل اسلام ہے۔

کم وبیش پانچ سات ہزار سال تک دینِ ساحری کو کھلی چھٹی ملی۔ اس دوران میں یہ خوب پھلا پھولا، اس نے خوب پر پُرزے نکالے، خوب قلابازیاں کھائیں۔ پروہتوں اور وڈیروں نے مل کر اس کی آڑ میں اپنی ہر امنگ، ہر خواہش، ہر حرص پوری کی۔ کوئی ارمان تشنۂ تکمیل نہ چھوڑا۔ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب کوئی حسرت نہ رہی، فُتوحات بے انت ہو گئیں تو اللہ کی لاٹھی برسی اور اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اسلام کی ضرب نے اسے ہلاک کر دیا۔

ساحری کے طویل دور میں ہر قوم نے اپنے ملک کے جغرافیائی، معاشرتی اور معاشی حالت کے مطابق دیو مالائیں وضع کیں۔ اگر کوئی قوم اپنی دیو مالا وضع نہ کر سکی تو اس نے حسبِ ضرورت کسی دوسرے دیس سے برآمد کر لی اور اسے بِجنِسِہٖ یا ترمیم وتجدید کے بعد اپنا لیا۔

دیو مالا کی تخلیق کچھ یوں ہوئی۔ آدمی نے شعور کی آنکھ کھولی تو اس نے گرد وپیش کا جائزہ لیا۔ جنگل، درندے، پرندے، حیوانات، زمین، ہوا، آندھی، بارش، دریا، سمندر، پہاڑ، آسمان، سورج، ستارے، سیارے سبھی کو دیکھا۔ سبھی پر سوالیہ نشان ثبت تھا۔ خود اس کی ذات بہت بڑا سوالیہ نشان تھی۔ وہ اس سوالیہ نشان سے پریشان ہوا۔ اس نے سوچا، میں کون ہوں؟ یہ دنیا کیا ہے؟ مجھے اور اسے بنانے والا کون ہے؟

وہ زمین سے پیڑ پودے نکلتے دیکھتا۔ آسمان پر چاند سورج طلوع ہوتے دیکھتا۔ اسے قوت اور پراسرار طاقت (مانا) کے بے شمار سرچشمے نظر آئے۔ بعض سرچشمے اس کی عقل سے اوجھل رہے۔ بہرحال وہ کھوج میں لگ گیا۔ اسے خدا کی تلاش تھی۔ خدا کی تلاش میں نکلا تو اسے کتنے ہی خدا مل گئے۔ جوں جوں سوچتا، اس کی تخلیقی اُپج حرکت میں آتی وہ خداؤں کی گنتی بڑھاتا چلا گیا۔ اس طرح اس کی قوت اور اس کے اثر ورسوخ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

اَصنام کی تعداد ان گنت ہو گئی۔ کیسے کیسے خدا بنائے اور گھڑے گئے!

جوں جوں پروہتوں اور وڈیروں کی ہوا وہوس بڑھی توں توں ترمیم واضافہ ہوا۔ پھر

بنی نوع آدمی کو وہ دن بھی دیکھنا پڑا جب آدمی خدا کا بیٹا بنا، اوتار بنا، آخر وہ آپ ہی خدا بن گیا۔

پروہت نے ایک کو خدا بنایا، باقی مخلوق کمین ہو کر رہ گئی۔ ایک آدمی محترم ہوا، باقی ذلیل وخوار ہوئے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا ذلّت وضلالت ہوگی؟

تاریخی اعتبار سے دیو مالا کے اِرتقاء کی داستان آدمی کی تخلیقی اُپج شرارت اور فریب دہی کا نہایت ہی دلچسپ کارنامہ ہے۔ اس کے مطالعے سے فکر اور تصور کی کڑیاں ملتی ہیں۔ تخلیقی عمل کے انداز اور تیور ملتے ہیں۔ جس زاویے سے بھی تخلیقِ جمال ہوئی اور شاعرانہ کمال کے نمونے سامنے آئے۔ ان کے اثرات دوررس ثابت ہوئے۔ آج بھی کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کونے کھدرے میں اس کے دلآویز ریزے ادبیات میں جڑے ملیں گے۔ تخلیقی اُپج نے جھوٹ کو دلپذیر بنا دیا، اسے خوبصورتی دی۔

دینِ ساحری کے عہدِ عُروج میں ڈھول پر جو تال بندھی، جو نغمہ نے بلند ہوا، دیوداسی کے رقصِ مستی نے جو زاویے اور خط قلب ونظر پر کھینچے، شاعری کے جو بول کانوں میں رس گھول گئے، وہ اب بھی اثر رکھتے ہیں ـــــــ مصوّری، نقاشی، کتابت، فنِ تعمیر اور دیگر علوم وفنون کے شعبوں میں جو با کمال لوگ پیدا ہوئے ان کے شاہکار آج بھی حیرت خیز ہیں۔ فرعون خُوفُوع کا عظیم الشّان مقبرہ GREAT PYRAMID دیکھ کر آج بھی لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ جادو مر چکا ہے لیکن علم وفن کے میدان میں اس کے کمالات زندہ ہیں۔ رزمیات، تعمیرات، تصاویر، نقوش سب کچھ سیکولر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہومر نے جھوٹ بولا پھر بھی اس کا شعر پُر لطف ہے۔ ایسکی لس، سوفو کلیز اور یُوری پیڈیز کے ڈرامے قابلِ قدر ہیں۔ ادب کے ارتقاء میں یونان کے ڈرامے اور تھیٹر کا بڑا مقام ہے۔ دیوتا مر گئے لیکن یونانی تمثیل نگاروں کے سہ تمثیلے TRILOGIES زندہ ہیں۔

الغرض دیو مالا نے دیو مالا کو، ریت نے ریت کو اور سحری فکر نے سحر فکری کو جنم تو دیا لیکن یہ سب عارضی تماشا تھا۔ زیوس، ہیرا، ہی فیسطس، اپالو، افرودائتی اور ساری لازوال ہستیاں تمت بالخیر ہوئیں، ان کی حکایتیں ادب کا کلاسیکی سرمایہ ہو کر رہ گئیں۔ دینی حیثیت سے رخصت ہوئی۔

پچھلے پانچ ہزار برس میں اِلہامات کی سرزمین میں جو پیغمبر نازل ہوئے، وہ کم وبیش اتنا کچھ ہی کر سکے جتنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے بت پرستی کی بیخ کنی کے لئے بڑا کام کیا ______ دینِ ساحری کی سب سے بڑی عبادت، انسانی قربانی مَوقُوف کی۔ آپ انبیاء ورُسُل کے قبیلے میں خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ نے نسلِ آدم پر بڑا احسان کیا لیکن پھر جادوگروں کا دوردورہ ہوا اور انسانی قربانی رائج ہوگئی ______

''حجاز کے وحشی عربوں کے یہاں دیوتا کی کوئی مُورت نہ تھی صرف اَن گھڑ پتھروں کی ایک قربان گاہ ہوا کرتی تھی۔ جس پر وہ ستارۂ صبح (زُہرہ) کے لئے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ قربانی طلوعِ آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیشِ نظر رہے۔ وہ مقامِ متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے۔ تب سردارِ قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اس کا کچھ خون پیتا۔ بعدازاں حاضرین کود پڑتے اور اس جانور کو کچا اور صرف نیم پوست کندہ طلوعِ آفتاب سے پہلے کھا جاتے۔''[1]

حضرت ابراہیمؑ کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے کعبہ بنایا۔

پُورِ آدم کعبہ را تعمیر کرد
از نگاہے خاک را اِکسیر کرد

لوگوں نے اسے بھی مندر بنادیا اور وہاں بت رکھ دیے اور پھر اللہ نے کعبے کو جادوگروں، پروہتوں، کاہنوں اور وڈیروں کی گرفت سے نکال کر اپنے محبوب، محمد مصطفےٰ ﷺ کی تحویل میں دے دیا۔ آپ ﷺ کے ذمے دین کی تکمیل کا کام کیا۔ یہ کام قبل ازیں نہ ہوا۔ اب ہر نوع کے اَدیان، مذہبی نظریات اور خیالات دنیا میں پھیل چکے تھے۔ پروہت مَت اور وڈیرہ شاہی نے ترقی کی تمام منزلیں طے کرلی تھیں۔ ہر نوع کے معاشرے اور معاشرتی نظام رواج پا چکے تھے۔ آدمی کے شعُور اور نظر نے سارے تماشے دیکھ لئے تھے۔ فریب اور جعلسازی کے سارے

---

[1] (مذہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا بحوالہ سیرتِ محمد عربی ﷺ از توکلی، الکتاب لاہور ۱۹۷۹ء)

نمونے پیش ہو چکے تھے۔اب وقت کی SENSIBLITIES کے تقاضے کچھ اور تھے۔انہی حالات میں اسلامی انقلاب آیا۔نصرانی اور یہودی نئے پیغمبر کا انتظار کر رہے تھے۔اس بات کے خواہاں تھے کہ نیا پیغمبر آئے اور وہ برسرِ اقتدار آئیں۔نیا پیغمبر آیا اور اس نے مندر، معبد، کلیسا اور ہیکل کو للکارا۔اجارہ داروں اور ٹھیکیداروں کی کمر پر لاٹھی ماری۔قبائلی نظام، وڈیرہ شاہی اور غلامی کی لعنتوں سے نسلِ آدم کو نجات دلانے کا تہیہ کیا۔یہ انقلاب تھا اور ایسا انقلاب کسی کو قبول نہ تھا۔

محمد مصطفےٰ ﷺ نے نظامِ ہستی ہی بدل ڈالا۔ایسا نظام دیا جو ہر زمانے، ہر ملک اور ہر ایک کے لئے مثالی تھا۔یہی آخری دین تھا اور اللہ نے اسی کو مکمل صورت میں نازل فرمایا۔انقلاب کیا تھا، اک سیل تھا۔سامنے بڑے بڑے قلعے، مقبرے تھے۔پانچ ہزار سال کا ملبہ تھا۔سب کچھ بہہ گیا۔دیومالا ٹوٹ پھوٹ گئی۔

۱۰ھ کو حج کے موقع پر آپ ﷺ ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ کو لے کر میدانِ عرفات میں اترے۔پاکبازوں کے اس مجمع میں کالے گورے، چھوٹے بڑے، امیر غریب، شہری دیہاتی، پڑھے لکھے اور ان پڑھ سبھی موجود تھے۔یہ ایک لاثانی، تاریخی مجمع تھا اور اس سے پہلے کبھی کہیں نہ دیکھا گیا تھا۔آپ ﷺ نے سب کے درمیان اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس خطبے میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ادا کئے ہوئے ارشادات کو جو صحابی لوگوں تک پہنچانے کی غرض سے دہراتے وہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن اور حضرت بلال حبشیؓ کے درندہ صفت آقا اُمیہؓ بن خلف کے پسر ربیعہؓ تھے۔اس طرح حاضرین میں سے ہر ایک نے یہ خطبہ سنا اور گواہی دی کہ آپ ﷺ کے ارشادات ان تک پہنچ گئے ہیں۔

اس بے مثال خطبے سے آج بھی مخلوقِ خدا رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے ـــــــ

۱) لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔(یعنی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا خون نہیں بہائے گا، اس کا مال نہیں کھائے گا اور اس کی عزت برباد نہیں کرے گا)

۲) لوگو! جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔

(بدعات، توہمات، رسومات، کفروشرک، غرور تکبر، اونچ نیچ وغیرہ)۔

۳) جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔

۴) جاہلیت کے زمانے کا سُود ملیامیٹ کرتا ہوں۔

۵) لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق۔ تمہاری عورتیں کسی غیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دیں۔ بے حیائی سے کنارہ کشی کریں۔

۶) عورتوں سے بھلائی سے پیش آؤ!

۷) میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب اور اپنی سنت چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما چکے تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے ــــــ

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دینِ اسلام پسند کیا۔"

اس کے بعد مسلمان دنیا بھر میں پھیل گئے اور انہوں نے کرّہ ارض کے گوشے گوشے میں علم وعرفان اور نورِ ایمان کے چراغ روشن کئے۔ پھر انہوں نے بارہ سو سال تک سپر پاور بن کر مخلوق کی قیادت کی۔

●

حرفِ آخر

⌘

ہومر، ہی سیوڈ اور مابعد کے شاعروں اور ڈرامہ نگاروں نے رزمیوں، حمدیہ گیتوں اور ڈراموں میں جو دیومالا پیش کی وہ پرانی دیومالا سے کہیں زیادہ مربوط، منظم اور دلآویز تھی۔ پرانی دیومالا لوک گیتوں اور کہانیوں کی شکل میں منتشر تھی، مستند دستاویز کی صورت میں نہ پائی جاتی۔ ان میں ترمیم و اضافہ کی بڑی گنجائش تھی۔ آکیاؤں نے بکھرے ہوئے مواد کو سمیٹا، نئے افکار و نظریات کی روشنی میں اسے یکجا کیا اور اپنی دیومالا میں سمویا۔ نئی دیومالا آن واحد میں مرتب نہیں ہوئی۔ زیوس اور اس کا ذی وقار کنبہ ایک دم متبرک المپس پر نہیں پہنچا بلکہ عہدِ جاہلیت کے دمنِ سحر و طلسم، عبادات اور معتقدات سے متصادم ہوا۔ ایک طویل دورِ کشمکش گزرا۔ گو دیسیوں پر نزاعی کیفیت طاری ہوئی لیکن پردیسیوں کا مسلک بآسانی رواج پذیر نہ ہوا۔ زمین پرستی کے اثرات بے پایاں تھے۔ زیوس کو ناگ بننا اور زمین سے رشتہ جوڑنا پڑا۔ زیوس دھرتی مت مٹانے آیا لیکن یہ سخت ہڈی بن کر گلے میں اٹک گیا۔ کتنی ہی پرانی ریتیں قبول کرنی پڑیں۔

دینی ارتقائی عمل کی تحریک بڑے دلچسپ انداز سے چلی۔ آکیاؤں نے زمین کے ناقابلِ تسخیر خداؤں کو آسمان پر پہنچایا۔ کم قوی خداؤں کو رسوا کیا۔ انہیں بدروح، بھوت پریت، راکھشس اور ملیچھ بنا دیا۔ جنگ اور پیار کی طرح اس تحریک میں جائز اور ناجائز سبھی کچھ ہوا۔ آکیاؤں نے موقع و محل دیکھ کر کہیں تالیفِ قلوب کی، کہیں سمجھوتہ کیا۔ کہیں معاندانہ اور کہیں مصالحانہ رویہ برتا۔ انہوں نے اچھے برے سارے حربے برتے۔ جہاں اپنی کور دبتی دیکھی وہاں

اعتدال کی راہ اختیار کی اور جہاں دیسیوں کو کمزور پایا وہاں شیر ہو گئے۔

مفتوحہ تہذیب زیوس کے عہدِ اقتدار میں بھی کامل طور پر نیست ونابود نہ ہوئی۔ وقتاً فوقتاً اس کی گونج اٹھتی اور پرانی ریتوں کے احیاء کی سعی ہوتی رہی۔ شاعر اپی می نیدیز کی جرأت خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے جو پرانے دین کا پرستار تھا۔ زمین پرستی کو فلکی دین پر ترجیح دیتا۔ اس نے جل پریوں کی خانقاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ نئی تہذیب کے امینوں کے لئے اس کی یہ حرکت نا قابلِ برداشت تھی۔ چنانچہ خانقاہ کی تعمیر کے دوران میں آسمان سے ندا آئی۔ "اپی می نیدیز جل پریوں کے لئے نہیں زیوس کیلئے خانقاہ بنا!" لیکن اپی می نیدیز کب ماننے والا تھا، اپنی سی کر کے رہا۔ خانقاہ بن گئی۔ پھر کریت سے تطہیر کی جو رسوم لایا اس نے انہیں رواج دیا۔ ان میں زیوس پرستی کے اثرات نہ تھے۔[1]

فاتحین جو دیو مالا لے کر آئے اس کی از سرِ نو تشکیل ہوئی۔ اس کی تکمیل میں پرانے نظریے اور پرانی روایتیں کام آئیں۔ پیلازجیوں کی ریتیں رسمیں کہ سحریاتی عبادات تھیں، بنیادی طور پر جوں کی توں رہیں البتہ ان میں مزید حسن پیدا کیا گیا۔ قربانی کی ریت، کھیلوں اور عزائی تمثیلوں کو بے پناہ فروغ ملا۔ شاعری، رقص، موسیقی، ڈرامہ، تھیٹر، فنِ تعمیر، کوزہ گری اور سنگتراشی نے حیرت خیز ترقی کی۔ آکیائی فن کار بے پایاں صلاحیتیں رکھتے۔ انہوں نے ڈراما، تھیٹر، رزمیہ، کوزوں، عمارتوں اور بتوں کی شکل میں لافانی ثقافتی دولت عطا کی۔ کم وبیش اڑھائی تین ہزار سال سے دنیا قدیم انمول خزائن سے متمتع ہو رہی ہے۔ اگر ثقافتی فتوح کا یہ پہلو عیاں نہ ہوتا تو آکیاؤں کی شعوری برتری، نئی دیو مالا کے ارتقاء اور امتیاز کا پتہ نہ چلتا۔ انہی فتوح کے باعث ان زیادتیوں پر پردے پڑ گئے جو آکیاؤں نے پیلازجیوں پر روا رکھے۔ نیز پرانی دیو مالا کا جو تیاپانچہ کیا گیا اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا۔

اگر آکیائی محض منفی قول وعمل رکھتے تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہ کرتی۔ اپنے مثبت رویے کی وجہ سے وہ سرخرو ہوئے۔ ان کا دماغ آسمان پر تھا۔ خیالوں کے ساتھ ان کے حوصلے بھی

---

[1] PROLEGO صفحہ ۳۱۸

بلند تھے۔ گو دھرتی ان کے تصرف میں تھی لیکن وہ محض زرعی معیشت سے جکڑے بندھے رہنا اور نرے دہقان بننا پسند نہ کرتے۔ مہم جُو تھے، سپاہی تھے۔ ان کے رقاص، موسیقار، شاعر، سنگتراش اور نقاش بھی تیغ زن ہوتے۔ وہ یونان میں آئے لیکن یہیں محصور نہ رہنا چاہتے۔ ان کے ولولے انہیں چین نہ لینے دیتے، ہر دم بڑھنے پھیلنے کے لئے بیکل رہتے۔ ان کی آرزو تھی کہ بیرونِ ملک نئی نئی شاہراہیں کھلیں اور بالآخر ساری دنیا ان کی شارعِ عام بن جائے۔

وہ ارضی خداؤں سے کم آمیز رہے بلکہ انہوں نے بڑی حد تک ان سے قطعِ تعلق کیا۔ وہ نگاہ بلند رکھتے، اپنے خداؤں کو عزائم کے شانوں پر بٹھا کر فلک پر لے گئے۔ ان کے ڈراما نگار اس حد تک محتاط تھے کہ خداؤں کے کردار کو باقی کرداروں سے الگ رکھتے۔ خدا کبھی دائرہ رقص (آرکیسٹرا) میں وارد نہ ہوتے جہاں باقی کردار پارٹ ادا کرتے۔ وہ تو صرف ساز و سامان والی عمارت (سین) کی چھت پر نمودار ہوتے۔

عہدِ جاہلیت کی عورت کو دھرتی کا رُوپ سمجھا جاتا۔ وہ بعض ایسی فطری کمزوریاں لے کر پیدا ہوئی کہ سدا مرد پر غلبہ نہ پا سکتی۔ اگر آکیائی ماں کا درجہ نہ گھٹاتے اور پدری نظام کو رواج نہ دیتے تو دنیا کو زیر و زبر کرنے کا خواب بھی نہ دیکھتے۔ یونان کی سرزمین میں قدم نہ دھرتے اور اِلیون (طروئے) کا رخ نہ کرتے۔ پدری نظام ذہنی اپج نہ تھا۔ اس میں وقت کے تقاضے اور ایک مہم جُو قوم کے ولولے کارفرما تھے۔ پدری نظام کا زعیم رب الشمس کا سپوت ہوتا۔ ربِّ برق و برشگال (زیوس) نے بھی زعیم پیدا کیے۔

آکیاؤں کو عہدِ جاہلیت کا مہیب و سنگین دین کم ہی قبول تھا۔ انہوں نے اس میں ترمیم و اضافہ کیا اور اپنی پسند کی چیزیں شامل کیں۔ وہ کھلنڈرے تھے۔ انہیں تو ایسی عبادات (ریتیں) موافق تھیں جو ہلکی پھلکی ہوتیں، ذہنی اور بدنی دونوں لحاظ سے آسودگی اور توانائی بخشتیں۔ کھیل کے میدان، جمنیزیموں (کسرت گاہیں) اور تھیئٹر ان کے معبد تھے۔ انہوں نے تفریحی عبادات کو اس قدر عام کیا اور فروغ دیا کہ قبل ازیں یونان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ان کا جمالیاتی ذوق اپنے پیشروؤں سے کہیں زیادہ تھا۔ ان کے حسنِ ترتیب سے

دیومالا نکھر سنور کر نہایت خوبصورت اکائی بن گئی۔ وہی دیوی دیوتا جو عجیب وغریب صورتیں رکھتے۔ جن میں کوئی سانپ تھا اور کوئی پرندہ، انسان نما ہو گئے۔ آکیاؤں نے حسن کی جانچ کے پرانے پیمانے توڑے اور نئے وضع کئے۔ نئی قدریں ابھریں۔ نیا دین ایک نیا جمالیاتی انقلاب لایا۔ رعنائی اور خوبروئی کا سَیل آیا۔

بے نام خداؤں کا دور تمام ہوا۔ دودونا کے کاہن نے ازراہ مصلحت دارالکہانت کو نئے دین کے لئے ہموار اور زیوس کو برسرِ اقتدار کیا۔ ادھر عہدِ نو کے شاعروں، نقاشوں، سنگتراشوں، کوزہ گروں، معماروں، مورخوں اور خطیبوں نے جمالیاتی انقلاب برپا کیا۔ انہوں نے معاشرے کے رگ وپے میں نئی حرارت دوڑائی۔ اپنے شعور کی چمک دمک سے پرانے چہرے صَیقل کئے اور نئی مورتیاں تراشیں۔ انہوں نے اپنی شبیہ اور اپنے خط وخال پر نئی دیومالا تراشی۔ اس میں پرانی تہذیب کا خام مال بھی کھپا اور نیا مواد بھی کام آیا۔ نئی دیومالا خوبصورتی کا بے مثل نمونہ بن گئی۔ یہ ایک دلآویز غزل تھی، دلنشیں گیت تھی، دلکش تمثیل تھی۔

نئے دین کی تخلیق کے ساتھ ساتھ فن کاروں کی ایک کھیپ پیدا ہوئی۔ حسن وجمال کی ایک نئی دنیا بیدار ہوئی۔ یونانی عظمت اور بانکپن کے دلدادہ تھے۔ ان کے یہاں تو حسن وشباب کا ایک شعبہ تھا جو ربُّ الشمس کے سپرد تھا۔

حسن وجمال کے ارتقاء کا یہ عمل بیک جنبشِ ابرو نہیں ہوا۔ یہ ایک طویل اور مسلسل تہذیبی عمل تھا اور خاصا سست، ہولے ہولے چہرے صَیقل ہوئے، حنا رنگ لائی اور اُلمپَس کے ایوان جگمگائے۔

پرانے سے نئے نظام کی سمت اِرتقائی سفر کرتے وقت جبلّی تغیّر کا حادثہ نہیں ہوا۔ جبلّت کب بدلی ہے؟ سحریات وسفلیات، توہمات اور مذہب کے اثرات بجا لیکن انسان کا جبلی رویہ اور ردِعمل ہر دور میں یکساں رہا۔ ایک طور سے آدمی سدا اپنی جبلّت کا غلام رہا اور رہے گا۔ ازل سے آدمی کی یہ اٹل تقدیر رہی کہ اس نے جملہ حفاظتی اسباب اور مدافعتی تدابیر کے باوجود خود کو بے پایاں قوتوں کے سامنے بے دست وپا پایا، زندگی کبھی رنج والم سے بے نیاز نہ ہوئی۔ حادثاتِ زمانہ پر کبھی اختیار نہ ہوا۔ خوف اور توہم نے کبھی پیچھا نہ چھوڑا، تعصّب کی چنگاری کبھی نہ بجھی،

ناکامی، نامرادی، مایوسی اور بے بسی کی وارداتوں سے سابقہ پڑتا ہی رہا۔ بیماری، آزادی، ضعیفی اور موت آدمی کو ڈستی ہی رہی۔ چنانچہ جب پَیلا زجیوں کے بعد آکیائی آئے تو ایک زبردست انقلاب ضرور آیا۔ ماحول بدلا، معاشرہ بدلا، تقاضے بدلے لیکن آدمی کی کمزوریوں اور جبلت میں فرق نہ آیا۔ قدرت کی برتری بدستور قائم رہی۔ آکیاؤں کے خدا پَیلا زجیوں کے خداؤں سے قوی تر نہ تھے لیکن وہ حسین تر تھے، نامور تھے، فلکی تھے، نئے نظریوں اور تقاضوں کی پیداوار تھے، نئے معاشرے کے لئے موزوں تھے۔ پَیلا زجی بھی اپنے خداؤں سے اتنی ہی عقیدت رکھتے جتنی عقیدت آکیائی اپنے خداؤں سے رکھتے۔ انہیں اتنا ہی بڑا جانتے جتنا بڑا آکیائی اپنے خداؤں کو جانتے، ان سے اتنا ہی کام لیتے جتنا کام آکیائی اپنے خداؤں سے لیتے۔ پھر بھی ہمارے نزدیک دیومالا کا ارتقاء ہوا کیونکہ حسن وصداقت کے نئے پہلو سامنے آئے۔ فکر ونظر کا کینوس بڑھا اور فریبِ تصور میں مزید جاذبیت پیدا ہوئی۔

دینی ارتقاء کی تحریک میں پرانوں کا تعصب سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ زمینیں پامال کرنا، گچ گارے کے ایوان گرانا۔ سنگ وخشت کے بت اور معبد ڈھانا سہل ہے لیکن دلوں کو مسخر اور روز وشب کو بہ اندازِ دگر معطر ومنور کرنا، خیالوں میں تعمیر کئے ہوئے ایوانوں، بتوں اور معبدوں کو ڈھانا سخت دشوار ہوتا ہے کیونکہ انہیں آبائی تعصبات سہارا دیتے ہیں۔ یہ تعصبات پَیلا زجیوں کے خون میں شامل تھے۔ عہدِ جاہلیت کے قبائل آہنی زنجیروں سے زیادہ نسلی ریتوں اور رواتیوں کی گرفت میں تھے۔ تعصبات نے انہیں سخت جان بنا دیا تاہم آکیائی خالی ہاتھ نہ تھے۔ پَیلا زجیوں کو قدیم دینی سرمائے سے محروم کر کے وہ انہیں خلاء میں نہ پھینکنا چاہتے۔ انہوں نے اپنی دکان بہ طرزِ نو آراستہ پیراستہ کی تھی۔ وہ قدماء کو ایک دلفریب تر دیومالا اور حسین تر اسلوبِ زندگی دینا چاہتے تھے۔

نئی دیومالا جسے نئے شاعروں، کاہنوں اور پیغمبروں نے ترتیب دیا فلک سے تعلق رکھتی۔ زمین سے اس کا تعلق سرسری تھا۔ زمین کے خدا بھی فلکی قیام گاہ میں رہتے۔ اس دیومالا کا سربراہ ربِّ برق ورعد (زیوس) تھا۔ دھرتی دیوی ہیرا اس کی بیوی تھی۔ رب الشمس اپالو اور رب البحر پوسائیدون اس کے بھائی تھے۔ ایتھ اینی اس کی بیٹی تھی، ہی فیس طس بیٹا تھا۔ یہی خدائی کنبہ

کارسازِ حیات تھا۔ کائنات اسی کے تصرف میں تھی۔ اس دیو مالا کے پجاریوں نے دنیا کو خیال کا نیا سلسلہ دیا۔ نئی ثقافتی قدریں اور روایتیں دیں۔ اسی کے بعد یونان میں نیا فکری سیلاب آیا۔

ایک دیو مالا گئی (کلیتہً نہ سہی جزواً سہی) دوسری دیو مالا آ گئی۔ دیو مالا کا بدل دیو مالا ہی تھی۔ یونان ہی نہیں، مصر جو یونانیوں کے لئے علم و دانش کی گراں مایہ اور عظیم الشان درس گاہ تھی، اس سے بہت پہلے (اور کم و بیش پانچ ہزار برس تک) زبردست تغیر و تبدل کی آماجگاہ بنی۔

اسلام وہ سچا دین ہے جس نے دیو مالا کا شیزازہ بکھیر دیا۔ دیو مالا کو مٹایا تو دنیا کو وہ دین دیا جو من گھڑت تھا نہ استحصال کا ذریعہ، نہ کسی کی ذاتی غرض کا پابند۔ ہر نوع کے توہمات، مفروضات، قیاسات اور تعصبات سے یکسر مبرّا تھا۔ یہ تو ایک دائمی، سدا بہار نغمہ تھا۔ اس نے حسن و جمال کا ایسا دریا بہایا جس سے مخلوقِ خدا نے غسلِ صحت بھی کیا اور اس سے شفائے کامل بھی پائی۔ اس میں وڈیرہ شاہی اور پروہتی اقتدار کے لئے کوئی گنجائش نہ رکھی گئی۔ اس کی غایت فلاح و بہبود اور تسکینِ قلب تھی۔ یہ اِساسی اور کامل طور پر نسلِ آدم کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی کے لئے بھیجا گیا۔

اگر اسلام میں فی نفسہٖ انفرادی اور اجتماعی سربلندی، قوت و توانائی، فتح و نصرت، فروغ، اخلاقی و روحانی ترقی، خوشی اور خوشحالی کا بنیادی وصف نہ ہوتا تو معبدوں کے چالاک پروہت اور کاہن دال نہ گلنے دیتے۔ فرعونِ مصر آخن عطون کے نئے فکر ـــــــ نظریۂ توحید کو ربِّ عمون کے انہی پروہتوں نے اس کی زندگی میں ناکام بنا دیا جنہیں اس نے بے دست و پا کیا تھا اور وہ چپکے چپکے سازشیں کر کے از سرِ نو برسرِ اقتدار آ گئے۔ انہوں نے اپنے متروکہ مندر دوبارہ آباد کر لئے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اسلام کی صحیح و سادہ صداقتوں سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ خدا پرستی ترک کر کے قبر پرستی میں مشغول ہو گئے ہیں۔ رزقِ سہل کے دروازے کھل جانے سے رزقِ حلال کی قدر و منزلت بھول گئے ہیں۔ مشرکانہ رسوم بھی اختیار کر لی ہیں۔ کروڑ پتی ارب پتی بھی ہو گئے ہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کا بتایا ہوا راستہ نظروں سے اوجھل کر بیٹھے ہیں۔ وڈیرہ شاہی بھی قائم کر لی ہے اور دنیا میں ذلیل و خوار بھی ہو گئے ہیں۔ ہمیں معلوم تو ہے اسلام کی تعلیمات پر چل کر ہم برسرِ اقتدار آ سکتے اور دنیا کو راستی پر لا سکتے ہیں لیکن بدعملی اور بے عملی کا شکار ہیں۔

اس وقت مادی ترقی اور جمہوری مادر پدر آزادی نے مخلوقِ خدا کا سکون و قرار چھین لیا ہے۔ اگر ہم عملِ صالح کو نمونہ بنائیں اور صدقِ دل سے نام نہاد مہذب ممالک میں تبلیغِ دین کریں تو وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں جو کسی دوسرے طریقے سے ممکن نہیں۔ وہی لوگ جو ہمیں اقتصادی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں، ہمارے گھرانے میں شامل ہو جائیں۔ ہم سرخرو ہو جائیں اور گمشدہ ماضی کا عروج حاصل کر لیں گے۔

●

مطبوعاتِ رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ

شائع شدہ

خوشبودار عورتیں	(افسانے)	رحمان مذنب
پتلی جان	(افسانے)	,,
بالاخانہ	(افسانے)	,,
پنجرے کے پنچھی	(افسانے)	,,
رام پیاری	(افسانے)	,,
باسی گلی	(ناول)	,,
گلبدن	(ناول)	,,
تجھے ہم ولی سمجھتے (رحمان مذنب۔ شخصیت وفن)	ترتیب: ڈاکٹر انور سدید	
مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے	(ترجمہ) انعام یافتہ	رحمان مذنب
دینِ ساحری، دیومالا اور اسلام		,,
جادو اور جادو کی رسمیں (دینِ ساحری)		,,
ڈرامے اور تھیئٹر کی عالمی تاریخ	(مقالے)	,,

زیرِ اشاعت

محمد ﷺ	(سیرتِ رسولؐ)	رحمان مذنب
بلالؓ	(ترجمہ)	,,
گوری گلاباں	(ناول)	,,
بوطیقا	(پنجابی ترجمہ)	,,
بلھے شاہ اور اس کا نظریۂ تصوّف		,,
کانچ کے پتلے	(ڈرامے)	,,
شعری مجموعہ		,,

نام .... مفتی عزیز الرحمان قلمی نام .... رحمان مذنب

پیدائش .... لاہور، ۱۵ جنوری ۱۹۱۵ء علماء کے گھرانے میں شاہی مسجد اور شاہی محلے کی حدود میں شعو
آنکھ کھولی، ہوش سنبھالا، زندگی کا بیشتر حصہ یہیں گزارا اور سیاہ سفید کے جلوے یہاں دیکھے۔

ابتدائی تعلیم .... ابتدائی تعلیم لاہور میں پائی۔ میٹرک سنٹرل ماڈل ہائی سکول لاہور سے ۱۹۳۳ء میں
انٹر اسلامیہ کالج، سول لائنز لاہور سے کر کے دیال سنگھ کالج میں بی اے میں داخلہ لے لیا لیکن تعلیم جاری نہ رکھ
اور اپنے والد مفتی عبدالستار کے زیرِ نگرانی بادشاہی مسجد لاہور کے دارالفتاویٰ میں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے

مختصر حالاتِ زندگی .... رحمان مذنب کی جائے پیدائش لاہور کے ٹکسالی دروازہ کی اونچی مسجد سے ما
مکان تھا۔ آپ کے والد شاہی مسجد لاہور کے دارالفتاویٰ کے مفتی تھے اور لاہور میں ان کا فتویٰ چلتا
مفتی عبدالستار کا بیشتر وقت فقہی کتب کے مطالعہ، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرتا۔ رحمان مذ
کے نانا شمس العلماء مفتی عبداللہ ٹونکی بہت بڑے عالم اور اورینٹل کالج میں عربی ادبیات کے ہیڈ آف
ڈیپارٹمنٹ تھے اور ۱۹۰۴ء میں لگ بھگ تیس سال پڑھانے کے بعد کلکتہ یونیورسٹی چلے گئے۔

کام .... رحمان مذنب نے اردو ادب کو اعلیٰ پائے کے افسانے، ڈرامے اور مقالے دیئے۔ پنجابی
بھی بہت کچھ لکھا۔ "بوطیقا" کو پنجابی میں منتقل کیا۔ تین درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں

موضوعات .... قرآنیات، سیرت رسول مقبول، افسانہ، ڈرامہ، ڈرامے اور تھیٹر کی تاریخ
مصریات، یونانیات، تصوف، شاعری، ماحولیات (اکالوجی) سوشل انتھروپولوجی ....

وفات .... جب تک حیات رہے، قلم دوات، کتاب اور اللہ کے بندوں سے یارانہ رہا۔ چلتے پھ
سے ملتے جلتے اور ان کے دلوں میں گھر کرتے رہے۔ ۱۶ فروری ۲۰۰۰ء گھر کے صحن میں بیٹھے لکھ
اچانک داعیٔ اجل نے صدا دی جس پر لبیک کہا اور اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارالبقاء کی جانب چل دیے۔

رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ
ISBN NO.969-8694-13-7